رقصِ بسمل

نبیلہ عزیز

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

خلیل جبران کہتا ہے۔

"تم غلام ہو اس شخص کے سامنے جس سے تم محبت کرتے ہو اس لیے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔"

مادرا مرتضیٰ نے مضبوط اور نپے تلے سے لہجے میں کہتے ہوئے کافی گہری نظروں سے اپنے سامنے بیٹھی فارہ رحیم کو دیکھا تھا اور ذرا توقف سے دوبارہ گویا ہوئی۔ "اور بقول آفاق یزدانی 'وہ تم سے محبت کرتا ہے اور اگر وہ تم سے محبت کرتا ہے تو وہ تمہارا غلام کیوں نہیں ہے؟"

اس کے سوال میں نہ طنز تھا' نہ تمسخر' لیکن نہ جانے کیا تھا کہ فارہ رحیم کے دل پہ لگا تھا اور درد بھی ہوا تھا۔ جس کے آثار مادرا مرتضیٰ نے اس کے چہرے پہ دیکھے تھے۔ کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں درد ہو تو تکلیف کے آثار چہرے پہ نظر آجاتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کے دل کو درد پہنچے اور اس کے آثار چہرے پہ دکھائی نہ دیں؟

"مادرا... میں کب اسے اپنا غلام بنانا چاہتی ہوں؟" فارہ کے لہجے میں اضطراب تھا اور انداز میں بے بسی کا رنگ۔

"لیکن محبت کی رُو سے تو آفاق یزدانی کو تمہارا غلام ہی ہونا چاہیے۔" اس نے اپنی بات پہ زور دیا۔

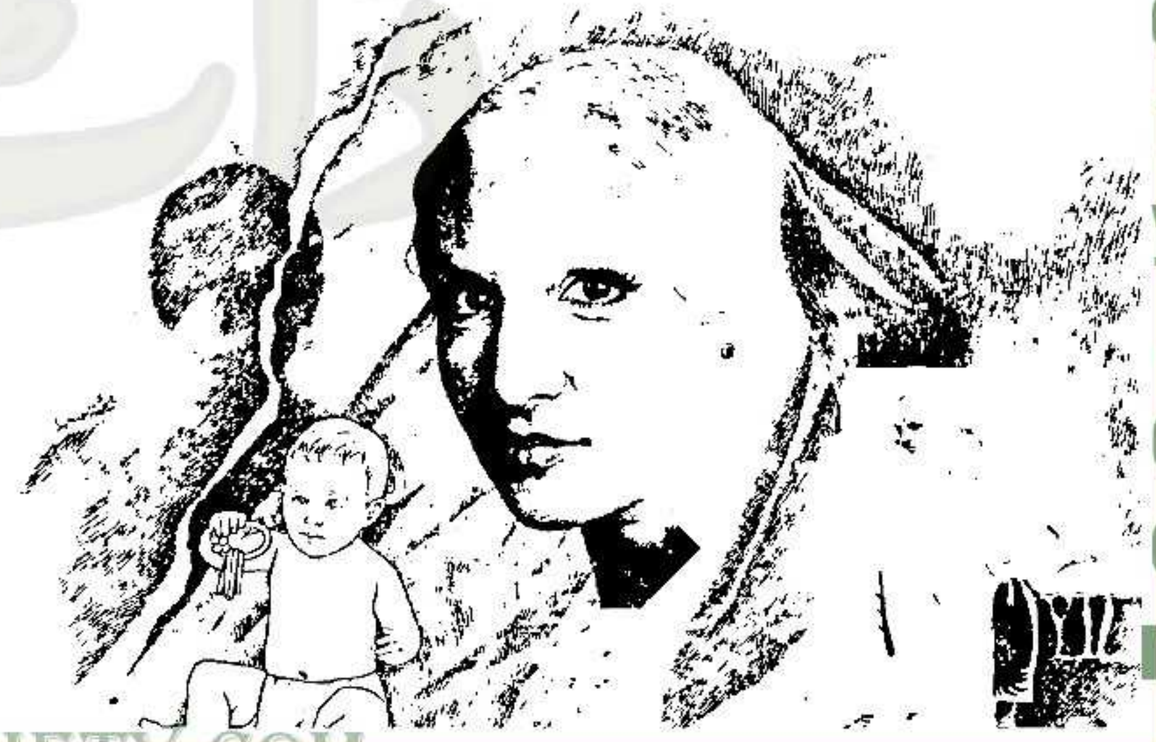

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لیکن یار! غلام تو دور کی بات' وہ تو آقا بننے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔" فارہ کے بے بس سے جواب پہ اسے جھٹکا لگا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس نے ضبط کرتے ہوئے رخ موڑ لیا کہ مبادا اس کے منہ سے کوئی سخت سست نہ نکل جائے' جس پہ فارہ کو مزید تکلیف ہو اسی لیے وہ جان بوجھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

یونیورسٹی کے سبز گھاس اور رنگین پودوں سے سجے وسیع گراؤنڈ میں لڑکے اور لڑکیاں ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اس وقت زیادہ گروپ لڑکیوں کے ہی دکھائی دے رہے تھے اور ایسے گروپس میں ہر لڑکی کے پاس دوسری لڑکیوں کو سنانے کے لیے کوئی نہ کوئی قصہ ضرور ہوتا تھا۔

یا اپنا۔۔۔ یا کسی اپنے کا۔۔۔ اور اس قصے کو سننے والیاں یا تو بور ہو جاتی تھیں۔۔۔ یا پھر وں لطف اندوز ہوتی رہتی تھیں' لیکن افسوس ماورا مرتضیٰ ان سب لڑکیوں سے بہت مختلف لڑکی تھی' جو فارہ رحیم کا قصہ سن کر نہ تو بور ہوتی تھی اور نہ ہی لطف اندوز ہوتی تھی' بلکہ اسے غصہ آنے لگتا تھا۔ کبھی فارہ رحیم پہ' کبھی اپنے آپ پہ۔ اس وقت بھی اسے نہ جانے کس بات پہ غصہ تھا' جسے وہ ضبط کرنے کی کوششوں میں تھی اور بالآخر جب کچھ نہ بن پڑا تو اپنی کتابیں سمیٹ کر بیگ اٹھایا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماورا پلیز! کہاں جا رہی ہو؟" فارہ تیزی سے اٹھ کر اس کے سامنے آگئی۔

"لائبریری۔" اس کا جواب مختصر تھا۔

"لیکن ماورا۔۔۔ تم میری بات سنے بغیر۔۔۔" فارہ نے کچھ کہنا چاہا' لیکن ماورا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"دیکھو فارہ! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کبھی بھی اپنا ٹائم ویسٹ نہیں کرتی' لیکن پچھلے بیس منٹ سے تمہارے ساتھ بیٹھی خوامخواہ اپنا ٹائم ویسٹ کیے جا رہی ہوں اس کام سے بہتر ہے کہ میں لائبریری جا کر تھوڑی دیر اسٹڈی کر لوں۔"

ماورا مرتضیٰ کی شخصیت کی طرح اس کا ایک ایک لفظ بھی نپا تلا سا تھا۔ فارہ چند ثانیے کے لیے چپ سی ہو گئی تھی۔ وہ مزید سلگ اٹھی۔

"کیا اب مجھے اپنی چپ کا دورانیہ جانچنے کے لیے روکا ہے؟" وہ چبا کر بولی۔

"پلیز ماورا۔۔۔ غصہ مت کرو' میری فیلنگز' میری پرابلم سمجھنے کی کوشش کرو' پلیز۔" فارہ نے کافی لجاجت سے کہا۔

"میں تمہاری ساری پرابلم سمجھ چکی ہوں۔" اس کا وہی دوٹوک انداز تھا۔

"کیا مطلب؟ کیسے؟"

"مطلب کہ تم میں اتنی جرات نہیں کہ تم آفاق یزدانی کے سامنے اپنی ذات کو منوا سکو۔ اپنی محبت اس کے ذہن پر طاری کر سکو۔ بلکہ تم نے خود اس کی ذات کے غرور کو سلامی پیش کرنا خود پہ فرض کر لیا ہے اور اس کی محبت کو اپنے ہی سر پہ سوار کر رکھا ہے۔ بس صرف اس سرشاری میں کہ آج سے دو سال قبل اس نے انگیجمنٹ کے روز تمہارے لیفٹ ہینڈ کی رنگ فنگر میں ڈائمنڈ کی رنگ پہناتے ہوئے تمہیں "آئی لو یو" کہا تھا اور تم دو سال سے اس "آئی لو یو" کو کسی ورد کی طرح حفظ کرتی پھر رہی ہو۔۔۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ اپنے کہے ان معمولی الفاظ کو نہ جانے کب کا بھول بھی چکا ہے۔ بلکہ اسے تو یہ بھی یاد نہیں ہو گا کہ اس نے تمہیں آئی لو یو کہا بھی تھا یا نہیں؟ میری مانو تو اسے فون کرو اور کہو کہ تمہارا پہلے والا "آئی لو یو" پرانا ہو چکا ہے۔۔۔ دو سال پرانا۔۔۔ موسموں کے سرد و گرم کی وجہ سے اس کا رنگ خراب ہو گیا ہے۔ چمک دمک ماند پڑ گئی ہے۔ پھیکا لگنے لگا ہے۔ اس لیے مجھے نیا "آئی

لو یو" چاہیے۔۔۔ پھر دیکھنا وہ کیا کہتا ہے؟ نیا آئی لو یو دے گا۔۔۔ یا پہلے والا واپس لینے پر غور کرے گا۔"

ماورا مرتضیٰ کے الفاظ تھے یا تیز دھار خنجر' فارہ بلبلا کے رہ گئی۔

"ماورا۔۔۔!"

"ہونہہ! تو اور کیا کہوں؟ ایک طرف تم کہتی ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ دوسری طرف کہتی ہو کہ وہ تم سے بات بھی نہیں کرتا۔ اب میں اس بات سے کیا مطلب اخذ کروں؟" یہی نا کہ اس کی محبت ختم ہو گئی ہے؟ آخر کسی چیز کے ختم ہونے کے لیے دو سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔"

اس نے فارہ کے دل پہ چھری چلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی۔ بولتی تھی تو کھرا کھرا۔

"بجائے اس کے کہ تم اس کے دل کی ملکہ بن کے رہو' الٹا تم اسے اپنا آقا بنانے پہ تلی ہوئی ہو۔ ہونہہ۔۔۔ بے وقوف لڑکی۔" اس نے خفگی سے سر جھٹکا۔

"تو اور کیا کروں؟" فارہ بے چاری بے بس تھی ماورا کی باتیں سچ تھیں' لیکن دل اس معاملے میں بے اختیار تھا۔

"اسے آقا بنانے کا خیال دل سے نکال دو۔ دیکھ لینا! تم خود بخود اس کے دل کی ملکہ بن جاؤ گی۔ تمہارے پاس اللہ کی عطا کردہ سب سے بڑی طاقت تمہاری نسوانیت ہے۔ اپنی اسی طاقت کو آزماؤ گی تو کامیاب ٹھہرو گی۔ بس! اپنی نسوانیت کا غرور قائم رکھنا۔ ورنہ پچھتاؤ گی اور آفاق یزدانی کبھی تمہیں حاصل نہیں ہو گا۔ کیونکہ ہم جس چیز کی سمت جتنا لپکتے ہیں' وہ چیز ہم سے اتنا ہی پیچھے سرکتی ہے۔ بالکل ایسے' جیسے تم آفاق یزدانی کی سمت لپک رہی ہو اور وہ پیچھے ہی پیچھے سرک رہا ہے' دن بہ دن' لمحہ بہ لمحہ۔"

وہ ماورا کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ یہ سب کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ کر پائے گی؟ وہ کیسے اپنے دل کو باز رکھ سکتی ہے؟ آخر کیسے؟

اور ماورا مرتضیٰ اتنی عمیق نظر رکھتی تھی کہ اکثر اس کے سوال بن کہے ہی جان لیتی تھی۔ فارہ اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔

"بتاؤں گی تمہیں' یہ سب بھی بتاؤں گی' ابھی اندر چلو' لیکچر اسٹارٹ ہونے والا ہے۔"

اس نے سر ہلا کر کہتے ہوئے کلاس روم کی طرف اشارہ کیا فارہ نے قدرے پرسکون ہوتے ہوئے اس کے ساتھ کلاس روم کی سمت قدم بڑھا دیے۔ ان دونوں کی دوستی بے حد گہری اور مثالی تھی۔ لیکن دونوں کے مزاج کا تضاد بھی مثالی تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہو گئے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

☼ ☼ ☼

وین سے اترتے ہی تیز چلچلاتی ہوئی دھوپ سوئیوں کی طرح جسم میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور انہی سوئیوں کی چبھن کی وجہ سے اس کے قدموں میں تیزی آگئی۔ یوں ہی تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اپنے گھر کی گلی میں داخل ہوئی تو اس کی پشت دھوپ کی سمت ہوگئی تھی۔ کیونکہ ان کی گلی شمال کی طرف پہ تھی اور سورج صاحب اس وقت جنوبی سمت سنبھالے ہوئے تھے۔ اس لیے اس وقت دھوپ کی سوئیوں کا نشانہ اس کی خم دار کمر بنی ہوئی تھی۔

خدا خدا کر کے اس نے اپنی گلی سے اپنے گھر تک کا فاصلہ طے کیا اور گھر کے دروازے کے سامنے پہنچ کر دروازہ ایک دم دھڑا دھڑ پیٹ ڈالا۔ دروازہ کھلنے کے انتظار کے عذاب ناک مرحلے سے گزرتے ہوئے اپنی فائل کو سر اور چہرے کے سامنے کرتے ہوئے ذرا سی چھاؤں کا اہتمام کیا۔ اس وقت دھوپ کی آگ سے بچنے کے لیے یہ ذرا سی اوٹ بھی غنیمت تھی۔

اس نے ایک بار پھر دروازے پہ تشدد کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ خلاف توقع دروازہ فوراً کھل گیا۔ اسے امید تھی کہ دروازہ کھولنے والی بی گل ہی ہوں گی۔ لیکن بی گل کی جگہ عافیہ بیگم کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی اور دروازے پہ تشدد کے لیے تیار اپنا دایاں ہاتھ پہلو میں گرا لیا۔

"السلام علیکم!" ہاتھ کو ڈھیلا چھوڑنے کے ساتھ ساتھ اپنے اعصاب بھی ڈھیلے چھوڑنے پڑے تھے۔ اس نے آہستگی سے انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" وہ بھی دھیمے سے جواب دیتے ہوئے سامنے سے ہٹ گئیں وہ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی' عافیہ بیگم دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے ہی آگئیں۔

"کافی جلدی میں لگ رہی ہو؟" ان کے سوال میں ہلکے غصے کی آمیزش تھی۔ جس پہ اس کے ڈھیلے پڑنے والے اعصاب دوبارہ سے تن گئے۔

"سورج لگتا ہے کہ سوا نیزے پہ پہنچ گیا ہے۔ جسم میں آگ گھس رہی ہے۔ آدھے گھنٹے سے پیاس لگی ہوئی ہے۔ مگر کہیں سے پانی نہیں ملا۔ صبح ناشتے میں صرف ٹھنڈی لسی کا گلاس پی کر گئی تھی۔ اب بھوک کی وجہ سے آنکھوں کے آگے تارے ناچ رہے ہیں اور آپ کہتی ہیں کہ میں جلدی میں لگ رہی ہوں؟"

اس نے خفگی سے کہا۔ اپنا بیگ اور کتابیں تخت پہ ڈال کر سینڈل اتارتے ہوئے ننگے پاؤں ہی کچن کی سمت بڑھ گئی۔

"لیکن! اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم آتے ہی پولیس والوں کی طرح دروازہ پیٹنا شروع کر دو؟ پورے محلے کو پتا چل جاتا ہے کہ تم گھر آئی ہو۔ ابھی کل کی بات ہے ساتھ والی امبرین شکایت کر رہی تھی کہ ماورا جب بھی گھر آتی ہے دروازہ اتنے زور سے پیٹتی ہے کہ میرا بچہ نیند سے ڈر کے اٹھ جاتا ہے۔ اس سے کہیں کہ دروازہ آہستہ بجایا کرے۔" عافیہ بیگم بھی اس کے پیچھے کچن میں چلی آئیں۔ وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال کر تعجب سے ان کی سمت پلٹی۔

"گویا اب گھر والوں کے ساتھ ساتھ محلے والوں کو بھی شکایت ہونے لگی ہے؟" اس نے بوتل کا ڈھکن کھولتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"شکایت والا کام کرو گی تو شکایت ہی ہوگی نا؟" وہ آگے بڑھ کے اس کے لیے کھانا گرم کرنے لگیں۔

"آپ کو بھی آج تک شاید شکایت بھی صرف مجھ سے ہی ہوئی ہے اور کسی سے نہ شکوہ ہے' نہ گلہ۔"

وہ آہستگی سے بڑبڑاتی ہوئی کرسی پہ بیٹھ کر پانی پینے لگی۔ عافیہ بیگم اس کی بات سن کر ضبط کر گئی تھیں۔ اس نے

تین سانس میں ٹھہر ٹھہر کر پانی پیا اور اٹھ کر باہر نکل آئی۔ اس کا رخ واشن بیسن کی طرف تھا۔ اس نے ٹونٹی کا والو کھول کر پانی چیک کیا۔ پانی ٹھنڈا ہی تھا۔ یعنی اس کا مطلب تھا کہ بجلی ابھی ابھی آئی تھی اور ٹنکی میں تازہ پانی بھر آگیا تھا۔ وہ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھو کر واپس برآمدے میں آئی اور تخت کے عین اوپر والا پنکھا آن کر دیا تھا اور خود تخت پہ بیٹھ گئی۔ پنکھے کی تیز ہوا سے تپتے ہوئے جسم کو سکون ملا۔ وہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔

"کھانا کچن میں ہی کھاؤ گی یا باہر لے آؤں؟" عافیہ بیگم نے کچن سے آواز دے کر پوچھا۔

"کیا کچن میں کھانا کھانے کی کوئی صورت حال ہے؟" الٹا اس نے سوال داغ دیا۔ عافیہ بیگم اس کے سوال کا مفہوم سمجھ کر کھانے کی ٹرے برآمدے میں ہی لے آئیں۔

"سلاد لو گی ساتھ؟" انہیں پتا تھا کہ وہ سلاد شوق سے کھاتی ہے۔ لیکن صرف اس لیے پوچھ لیا تھا کہ اس کا موڈ بدلتے کون سا دیر لگتی تھی۔

"جی۔" اس نے آہستگی سے کہا اور ڈھکن ہٹا کر سالن دیکھنے لگی۔ "یہ قیمہ کریلے آپ نے بنائے ہیں؟"

وہ سالن کی رنگت دیکھ کر ہی پہچان گئی تھی کہ سالن کس نے بنایا ہے۔ اس کے اتنے درست اندازے پہ عافیہ بیگم اسے دیکھ کے رہ گئیں۔

"ہاں! میں نے بنایا ہے' مجھے پتا تھا کہ کل تم نے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا تھا' اسی لیے آج تمہاری پسند سے قیمہ کریلے بنائے ہیں۔"

وہ اسے کھانا بنانے کی وجہ بتا رہی تھیں۔

"تھینک یو۔" وہ نپے تلے سے انداز میں کہہ کر کھانا کھانے میں مصروف ہوگئی۔

"کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس کے اس تھینکس پہ ضرور کچھ کہتیں۔ لیکن اس وقت وہ کچھ کہہ کر اس کا کھانا خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے اسے سلاد دے کر خاموشی سے پلٹ کر اندر آگئیں۔

"مادر ایونیورسٹی سے آگئی؟" بی گل نے چہرے سے بازو ہٹا کر عافیہ بیگم سے پوچھا۔

"دروازے کی آواز تو آپ سن ہی چکی ہیں۔ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟ آگئی ہیں محترمہ۔" عافیہ بیگم کی خفگی کا راستہ بی گل کی طرف نکلتا تھا۔

"آتے ہی شروع نہ ہو جایا کرو اس کے ساتھ۔ اس طرح بچہ چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اتنی گرمی اور دھوپ میں آئی ہے وہ۔ دماغ تو گرم ہوگا ہی اور تم ہو کہ فوراً ہی شکایتوں کی پوٹلی کھول کے بیٹھ جاتی ہو' ماں ہو آخر۔ پیار سے اور دلار سے بٹھاؤ اسے۔ ٹھنڈا پانی دے کر اسے ٹھنڈا کرو اور جب اس کا دماغ ٹھنڈا ہو جائے تو پھر کچھ سمجھانے کا کام کرو۔ تم خود سمجھ دار ہو۔ لیکن سمجھ داری سے کام نہیں لیتیں۔"

وہ لیٹے لیٹے ہی انہیں سمجھانا شروع ہو گئی تھیں۔

"آپ بس مجھے ہی غلط کہتی ہیں۔ اسے کچھ نہیں کہتیں۔ آپ کی اسی طرف داری کی وجہ سے اسے اور بھی شہہ ملتی ہے۔" عافیہ بیگم نے خفگی سے کہا۔

"تمہیں اس لیے کہتی ہوں' کیونکہ تم سمجھ دار ہو۔ اسے اس لیے نہیں کہتی' کیونکہ وہ ناسمجھ ہے۔ اور رہی بات طرف داری کی۔ تو ایک بات کان کھول کے سن لو! میں اگر یہ طرف داری بھی نہ کروں تو تم دونوں میں سے ایک اس گھر میں نہیں رہے گی۔ یا تو وہ تمہیں اس گھر سے نکال دے گی۔ یا تم اسے نکال دو گی۔ یہ جو گزارہ ہو رہا ہے نا' یہ صرف میری وجہ سے ہو رہا ہے۔ سمجھیں تم؟" بی گل بات کرتے کرتے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے جواب اکثر بہت کرارے ہوتے تھے۔ جو کبھی ماورا کو گراں گزرتے تھے اور کبھی عافیہ بیگم کو۔

"لیکن بی گل! آپ خود سوچیں یہ کوئی طور طریقہ ہے گھر آنے کا؟ یوں لگتا ہے جیسے دروازے پہ قیامت آگئی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو۔۔۔ اور تو اور پورے محلے کو پتا چل جاتا ہے کہ محترمہ مادرا مرتضیٰ گھر آگئی ہیں۔" عافیہ بیگم کی خفگی کم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"جانتی تو ہو یہ اس کی بچپن کی عادت ہے؟" بی گل نے ہاتھ اٹھا کر کہتے ہوئے انہیں یاد دلایا۔

"بچپن کی عادت بچپن کے ساتھ رخصت ہو جانی چاہیے اور اگر نہیں ہوتی تو اس پہ کنٹرول رکھنا چاہیے۔ بچی نہیں ہے وہ۔ یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔ ماسٹرز کی اسٹوڈنٹ ہے آخر۔" وہ جھنجلا گئیں۔

"تو پھر یہی سوچ لو' وہ ماسٹرز کی اسٹوڈنٹ ہے اور تم میٹرک کی ٹیچر۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ماسٹرز کا اسٹوڈنٹ میٹرک کے ٹیچر کے قابو آجائے؟"

بی گل کی باتیں بھی کمال کی ہوتی تھیں۔ عافیہ بیگم انہیں دیکھ کے رہ گئیں۔

"دیکھو بیٹا! گھر میں ٹیچر بن کے نہ رہا کرو۔ ماں بن کے رہا کرو۔ تب ہی کچھ گزارہ ہوگا۔" انہوں نے عافیہ بیگم کو سمجھایا۔

"مجھے تو کچھ پتا نہیں ہے' گزارہ ہوگا بھی یا نہیں۔ اوپر والا ہی بہتر جانتا ہے۔" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں کہتی اپنے بستر پہ بیٹھ گئیں۔ "بے شک اوپر والا ہی بہتر جانتا ہے۔"

وہ پاؤں چارپائی سے نیچے اتار کر چپل پہننے لگیں اور سفید ململ کا دوپٹا اٹھا کر سر پہ رکھتے ہوئے باہر نکل آئی تھیں۔

"السلام علیکم!" وہ کھانا ختم کر چکی تھی۔ پانی پی کر گلاس منہ سے ہٹاتے ہی فوراً" انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام میرا بچہ! کھانا کھالیا؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

"جی! کھالیا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"گرمی بہت ہے۔ پیاس بھی بہت لگتی ہوگی؟"

"ظاہر ہے! گرمی میں پیاس ہی تو لگتی ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اسی لیے تو کہتی ہوں کہ ٹھنڈے پانی کی بوتل ساتھ لے جایا کرو۔" وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنے جا رہی تھیں۔ اس لیے اپنی قمیص کے بازو اڑسنے لگیں۔

"بی گل! اتنی بار آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں یونیورسٹی جاتی ہوں' اسکول نہیں کہ پانی کی بوتل اٹھا کر گلے میں لٹکا لوں اور پوری یونیورسٹی میں تماشا بن کے گھومتی پھروں؟"

"تو کیا یونیورسٹی میں پانی پینا بری بات ہے؟" بی گل معصومیت سے پوچھ رہی تھیں۔

"یونیورسٹی میں پانی پینا بری بات نہیں ہے۔ لیکن یونیورسٹی میں پانی کا ڈول گلے میں ڈال کر پھرتی ہوئی یقیناً" مضحکہ خیز ہی لگوں گی' جس کا شاید آپ کو اندازہ نہیں ہے۔" اس نے کافی چڑ کر جواب دیا۔

"خیر۔۔۔! تمہاری مرضی۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں ان کا رخ واش روم کی طرف تھا' مادرا سر تھام کے رہ گئی۔

اسے بی گل کی باتوں پہ اکثر حیرت ہوتی تھی۔ کیونکہ کبھی کبھی وہ ایسی ایسی گہری باتیں کہہ جاتی تھیں کہ بڑے بڑے اسکالرز کو بھی مات دے دیتی تھیں اور کبھی کبھی ایسی سادہ اور معصوم سی بات کر جاتی تھیں کہ کسی ناسمجھ بچے کا سا گمان ہوتا تھا اور مادرا سوچتی رہ جاتی کہ آخر وہ چیز کیا ہیں۔

بی گل ان دونوں ماں بیٹی کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ وہ ان دونوں کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھیں' مگر افسوس کہ وہ دونوں ماں بیٹی آج تک بی گل کو نہیں سمجھ پائی تھیں' لیکن جو کچھ بھی تھا' مادرا مرتضیٰ کی شخصیت اور ذہانت ان ہی کی مرہون منت تھی۔

مادرا کی شخصیت کو انہوں نے اپنے حسب منشا تراشا تھا۔ وہ مجسم ان کی سوچ' ان کے خیالات کا پیکر تھی۔

حالانکہ انہوں نے اس پیکر میں عافیہ بیگم کو دیکھنا چاہا تھا۔ لیکن عافیہ بیگم کی بزدلی کے باعث انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر شکر تھا کہ مادرا نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ مردوں کے اس معاشرے میں مردِ بن کے رہنے کا فن سیکھ گئی تھی۔ وہ کسی سے دبتی نہیں تھی بلکہ دبا کے رکھتی تھی۔ جس پہ بی گل خوش ہوتی تھیں۔ لیکن عافیہ بیگم خوش ہونے کے بجائے خائف ہو کے رہ جاتی تھیں۔

"کس سوچ میں گم ہو؟ نماز نہیں پڑھنی؟" بی گل وضو کر کے واپس آئیں تو مادرا کو ہنوز اسی جگہ پہ بیٹھے دیکھ کر ٹھہر گئیں۔ ان کی آواز پہ وہ ٹھٹک کر متوجہ ہوئی تھی۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ پڑھنی ہے نماز۔۔۔" وہ فوراً" تخت سے اتری اور برتن سمیٹ کر کچن میں رکھنے چلی گئی پھر واش روم میں جا کر وضو کیا اور اپنے کمرے میں آگئی۔

عافیہ بیگم اور بی گل کا کمرا مشترکہ تھا۔ البتہ اس کا کمرا الگ تھا' جو اس نے خود اپنی پسند کے مطابق ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا وہ اپنے کمرے کے درمیان بچھی چٹائی پہ جائے نماز بچھا کر نماز ادا کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔ نماز تو وہ ہمیشہ ہی بہت یکسوئی سے ادا کرتی تھی۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس کا ایک گھنٹہ سونے کے لیے مقرر ہوتا تھا۔ یہ اس کا معمول تھا۔ نیند لے کر تازہ دم ہونے کے بعد وہ ایک قریبی ٹیوشن سینٹر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے چلی جاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے آفس کا دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو سب سے پہلے داخلی دروازے کے ساتھ ہی دیوار میں نصب اسٹینڈ میں سے ریموٹ نکال کر اے سی آن کیا اور کولنگ بڑھا دی اور اسی طرح ریموٹ دائیں ہاتھ میں لیے میز کی سمت آگیا۔ ریموٹ اپنی ٹیبل پہ ڈالتے ہوئے بائیں ہاتھ میں پکڑا بریف کیس بھی اپنی کرسی کے قریب ہی نیچے کارپٹ پہ رکھ دیا۔ کمرے میں رفتہ رفتہ اے سی کی کولنگ بڑھ رہی تھی۔ تیز دھوپ سے تپتے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ پارکنگ سے بلڈنگ کے اندرونی حصے تک آتے آتے چہرہ دھوپ سے تمتما اٹھا تھا۔ اعصاب پر سکون ہوئے تو اس نے جیب سے موبائل اور گاڑی کی چابی بھی نکال کر میز پر رکھ دی تھی اور پلٹ کر کھڑکی کے پردے برابر کر دیے۔ جس کی وجہ سے باہر سے آنے والی روشنی باہر ہی رہ گئی تھی اور اب روم میں صرف فینسی لائٹس کی روشنی جگمگا رہی تھی۔

"مے آئی کم ان سر۔۔۔؟" اس کی پی اے سحرش زمان دروازے پہ دستک دیتے ہوئے اجازت طلب کر رہی تھی۔

"یس! کم ان۔۔۔" اس نے آہستگی سے اجازت دی اور مضبوط قدم اٹھاتا اپنی کرسی تک واپس آگیا۔

"گڈ مارننگ سر۔۔۔!" سحرش زمان نے بے حد خوش گوار انداز میں کہا۔

"گڈ مارننگ مس سحرش! پلیز تشریف رکھیے۔۔۔!" اس نے شائستگی سے کہتے ہوئے کرسی کی سمت اشارہ کیا اور خود بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تھینک یو سر۔۔۔!" وہ بھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

"کیسی ہیں آپ۔۔۔؟" اس نے اپنی ٹیبل کے دراز کا لاک کھولتے ہوئے پوچھا۔

"الحمدللہ! بالکل ٹھیک ہوں سر۔۔۔" اس نے اپنے مخصوص لہجے میں جواب دیا۔

"ہوں! وہ تو نظر آرہا ہے۔" وہ بھی ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے مسکرایا۔

"اوہ رئیلی سر! تھینک یو سو مچ۔۔۔" سحرش زمان اس کے تبصرے پہ بے پناہ خوش ہوئی۔ کیونکہ وہ کسی دوسرے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہ خصوصا" لڑکیوں پہ ذرا کم ہی دھیان دیتا تھا۔ اس کے سامنے حسین سے حسین ترین لڑکی بیٹھی ہوتی تب بھی وہ اپنی نگاہ اور نیت کو ایک انچ بھی آگے یا پیچھے ہلنے کی اجازت نہیں دیتا تھا اور ایسے میں اس کے اس تبحرے پہ سحرش زمان خوش نہ ہوتی تو اور کیا کرتی۔

"ویلکم۔۔۔!" اس نے ذرا سا سر خم کرتے ہوئے کہا۔

"آج کے دن کی کیا ڈیٹیلز ہیں آپ کے پاس۔۔۔؟" وہ فائلز نکال کر سیدھا ہوا اور اس سے آج کے دن کی مصروفیات دریافت کیں۔

"سر! آج کے دن آپ کو کوئی ٹینشن نہیں ہے۔ تقریبا" ایک گھنٹے کے بعد آپ کی فیبرکس ڈیزائنر کے ساتھ میٹنگ ہے جس میں آپ نے کلر اسکیم اور چند ڈیزائنز پہ ڈسکس کرنا ہے اور کچھ نئے ڈیزائن بھی سلیکٹ کرنے ہیں۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں' آج کل سیزن ہے۔ اس لیے اس کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ آج کل نئے ڈیزائنرز کی ڈیمانڈ ہے۔" سحرش زمان اسے تفصیلات بتانا شروع ہو چکی تھی اور وہ بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

"اس کے علاوہ۔۔۔؟" وہ آج کے دن کا کوئی اور پروگرام پوچھ رہا تھا۔

"اس کے علاوہ آپ اپنے دوست کی طرف سے لنچ پہ انوائیٹڈ ہیں اور ان کی تاکید کے مطابق ٹھیک دو بجے آپ کو ریسٹورنٹ کے ہال میں موجود ہونا چاہیے۔" وہ چونک گیا۔

"کتنے بجے کا ٹائم ہے لنچ کا۔۔۔؟" اس نے دہرا کے پوچھا تھا۔

"سر! دو بجے کا۔۔۔"

"ہوں! تو فیکٹری کا راؤنڈ لگایا جا سکتا ہے؟" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے ٹائم کا اندازہ لگایا۔

"لیکن سر! ابھی تو آپ کی میٹنگ بھی ہے؟" اس نے پھر سے یاددہانی کروائی تھی۔

"اٹس اوکے! میٹنگ کون سا اتنی طویل ۔۔۔ ہوگی؟ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔ گیارہ بجے میٹنگ ختم ہوگی تو ہم راؤنڈ پہ چلے جائیں گے۔ لیکن ایک بات اور۔۔۔ فیکٹری میں کسی کو بھی پتا نہیں چلنا چاہیے کہ ہم آج راؤنڈ پر آرہے ہیں۔" اس نے تاکید کی۔

"اوکے سر! ایز یو وش۔ کیا میں جا سکتی ہوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے اجازت طلب کی۔

"ہوں! آپ جا سکتی ہیں' لیکن پلیز! فاروقی صاحب کو ذرا اندر بھیج دیجیے گا۔" اس نے منیجر کو اندر بھیجنے کا کہا۔

"اوکے سر!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تھینک یو۔۔۔" وہ کہہ کر اپنے سامنے پھیلی ہوئی فائلز کی سمت متوجہ ہو گیا۔ وہ باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے فورا" بعد ہی فاروقی صاحب کا چہرہ دروازے سے نمودار ہوا۔ یوں جیسے وہ پہلے سے ہی دروازے پہ تیار کھڑے تھے۔

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام! آیئے' تشریف رکھیے۔" اس نے کرسی کی سمت اشارہ کیا۔

"سر! آپ نے بلایا تھا؟"

"جی ہاں! اس فائل کی کاپی کروا کے لاکر میں رکھوا دیں اور یہ دونوں پیپرز کمپوز کروانے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میٹنگ ہے اور میٹنگ ختم ہونے سے پہلے یہ پیپرز مجھ تک پہنچا دیجیے گا اور ہاں! کمپوزر سے کہیے گا کہ ہاتھ ذرا جلدی چلائے۔" اس نے تاکید کی۔ یہ اس کی شروع سے عادت تھی۔ وہ بعد میں سر کھپانے کے بجائے پہلے ہی تاکید کر دیتا تھا۔ تاکہ نہ بعد میں اسے کوفت اٹھانا پڑے اور نہ ورکرز کو عجلت اور بے زاری میں کام کرنا پڑے۔

"ٹھیک ہے سر! ابھی کروا دیتا ہوں۔" فاروقی صاحب فورا" کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

"اور سنیے! وہ بینک سے لیٹر آیا؟" اس نے کچھ یاد آنے پر پوچھا۔

"نہیں سر! ابھی تو نہیں آیا۔"

"اوکے! جب آئے تو مجھے فوری انفارم کر دیجیے گا۔ بہت اہم کام رکا ہوا ہے۔"

"جی! ٹھیک ہے سر۔۔۔"

"اوکے! آپ جا سکتے ہیں۔"

انہیں جانے کی اجازت دے کر وہ دوبارہ فائلوں میں گم ہو گیا۔ وہ میٹنگ سے پہلے کے چند چھوٹے موٹے کام نپٹانا چاہتا تھا۔ وہ شروع سے ہی ایسا تھا' ذمہ دار اور سلجھا ہوا۔ کام کے وقت صرف کام کی بات کرتا تھا۔ ٹائم ضائع کرنا اسے قطعا" پسند نہیں تھا۔ نیت کا صاف اور سچا کھرا آدمی تھا۔

اس کے گھر والوں کے ساتھ ساتھ اس کے ورکرز اور بزنس کولیگز بھی اس سے خوش رہتے تھے' کبھی کسی بھی معاملے میں کوتاہی نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کوتاہی ہونے دیتا تھا۔ اسی وجہ سے لوگوں کو اس سے شکایت بھی نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ شکایت کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔

☆ ☆ ☆

فیکٹری کا راؤنڈ لے کر تقریبا" سوا ایک بجے وہ واپسی کے لیے نکل آیا تھا۔ لیکن راستے میں اتنا رش تھا کہ کوشش کے باوجود وہ وہاں سے جلدی نہیں نکل سکا۔ کراچی کی تپتی ہوئی سڑکوں پہ ٹریفک کا منہ زور سیلاب امڈا ہوا تھا۔ دھوپ' دھواں اور گرد و غبار نے گرمی کی شدت میں اور بھی اضافہ کر رکھا تھا۔ گاڑی کے تمام شیشے بند اور اے سی آن ہونے کے باوجود اسے الجھن اور گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ بہت ہی نفاست پسند آدمی تھا۔

اسے ایسے ماحول اور ہجوم سے کوفت ہوتی تھی اسی لیے وہ جلد از جلد گاڑیوں کے اس اژدھام سے نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے آدھا گھنٹہ تو لگ ہی گیا خدا خدا کر کے روڈ خالی ملا تو اس نے بھی کئی اور بے چین لوگوں کی طرح گاڑی پوری رفتار پہ چھوڑ دی اور ٹھیک پونے دو بجے وہ ریسٹورنٹ میں موجود تھا۔

"سر! آر یو تیمور حیدر۔۔۔؟" ویٹر اسے دیکھ کر تیزی سے قریب آیا۔

"یس! ایم تیمور حیدر۔۔۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"ویلکم سر! آیئے اوپر آجایئے۔ آپ کی ٹیبل ٹاپ فلور پہ ریزرو ہے۔" ویٹر اسے ساتھ لیے ریسٹورنٹ کے ٹاپ فلور پہ آگیا۔ ولید نے ٹاپ فلور کی کھڑکی والی ٹیبل ریزرو کروا رکھی تھی۔ تیمور حیدر کے ہونٹوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔ ولید نے اس کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹیبل ریزرو کروائی تھی۔ کیونکہ ولید جانتا تھا کہ تیمور ہمیشہ ریسٹورنٹ کے ٹاپ فلور کی کھڑکی والی ٹیبل پسند کرتا ہے۔

تیمور حیدر دائیں ہاتھ میں پکڑا لیپ ٹاپ بیگ ٹیبل پہ رکھ کے بیٹھ گیا۔

ولید رحمان ابھی تک نہیں آیا تھا۔ تیمور حیدر اکیلا بیٹھا پچھلے پندرہ منٹ سے بار بار ٹائم دیکھ رہا تھا' لیکن ولید کا تو دور دور تک کوئی نام و نشان ہی نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک بار تیمور کا دل چاہا کہ وہ اسے میسج یا کال کر کے اس کی عزت میں اضافہ کرے۔ لیکن پھر خود ہی سر جھٹک کر اپنا لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ ولید کو تو پتا نہیں کب آنا تھا۔ وہ بھلا کب تک ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔

"اے! دیکھو' تیمور حیدر۔۔۔" ایک نسوانی آواز پہ تیمور حیدر کی انگلیاں کی پیڈ پہ حرکت کرتے کرتے ایک لمحے کے لیے رکی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ آواز دائیں سائیڈ والی ٹیبل کی طرف سے سنائی دی تھی۔
"کون تیمور حیدر۔۔۔؟" دوسری آواز میں حیرانی تھی۔
"ارے! وہی تیمور حیدر' ہمارے شہر کا نمبر ون بزنس ٹائیکون۔ حیدر گروپ آف انڈسٹریز کا مالک۔ شہر کا سب سے بڑا مل اونر ہے۔ لاسٹ سنڈے کو سنڈے میگزین میں انہی کا انٹرویو پڑھا تھا میں نے اور ماریہ نے۔۔۔؟ اور تم لوگوں سے ڈسکس بھی کیا تھا۔" پہلی نسوانی آواز نے دوسری کو یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔
"ارے ہاں! یاد آگیا' تو یہ ہیں تیمور حیدر۔۔۔؟ واقعی یار! ان کی پرسنالٹی تو غضب کی ہے۔" دوسری والی آواز میں اب حد سے زیادہ شوق' اشتیاق اور ستائش کی آمیزش تھی۔ گویا اب وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی تیمور حیدر نے سر جھٹکتے ہوئے اپنی توجہ دوبارہ لیپ ٹاپ کی جانب مبذول کردی۔ کیونکہ یہ سب اس کے لیے اک عام سی بات تھی۔ وہ جب بھی کہیں جاتا' اسے ایسے کئی کمنٹس سننے کو ملتے۔ کچھ اپنے بزنس اور کامیابی کی وجہ سے اور کچھ اپنی ڈیسنٹ اور شاندار شخصیت کی وجہ سے۔۔۔ اسے ہمیشہ اسی طرح پروٹوکول ملتا تھا۔ جیسے اس وقت وہ لڑکیاں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اس کی سمت متوجہ تھیں۔
"آج ان کی کسی کے ساتھ ڈیٹ تو نہیں ہے؟ کافی دیر سے اکیلے بیٹھے ہیں؟ انتظار میں لگ رہے ہیں؟" یہ کوئی تیسری آواز تھی۔ جس نے پہلی دو آوازوں میں مداخلت کی۔
"ارے یار! آہستہ بولو۔ اگر انہوں نے سن لیا تو کیا سوچیں گے؟" چوتھی آواز نے سرزنش کی۔
"کچھ نہیں سوچیں گے۔ وہ کہتے ہیں فضول سوچوں کے لیے ان کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا۔" یہ شگوفہ تیسری آواز نے چھوڑا تھا۔ جس پہ باقی تینوں آوازیں ہنسی کا ساز لیے کھنک اٹھی تھیں۔ تیمور حیدر لڑکیوں کی اٹکھیلیوں پہ دل ہی دل میں مسکرا دیا۔
"ہائے۔۔۔!" اچانک اس کے قریب سے ولید کی آواز ابھری۔ لیکن تیمور نے اس کی آواز کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔
"ہیلو مسٹر تیمور حیدر! میں آپ سے مخاطب ہوں۔" ولید نے ٹیبل بجا کر اسے متوجہ کیا۔
"لیکن میں اس وقت کسی اور سے مخاطب ہوں۔" اس نے کافی لاپروائی سے جواب دیا۔
"کس سے۔۔۔؟" ولید نے جھٹ استفسار کیا۔
"اپنے کزن سے۔۔۔" اس نے مختصراً بتایا۔
"اوہ! میں سمجھا کہ۔۔۔" ولید نے مایوسی سے کہا اور پھر بات ادھوری چھوڑ کر کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا۔
"تم سمجھے کہ کسی لڑکی کے ساتھ بزی ہوں؟" تیمور نے اس کے ذہن میں آنے والے خیال کو لفظوں کا روپ دیا۔
"آف کورس یار! مگر میں بھول گیا تھا کہ صنف نازک کے حوالے سے تمہارے اندر کشش کے تو کوئی جذبات ہی نہیں۔ تم صنف نازک کو بھی ایسے لیتے ہو جیسے کہ ولید رحمان کو۔۔۔" اس نے کافی افسوس سے سر ہلایا۔
"یہ جذبات تمہارے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیے گئے ہیں' کیا یہ کافی نہیں ہے؟" تیمور نے خفگی سے کہتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کردیا۔
"ماشاء اللہ! تم تو ایسے جذبات سے مالا مال ہیں۔" ولید نے فخریہ انداز میں بازو پھیلا کر کہا۔
"اسی لیے تو جگہ جگہ لٹاتے پھر رہے ہو۔۔۔؟" اس نے طنزیہ کیا۔
"اور تم تالا لگائے بیٹھے ہو؟" ولید نے بھی چڑ کے جواب دیا۔
"میں بددیانت نہیں ہوں۔" تیمور کا لہجہ مضبوط تھا۔ اس کے کردار اور شخصیت کی طرح۔۔۔

"واہ! کیا خوب کہی ہے' لیکن میرے یار! مجھے اتنا تو بتا دو' آج کل کے زمانے میں کون ایمان دار ہے؟ تیمور حیدر کے علاوہ۔۔۔" ولید اس سے بحث پہ اتر۔
"گویا تمہاری بات کا یہ مطلب ہوا کہ آج کل کے زمانے میں ایمان ختم ہو گیا ہے۔" تیمور حیدر نے اس پہ نظریں جماتے ہوئے سنجیدگی سے استفسار کیا۔
"ایمان ختم نہیں ہوا یار۔۔۔ ایمان دار ختم ہو گئے ہیں۔ ایمان بے چارا تو اب اکیلا نظر آتا ہے۔ مارا مارا پھرتا ہے' صرف اس تلاش میں کہ شاید کوئی اسے سنبھالنے والا مل جائے۔ جہاں بھی جاتا ہے' اسے وہاں پہلے سے ہی بے ایمانی براجمان نظر آتی ہے اور ایمان بے چارا منہ سر لپیٹ کے خاموشی سے واپس پلٹ آتا ہے۔ افسوس! کہیں ٹھکانہ نہیں ہے مسکین کا۔۔۔" ولید نے اسے عجیب سی وضاحت تھما دی۔
"سر پلیز! آٹوگراف۔۔۔"
وہ لڑکیاں آٹوگراف بک لے کر تیمور حیدر کے سامنے آکھڑی ہوئی تھیں۔ ولید نے ایک اچٹتی سی مسکراتی ہوئی نظر ان الٹرا ماڈرن لڑکیوں پہ ڈالی اور پھر دوسری نظر تیمور حیدر پر' وہ بغیر کچھ کہے خاموشی سے انہیں آٹوگراف دینے لگا تھا۔
"تھینک یو سو مچ سر!" وہ لڑکی دلکشی سے مسکرائی۔
"یو ویلکم۔۔۔!" وہ بھی خوش اخلاقی سے کہتے ہوئے دوبارہ ولید کی سمت متوجہ ہو گیا' لیکن وہ ایک لڑکی جانے کے بجائے وہیں کھڑی رہی تھی۔
"جی۔" تیمور حیدر نے استفہامیہ سے لڑکی کی طرف دیکھا۔
"سر! کیا آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پی سکتے ہیں؟" اس لڑکی کی اس نئی اور اچانک فرمائش پہ جہاں تیمور ٹھٹکا تھا' وہیں ولید اپنی گدی کے بال سہلاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔
"پلیز سر! صرف ایک کپ۔۔۔ زیادہ ٹائم نہیں لوں گی آپ کا۔۔۔" وہ لڑکی کافی اصرار سے بولی۔ تیمور نے ایک نظر ولید کی سمت دیکھا۔ وہ جان بوجھ کر اپنی توجہ اس کی طرف سے ہٹائے بے وجہ ہی ہال میں نظریں دوڑا رہا تھا۔
"دیکھیے مس! میں اس وقت آل ریڈی اپنے دوست کی طرف سے لنچ پہ انوائیٹڈ ہوں۔ فی الحال سخت بھوک لگی ہے' لہٰذا اس وقت کافی پینے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ ایم ایکسٹریملی سوری۔" تیمور حیدر نے کافی شائستگی سے معذرت کی۔
"اوکے! ابھی نہیں تو پھر کبھی سہی۔ آپ میرا یہ نمبر رکھ لیں۔ کبھی فرصت ملے تو یاد کر لیجئے گا۔ ریئلی سر! میں فوراً آجاؤں گی۔"
وہ لڑکی کافی لجا کے بولی اور جلدی سے ایک چٹ پہ اپنا نام اور نمبر لکھ کر تھما گئی۔ تیمور حیرت سے ہاتھ میں پکڑی چٹ کو دیکھ رہا تھا۔ ولید نے اس لڑکی کے جانے کے بعد تیمور حیدر کو دلچسپی سے بغور دیکھا۔ پھر ذرا سا آگے ہوتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے وہ چٹ تھام لی اور اس لڑکی کا نام اور نمبر پڑھ کر مسکرایا۔
"مسٹر تیمور حیدر! یہ ہے وہ بے ایمانی جو ہمارے ایمان کو کہیں ٹھہرنے نہیں دیتی۔ اسی بے ایمانی کو دیکھ کر ہی ہمارا ایمان' ایمان داری کی دہلیز سے واپس پلٹ جاتا ہے' جب ایسی چلتی پھرتی ہوشربا بے ایمانی خود چل کر ہمارے پاس آتی ہے تو ایمان پہ دروازے بند کرنے ہی پڑتے ہیں۔" ولید نے اسے اپنی بے ایمانی کی وجہ بتائی۔
"یہ دروازے میں کیوں نہیں بند کرتا؟ ایسی بے ایمانی میرے پاس بھی تو آتی ہے خود چل کر۔۔۔؟" تیمور کے لہجے میں طنز تھا۔
"ہر کوئی تیمور حیدر نہیں ہو سکتا میرے دوست۔۔۔" ولید نے نفی میں سر ہلایا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تو پھر یہ بھی سوچ لو میرے دوست کہ یہاں ہر کوئی ولید رحمان بھی نہیں ہے۔ بے ایمانی کی خاطر ایمان پہ دروازے بند کردینے والا۔" تیمور نے بھی اسے دوبدو جواب دیا تھا۔

"خیر! چھوڑو اس بات کو۔ یہ بحث لاحاصل ہے۔" ولید نے سر جھٹکا۔

"تم نے شروع سے ہی یہ سوچا ہوا ہوتا ہے کہ تمہیں اس بحث میں متفق نہیں ہونا۔ اسی لیے آخر میں آکر بحث کو لاحاصل قرار دے دیتے ہو۔" تیمور کو اس کے اس طرح دامن جھاڑ دینے پہ مزید غصہ آیا۔

"کیا تم مجھ سے متفق ہوتے ہو جو میں ہو جاؤں۔۔۔؟" ولید نے چھیڑنے والے انداز میں پوچھا۔

"تم سے متفق ہونا بہت مشکل ہے میرے لیے۔ اینی وے تم یہ بتاؤ کہ مجھے انوائٹ کرکے تم خود کہاں غائب ہوگئے تھے؟ میں پچھلے ایک گھنٹے سے بے وقوفوں کی طرح اکیلا بیٹھا انتظار کررہا تھا۔ کیا تم نے مجھے یہاں بیٹھنے کے لیے انوائٹ کیا تھا؟" ولید کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بس یار! وہی مسئلہ آگیا تھا۔" ولید نے بال کھجاتے ہوئے کہا۔

"کون سا مسئلہ۔۔۔؟" تیمور نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"بے ایمانی آڑے آگئی تھی۔ بڑی مشکل سے پیچھا چھڑا کے آیا ہوں۔" ولید کے جواب پہ تیمور نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"دل چاہ رہا ہے ابھی یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں۔ میں تمہاری خاطر اتنی گرمی میں ہر کام جلدی ختم کرکے فیکٹری سے سیدھا یہیں آیا ہوں۔ تمہارے بتائے ہوئے وقت سے ایک منٹ بھی لیٹ نہیں ہوا۔ بھوک سے برا حال ہے اور تم ہو کہ۔۔۔"

"کول ڈاؤن میری جان! کول ڈاؤن۔۔۔ جب تمہیں کسی سے محبت ہوگی تو پھر پوچھوں گا تم سے کہ بندہ ہر کام میں لیٹ کیسے ہوتا ہے؟" ولید نے ہاتھ اٹھا کر اسے غصہ کرنے سے روکا تھا' لیکن تیمور کو اس کی یہ بات بھی ناگوار گزری تھی۔

"شٹ اپ یار! محبت جیسے مقدس نام کو تو بدنام مت کرو۔" تیمور نے فلرٹ کو محبت کا نام دینے پہ اسے ٹوک دیا۔

"اوکے یار! اوکے۔ ویسے محبت بھی آج کل اس نوبت پہ آگئی ہے کہ دیکھنے والوں کو فلرٹ معلوم ہوتی ہے۔" ولید نے ہنس کر کہا۔ لیکن تیمور نے جواباً کچھ بھی نہیں کہا۔ ولید نے اس کی خاموشی پہ اس موضوع کو سمیٹنے کی خاطر ویٹر کو طلب کرلیا۔

"کھانا تم آرڈر کروگے یا محبت کی طرح یہ کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا؟" ولید نے جان بوجھ کر ایک بار پھر اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

لیکن تیمور اس کی شرارت بھانپتے ہوئے خاموشی اختیار کرگیا اور ذرا سی گردن موڑتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"مجھے پتا تھا۔۔۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ یہ کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا۔ خیر کوئی بات نہیں تیمور حیدر! اللہ بھلا کرے تمہارا۔۔۔"

ولید نے کہتے ہوئے آہ بھری اور پھر ویٹر کو تیمور کا پسندیدہ کھانا آرڈر کرنے لگا۔ جس پہ نہ چاہتے ہوئے بھی تیمور کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"چلو! شکر ہے۔ بے رونق چہرے پہ بہار تو آئی۔" ولید نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"بہت ڈھیٹ انسان ہو تم۔" تیمور نے اسے گھورا۔

"ڈھیٹ ہونے کے بڑے فائدے ہوتے ہیں یار! ویسے ڈھیٹ کو معزز لفظوں میں مستقل مزاج بھی کہا جاتا ہے جیسے ولید رحمان ڈھیٹ اور تیمور حیدر مستقل مزاج۔۔۔ غور کرو تو مطلب ایک ہی ہے۔" ولید نے فخر سے کالر کھڑے کیے۔

"اب ایسی ڈھٹائی پہ میں کیا کہہ سکتا ہوں بھلا۔" تیمور حیدر نے بے بسی ظاہر کی۔ ولید بے ساختہ قہقہہ لگا کے ہنسا۔ تیمور بھی اسے دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔

"آج بہت خوش لگ رہے ہو؟ کیا وجہ ہے؟" تیمور نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"جو بات تمہیں بہت پہلے پوچھ لینی چاہیے تھی' وہ اب پوچھ رہے ہو۔" ولید سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"پوچھنا چاہتا تھا' لیکن تم نے کل سے اب تک پوچھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ یہ تمہارا موڈ' یہ ہنسی' یہ لنچ وغیرہ آخر کس سلسلے کی کڑیاں ہیں؟" تیمور نے اب کافی سنجیدگی سے پوچھا۔ ولید ایک بار پھر مسکرایا۔

"سوچا ہمیشہ تمہارا کھایا ہے۔ آج تمہیں کھلا دوں۔" ولید کا لہجہ ذرا سا دھیما پڑ گیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" تیمور حیدر کی آنکھوں میں تعجب سمٹ آیا۔

"ارے! کچھ نہیں کہہ رہا یار۔ بس مجھے جاب مل گئی ہے' اس لیے آج تمہیں انوائٹ کیا ہے۔ اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ تمہیں انوائٹ کرنے کے علاوہ کچھ سوجھا ہی نہیں۔" ولید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"رئیلی۔۔۔؟" تیمور کو اس کی جاب کا سن کر ایک دم خوشی کا اک جھٹکا سا لگا۔

"مبارک ہو یار! بہت بہت مبارک ہو تمہیں۔۔۔"

تیمور کو اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ وہ لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے آج ولید کو نہیں اسے جاب مل گئی ہو اس نے ولید سے ہاتھ ملاتے ہوئے بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

شاید اس لیے کہ ولید کی بے روزگاری اس کے دل میں کسی پن کی طرح چبھتی تھی اور وہ چاہنے کے باوجود اپنے دل میں چبھی اس پن کو نکال نہیں پاتا تھا۔ کیونکہ ولید اسے اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ اتنا خوددار تھا کہ کبھی بھی تیمور حیدر کا سہارا لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ تیمور نے اسے بارہا جاب آفر کی تھی۔ اسے اپنے ساتھ اپنے بزنس میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ولید کسی طور بھی نہیں مانا تھا۔ وہ دوستی کو دوستی کی حد تک رکھنا چاہتا تھا۔ مدد اور امداد کی حد تک نہیں جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے پتا تھا کہ ایسا کرنے سے اس کی نظریں نیچی ہوجائیں گی اور نیچی نظروں کے ساتھ رشتے نہیں نبھ سکتے۔ چاہے وہ دوستی کے ہوں' چاہے رشتہ داری کے۔۔۔

"تھینک یو میرے یار!" وہ تیمور کو اتنا خوش دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

"لیکن یار! تم نے یہ سب کیوں کیا ہے؟ فضول میں اتنے پیسے خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنی مشکل سے تو تمہیں جاب ملی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم پیسے سنبھال کے رکھو' الٹا ضائع کررہے ہو؟" تیمور نے اسے سرزنش کی تھی۔

"پیسے سنبھالنے کے لیے کیا تم کافی نہیں ہو' جو میں بھی پیسے سنبھالنا شروع کردوں؟"

وہ پھر سے اپنا ٹریک بدل چکا تھا۔ تیمور نے اسے خفگی سے دیکھا۔

"ارے یار! اب اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ بھی تو سوچو کہ پیسے سنبھالنے کے لیے کوئی تجوری یا لاکر تو ضرور ہونا چاہیے۔ جبکہ میرے پاس تو صرف یہ جیب ہے اور تم جانتے ہو' جیب میں پیسے ذرا کم ہی ٹکتے ہیں۔ لیکن تمہارے مخلصانہ مشورے پہ غور کرتے ہوئے میں سوچ رہا ہوں کہ مہینے دو مہینے کی تنخواہ جمع کرکے ایک تجوری خرید لوں۔ جس میں باقی کے مہینے پیسے سنبھالتا رہوں گا۔"

ولید نے تیمور کی بات کو سنجیدگی سے لینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ بلکہ الٹا مذاق میں اڑا دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ولید پلیز یار! کبھی کسی بات کو سنجیدگی سے بھی لے لیا کرو۔"

"ارے یار! لے تو رہا ہوں سنجیدگی سے۔ اور بھلا کس طرح لوں۔۔۔؟ یا پھر تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی پینٹ اور شرٹس کی تمام جیبیں بند کروا دوں؟ تاکہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔۔۔؟" ولید نے تیمور کو زچ کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، لیکن تیمور پھر بھی سکون اور تحمل سے کام لے رہا تھا۔

"دیکھو ولید! تم کام کرو گے، محنت کرو گے، پیسہ ضائع کرو گے تو کیا حاصل ہوگا تمہیں؟ الٹا تمہیں نقصان ہوگا۔ جبکہ پیسے سنبھال کے رکھو گے تو تمہیں فائدہ ہوگا۔ گھر والوں کو سہولت ہو جائے گی، وہ پیسہ ماں جی اور بہن بھائیوں کے کام آئے گا، مشکل وقت اور مجبوری میں کسی سے مانگنا نہیں پڑے گا۔ اس لیے پلیز! ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ احتیاط کیا کرو۔"

تیمور نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ولید رحمان سمجھ جانے والی مٹی سے نہیں بنا۔ وہ ہمیشہ وہی کام کرتا تھا۔ جو اس کے من میں سماتا تھا۔ ورنہ لاکھ کوشش کر لی جاتی، وہ کسی اور کام کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ دیکھا جاتا تو کافی متلون مزاج آدمی تھا، لیکن کبھی کبھی اڑی (ضد) بھی کر ہی جاتا تھا۔ جیسے اس نے تیمور کی جاب نہ کرنے پہ کی تھی۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ تیمور کی جاب نہیں کرے گا۔ سو اس نے نہیں کی تھی۔

"اللہ مالک ہے یار! اچھا برا وقت سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہم جوڑ جمع کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ ادھر ہم سالوں تو کیا صدیوں کے لیے جمع کرنے کی کوششوں میں ہوتے ہیں اور ادھر ہمیں اپنے اگلے ایک پل کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ اگلے پل میں ہمیں سانس لینا بھی نصیب ہوگا یا نہیں۔۔۔؟"

ولید کی بات میں انسان کی زندگی کی ایک ایسی سچائی، ایسی حقیقت بول رہی تھی، جسے سن کر کوئی بھی انسان چند ثانیے کے لیے چپ ہو سکتا تھا۔ سو تیمور حیدر بھی چپ ہو چکا تھا۔

"سر پلیز!" ویٹر نے آکر انہیں متوجہ کیا اور پھر ٹیبل پہ کھانا سرو کر دیا۔

"آج تمہاری وہ خوب صورت سی پی اے کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں آئی؟ میں تو اسی لیے خوش تھا کہ وہ بھی آئے گی؟"

ولید نے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔ تیمور اس کی شرارت پہ ہنس پڑا۔ ولید کا مقصد بھی اسے ہنسانا ہی تھا کیونکہ وہ تیمور کو خوش گوار موڈ اور خوش گوار ماحول میں کھانا کھلانا چاہتا تھا۔ سو اب وہ دونوں قدرے ہلکے پھلکے اور خوش گوار موڈ میں کھانا کھا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"فارہ۔۔۔ فارہ بیٹا۔۔۔! کہاں ہو؟" وہ بیڈ پہ بیٹھی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ٹی وی دیکھنے میں محو تھی، جب منزہ رحیم اسے پکارتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں۔

"جی ممی! کیا بات ہے؟" اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ٹی وی کی آواز کم کر دی۔

"فارغ ہو۔۔۔؟" وہ آگے بڑھ کے اس کے بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

"جی! تقریباً" فارغ ہی ہوں، کیوں، کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

فارہ بیڈ پہ بکھرے فیشن میگزین سمیٹ کر ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

"ارے نہیں بیٹا! مسئلہ تو کوئی نہیں ہے، وہ دراصل میں تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ میں صبح کراچی جا رہی ہوں، تم ساتھ چلو گی کیا۔۔۔؟" ان کے پوچھنے پہ فارہ چونک گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ کراچی جارہی ہیں؟ مگر کیوں۔۔۔؟" اسے اچنبھا ہوا۔
"بس! کسی کام سے جارہی ہوں۔"
"ایسا کون سا ضروری کام آن پڑا ہے کہ آپ یوں اچانک جانے کے لیے تیار ہو گئیں؟" فارہ وجہ جاننے کی کوشش میں تھی۔
"ثمینہ سے ملنے جارہی ہوں۔" انہوں نے اسے مختصراً بتایا۔
"ثمینہ آنٹی سے ملنے؟ خیریت۔۔۔؟" اب کی بار تو وہ اور بھی چونکی تھی۔
"کہا نا! کوئی کام ہے' ساری باتیں بتانے والی نہیں ہوتیں۔۔۔ بولو! تمہارا ارادہ ہے جانے کا یا نہیں۔۔۔؟" وہ بات ٹالتے ہوئے بولیں۔
"میں کیوں جاؤں گی بھلا۔۔۔؟ آپ کو کام ہے' آپ جائیں۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپروائی سے انکار کردیا۔
"اتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں کراچی گئے ہوئے۔ میں نے سوچا کہ آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی۔ ساشا وغیرہ اتنا مس کرتی ہیں تمہیں۔ ہم چار پانچ روز میں واپس آجائیں گے۔" انہوں نے اسے ساتھ چلنے پہ آمادہ کرنے کی کوشش کی' لیکن فارہ کا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
"ساشا وغیرہ مس کرتی ہیں تو یہاں آجائیں۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہی جائیں؟" فارہ نے ناگواری سے کہا۔ منزہ رحیم نے ٹھٹک کر بیٹی کے تیور دیکھے۔
"کیا بات ہے؟ موڈ کیوں آف ہے تمہارا۔۔۔؟" انہوں نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے کے زاویے تنے ہوئے تھے۔
"میرا موڈ آف نہیں ہے۔ میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں کہ ہمیشہ ہم لوگ ہی ان سے ملنے کراچی جاتے ہیں۔ وہ لوگ تو کبھی بھی ہم سے ملنے فیصل آباد نہیں آئے؟" فارہ کے رویے نے انہیں تشویش میں مبتلا کردیا۔
"تو اس میں حرج ہی کیا ہے بھلا۔۔۔؟ وہ آئیں یا ہم جائیں۔ بات تو ایک ہی ہے نا؟" انہوں نے فارہ کو مطمئن کرنا چاہا۔
"بات ایک کیسے ہو سکتی ہے ممی! آنے اور جانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہمیشہ آپ ہی جاتی ہیں۔ کبھی وہ کیوں نہیں آئیں؟"
فارہ نجانے کیوں ضدی سے انداز میں ان سے بحث میں الجھ گئی تھی۔ حالانکہ ضد اس کے مزاج کا خاصہ نہیں تھی۔
"فارہ! یہ کن چکروں میں پڑ گئی ہو تم۔۔۔؟ اپنوں میں یہ لین دین نہیں ہوتا کہ وہ ملیں گے تو ہم ملیں گے۔ وہ آئیں گے تو ہم جائیں گے۔ بیٹا! اگر یہی باتیں سوچتے بیٹھ جائیں تو سارے رشتوں میں دراڑ پڑ جاتی ہے۔ دلوں میں بدگمانیاں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ان باتوں کو سوچنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔" انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"یہی بات کراچی والے کیوں نہیں سوچ لیتے ممی جان۔۔۔؟" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اس کا ننھیال کراچی میں تھا۔ ایک ماموں اور دو خالائیں کراچی میں ہی مقیم تھیں۔ البتہ ایک خالہ شارجہ میں ہوتی تھیں۔ جن کے بیٹے سے فارہ کی بڑی بہن حمنہ بیاہی گئی تھی اور فارہ ثمینہ خالہ کے بیٹے سے منسوب تھی۔ یہ نسبت دو سال پہلے ان کے بیٹے کی خوشی اور رضامندی سے ہی ٹھہرائی گئی تھی۔ لیکن اب۔۔۔
"فارہ۔۔۔!" انہوں نے اسے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔

"پلیز ممی! آپ کو جانا ہے تو جائیں۔ میں نہیں جارہی۔"
وہ تمام میگزین اٹھا کر بیڈ سے اٹھ گئی۔
"تمہیں اتنا غصہ کس بات پہ ہے؟" اب منزہ رحیم کا لہجہ بھی بدل چکا تھا۔
"مجھے کسی بات پہ غصہ نہیں ہے۔" وہ میگزین ریک میں رکھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اور بے وجہ ہی کلینزنگ لوشن لے کر اپنے چہرے پہ مساج کرنے لگی۔ شاید وہ اپنے اندر کے غبار کو چہرے سے ظاہر ہونے سے چھپا رہی تھی۔
"آفاق نے کچھ کہا ہے؟" انہوں نے اسے کریدا۔
"آفاق کے پاس کچھ کہنے کے لیے فرصت نہیں ہے۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔
"تمہارے پاس تو فرصت ہے نا؟ تم کہہ دیا کرو۔۔۔" منزہ رحیم نے نرمی سے کہا۔ لیکن فارہ تپ اٹھی۔
"دو سال سے مجھے ہی فرصت ہے اور میں ہی کہتی آرہی ہوں۔ اسے تو ان دو سالوں میں ایک بار بھی فرصت نہیں ملی کہ وہ کچھ کہہ دے۔" فارہ جھٹکے سے ان کی سمت پلٹی۔
"کیا مطلب۔۔۔؟ کیا تمہاری آفاق سے بات نہیں ہوتی؟" انہیں حیرانی ہوئی ان کے خیال میں تو فارہ اور آفاق کا آپس میں رابطہ ہوتا رہتا تھا۔
"ہوتی ہے۔۔۔ ہر چھ ماہ بعد۔۔۔ جب ہر لڑکی کی طرح میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں بھی اپنے منگیتر سے بات کروں اور پھر دل کی اس چاہت سے مجبور ہو کر میں بے اختیار اس کا سیل نمبر ڈائل کرلیتی ہوں۔ موڈ نہ ہو تو کال ریسیو نہیں کرتا۔ موڈ ہو تو کرلیتا ہے۔ میرا حال پوچھتا ہے اور مجھ سے ہی آپ سب کا حال پوچھتا ہے۔ حال پوچھنے کے دوران ہی اچانک اسے پتا چلتا ہے کہ اس کے سیل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی ہے۔ سیل ڈیڈ ہو جائے گا۔ اس لیے بات نہیں ہو پائے گی۔ لہٰذا وقت سے پہلے ہی "اللہ حافظ"۔۔۔ دو سال میں چار بار اسے کال کی تھی دو بار کال ریسیو نہیں ہوئی اور دو بار "اللہ حافظ"۔۔۔"
فارہ نے ماں کو خاصے تلخ انداز میں ساری تفصیل سے آگاہ کیا منزہ رحیم بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"مجھے بتائیے ممی۔۔۔! آج کل کے دور میں ایسا کون سا لڑکا ہے' جو اپنی منگیتر سے بات نہیں کرنا چاہتا؟ حماد بھائی اور ساشا آپس میں منگیتر ہیں نا؟ ان کا پورا پورا دن آپس میں باتیں کرتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ آپ ابھی ان دونوں کے نمبرز ڈائل کرکے دیکھیں۔ آپ کو ان دونوں کے نمبرز اس وقت بھی بزی ملیں گے۔ بھلا کیوں۔۔۔؟ کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کی دنیا ایک سے شروع ہو کر دوسرے پہ ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ آفاق یزدانی کی دنیا شروع بھی کہیں اور سے ہوتی ہے اور ختم بھی کہیں اور پہ ہوتی ہے۔ لیکن ممی! اب کی بار آپ کراچی جائیں تو اسے اتنا ضرور بتا دیجئے گا کہ اس کے لیے ہمیشہ کھلا رہنے والا دروازہ بند بھی ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگلے چھ ماہ بعد میں اسے کال کروں اور کہوں کہ آفاق یزدانی اس سے پہلے کہ تمہارے سیل کی بیٹری ڈاؤن ہو جائے "اللہ حافظ"۔"
فارہ نے کبھی اتنی لمبی چوڑی بات نہیں کی تھی' لیکن آج جب بولنے پہ آئی تو بولتی چلی گئی منزہ رحیم دم بخود سی وہیں کھڑی تھیں۔ جبکہ فارہ واش روم میں بند ہو چکی تھی۔ واش روم کا دروازہ دھڑام سے بند ہوا تھا۔ دروازے کی اس زوردار آواز پہ منزہ رحیم کی عقل اور سوچ کا دروازہ بھی کھل گیا تھا۔ اس عقل اور سوچ کا جس سے انہوں نے فارہ اور آفاق کے حوالے سے کبھی کام ہی نہیں لیا تھا۔ جس سے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ فارہ خوش کیوں نہیں ہے؟ یا پھر آفاق کی طرف سے کبھی اس خوشی کا اظہار کیوں نہیں ہوا؟ اور اب جب اس نہج پہ سوچا تھا تو دل و دماغ میں اک الجھن کے باعث تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ فارہ ایسی تو نہیں تھی' اتنی تلخ اور اتنی ضدی وہ تو بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نرم اور بہت میٹھی تھی' ٹھنڈی طبیعت کی' تحمل مزاج۔ جو کہا جاتا' فوراً" مان لیتی تھی۔ کبھی کسی بات پہ ضد اور انکار نہیں کرتی تھی۔ لیکن اب وہی فارہ تلخ اور چڑچڑی ہو رہی تھی۔ اتنی کہ ماں کے سامنے بولنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

منزہ رحیم کا ذہن الجھتا ہی جا رہا تھا۔ ان کے ذہن میں ثمینہ یزدانی کی باتیں بھی گردش کر رہی تھیں۔ ان سے فون پہ بات ہوئی تھی۔ وہ بھی کچھ پریشان لگ رہی تھیں اور ادھر فارہ کا بھی یہی حال تھا۔

"اللہ رحم کرے۔" انہوں نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اللہ سے اس کا رحم مانگا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح کے سات بجے کا وقت تھا۔

بی گل برآمدے میں بچھے تخت پہ بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔ عافیہ بیگم معمول کے مطابق کچن میں ناشتا بنانے میں مصروف تھیں۔ جبکہ ماورا صبح صبح گھر کی صفائی ستھرائی کے کاموں سے فارغ ہو کر شاور لینے کے لیے باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ آج کل گرمی بہت شدید تھی۔ صبح چھ بجے ہی سورج دھوپ کے گھنگھرو باندھے پوری کائنات کے سر پہ ناچتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ سورج کے اس ناچ کے دوران محض منہ ہاتھ دھو کر گھر سے نکلنا بے حد محال لگتا تھا۔ سو وہ روزانہ صبح شاور لے کر ہی یونیورسٹی کے لیے نکلتی تھی۔ تب ہی یونیورسٹی میں کچھ وقت سکون سے گزر جاتا تھا۔ وہ پورے پندرہ منٹ شاور لینے کے بعد باہر نکلی تھی اور اب اندر باہر چکراتی کچھ ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ عافیہ بیگم کو اس کی تلاش کی خبر نہیں تھی۔ تاہم گیارہویں سیپارے کی آخری سطریں عقیدت سے پڑھتی بی گل کو اس کی تلاش کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اسی لیے قرآن پاک جزدان میں لپیٹتے ہوئے پہلا سوال اسی سے کیا۔

"کالا دوپٹا ڈھونڈ رہی ہو؟" برآمدے کے کونے میں رکھے لکڑی کے استری اسٹینڈ کے نچلے خانے میں جھانکتی ماورا ان کے سوال پہ ٹھٹک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"جی! وہی ڈھونڈ رہی ہوں۔ کہاں ہے؟" اس کے انداز میں کوفت تھی۔

"پہلے مجھ سے تو پوچھ لیتیں؟ کل عافیہ نے کپڑے دھو کر رسی پہ پھیلائے تو ساتھ وہ دوپٹا بھی تھا۔ وزن میں ہلکا تھا۔ ٹھہر نہیں سکا۔ ہوا کے پہلے جھونکے سے ہی اڑ کر باہر کے دروازے پر جا گرا تھا۔ میں نے سوچا کہ خراب ہو جائے گا۔ اس لیے استری کر کے تمہاری الماری میں رکھ آئی تھی۔"

"اور میں اتنی دیر سے اسے باہر ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔" ماورا جھنجلا گئی تھی۔

"بیٹا۔! کسی بھی چیز کو باہر ڈھونڈنے سے بہتر ہوتا ہے کہ بندہ پہلے "اندر" کی تلاشی لے۔ جو باہر نہیں مل رہا' وہ اندر ضرور مل جاتا ہے۔ تم نے اندر دیکھنے کی زحمت کی ہوتی تو تمہیں باہر ڈھونڈنے کی کوفت نہ اٹھانا پڑتی۔"

بی گل کی بات تو سادہ سی تھی۔ لیکن مفہوم بہت گہرا تھا اور ماورا اس گہرائی کو سمجھ کے ٹھٹک سی گئی تھی۔ اس نے آج تک زیادہ باتیں بی گل کی ہی سمجھی تھیں۔ ورنہ کسی اور کی بات تو وہ پلے ہی نہیں باندھتی تھی۔ اس نے آج تک اپنی سگی ماں کی باتوں پہ کان نہیں دھرے تھے۔ وہ اگر بات سنتی تھی تو صرف بی گل کی' کیونکہ وہ اس کے مطلب کی بات کرتی تھیں' اس کی حمایت میں بولتی تھیں اور شاید اسی لیے وہ بی گل کے بہت قریب تھی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک اس کا زیادہ رجحان بی گل کی طرف ہی رہا تھا۔

"اب یہاں کیوں کھڑی ہو؟ جاؤ اپنا دوپٹا لو اور ناشتا کرو۔" بی گل قرآن پاک احتیاط سے سنبھالتے ہوئے تخت سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کیونکہ عافیہ بیگم ان کا ناشتا ٹرے میں سجائے برآمدے میں ہی لے آئی تھیں۔

"لائیے! قرآن پاک میں رکھ دیتی ہوں۔ آپ ناشتا کر لیں۔"

عافیہ بیگم نے ناشتے کی ٹرے تخت پہ رکھتے ہوئے بی گل کے ہاتھوں سے قرآن پاک بڑے احترام سے تھام لیا۔

"جیتی رہو۔ اللہ خوش رکھے۔" وہ انہیں دعائیں دیتے ہوئے دوبارہ تخت پہ بیٹھ گئیں۔ عافیہ بیگم اندر قرآن پاک رکھنے چلی گئیں۔

"تم بھی ناشتا کر لو۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" انہوں نے کمرے سے واپس آتے ہوئے اسے بھی اطلاع دی تھی۔

"جی! آ رہی ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے میں گئی اور الماری سے دوپٹا نکال کر گلے میں ڈالتی ہوئی کچن میں آ گئی۔

"تمہارے فائنل ایگزامز کب اسٹارٹ ہو رہے ہیں؟" وہ سر جھکا کر بیٹھی ناشتا کرنے میں مشغول تھی' جب عافیہ بیگم بھی اپنے لیے چائے کا کپ لے کر اس کے سامنے آ بیٹھیں۔

"اسی مہینے کے اینڈ میں اسٹارٹ ہو رہے ہیں۔" وہ لسی کا گلاس اٹھاتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"اور ختم کب تک ہوں گے؟"

"دو یا تین ہفتے تو لگ ہی جائیں گے۔ کیوں خیریت۔؟ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔؟" ماورا کا لہجہ سنجیدہ۔ مگر انداز لاپروا سا تھا۔

"میں اسی لیے پوچھ رہی ہوں کہ تمہاری ایجوکیشن تقریباً" کمپلیٹ ہو چکی ہے' اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کچھ سوچا تو ہو گا تم نے۔؟" عافیہ بیگم نجانے کیوں بلا ارادہ ہی اس کے ارادے پوچھ بیٹھیں۔

"فی الحال ایگزامز کے بعد تو تھیسس پہ کام کرنا ہے۔ تھیسس کے بعد ڈگری ملتے ہی میرا پہلا ارادہ کراچی جانے کا ہے اور میرے اس ارادے کو آپ بھی جانتی ہوں گی نا؟ یہ ارادہ تو بچپن سے میرے ساتھ چلا آ رہا ہے۔" ماورا لسی کا گلاس واپس چھوٹی سی ٹیبل پر رکھتے ہوئے اطمینان اور سکون سے بولی۔ لیکن اس کے اس سکون اور اطمینان پہ عافیہ بیگم کا سکون اور اطمینان ایک پل میں غارت ہو گیا تھا۔ ان کے چہرے پہ اضطراب کا جال بچھ گیا اور ان کا یہ اضطراب ماورا سے چھپا ہوا نہیں رہا تھا۔ لیکن بھر بھی وہ ان کی اس کیفیت سے انجان بن گئی۔ اور بڑی مہارت سے نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارادہ میرا ہے اور پورا بھی مجھ ہی کو کرنا ہے۔ اس لیے آپ کو خوامخواہ خود پہ ٹینشن سوار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ میری ماں ہیں۔ مجھے آپ سے اور کچھ نہیں چاہیے۔ صرف آپ کی دعا چاہیے۔"

ماورا کا مضبوط اور مستحکم لب و لہجہ اور انداز دیکھ کر عافیہ بیگم کو اپنے ہاتھوں سے اک ریت سی پھسلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ انہیں یوں لگ رہا تھا' جیسے ان کی مٹھی خالی رہ جائے گی اور اسی مٹھی کے خالی رہ جانے کا خوف و خدشہ ان کے دل کو یکبارگی سما گیا تھا۔

یہ خوف ان کے چہرے اور ان کی آنکھوں میں سمندر کی بکھرتی لہروں کی طرح پھیلتا جا رہا تھا۔

"ماورا۔! تم جانتی ہو ہم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ہاں! میں جانتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اور آپ بھی جانتی ہیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ کراچی جا کر وہاں رہنا' وہاں بسنا میرا خواب ہے۔ کراچی میرے بابا کا شہر ہے۔ کراچی میرا شہر ہے۔ اس شہر میں کوئی اپنا نہیں ہے تو کیا ہوا۔ شہر تو اپنا ہے نا؟ اور اپنے شہر میں جا کر رہنے اور آباد ہونے کا ارادہ اتنا بڑا اور اتنا ہولناک نہیں ہے کہ آپ اتنی خوف زدہ ہو جائیں۔ اور اگر آپ کے دل میں یہ خیال اور یہ خوف بھی ہے کہ میں وہاں جا کر آپ کے ہاتھوں سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نکل جاؤں گی' آپ کے اختیار آپ کے قابو میں نہیں رہوں گی تو یہ آپ کی غلط سوچ ہے۔
اللہ کے سوا دنیا کی
کوئی بھی طاقت مجھے آپ سے دور نہیں کر سکتی اور اس چیز کے لیے آپ کو مجھ پہ نہ سہی' اپنے اللہ پہ یقین تو ہونا چاہیے نا؟ یقین انسان کو ڈگمگانے نہیں دیتا' ڈرنے نہیں دیتا' پیچھے نہیں ہٹنے دیتا' ثابت قدم اور پرعزم رکھتا ہے'
مگر افسوس! آپ نے کبھی یہ طاقت نہیں آزمائی۔ آپ کو اپنی ذات پہ یقین نہیں تھا تو آپ آج یہاں ہیں' مجھے اپنی ذات پہ یقین ہے تو دیکھیے گا میں کل کہاں پہ ہوں گی۔ کیونکہ مجھے اپنے ساتھ ساتھ اللہ کی ذات پہ بھی بہت یقین ہے۔ زمین اور آسمان کی وسعتوں جتنا یقین۔۔۔ اتنا یقین کہ اگر میں یہ تصور کرلوں کہ دنیا میری مٹھی میں ہے تو۔۔۔ یقین جانیے ایک دن واقعی دنیا میری مٹھی میں ہوگی۔"

ماورا نے کھڑے کھڑے اپنی ماں کو لیکچر سنا دیا تھا۔ حالانکہ لیکچر دینے کا شعبہ ان کا تھا' لیکن اسکول کی حد تک۔۔۔ گھر میں یہ کام یا تو بی گل کرتی تھیں یا پھر ان کی بہادر اور بے خوف بیٹی ماورا مرتضیٰ کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا اور جواباً" وہ کچھ کہنے کے لیے سوچتی رہ گئی تھیں۔

"یہ یقین آپ کو کبھی دھوکا نہیں دے گا۔ آزما لیجیے گا' اللہ حافظ۔" وہ سنجیدگی سے کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔

برآمدے میں تخت پہ بیٹھی بی گل نے اسے پیچھے تک دیکھا تھا۔ وہ ماورا کا تنتنا دیکھ کر جوان ہوا کرتی تھیں۔ تیز دھار انداز و اطوار والی' تیکھی چھری سی ماورا ان کے کلیجے کی ٹھنڈک تھی۔ وہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ خوش ہوتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ اس کے پیچھے پڑھ کے پھونک رہی تھیں جبکہ وہ گھر کی دہلیز عبور کر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ پچھلے پندرہ منٹ سے بس اسٹاپ پہ کھڑی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ لیکن اس کے روٹ کی بس آج شاید لیٹ ہوگئی تھی۔ ورنہ اتنا انتظار تو کبھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ ماورا بار بار اپنی خوب صورت سڈول سی کلائی پہ بندھی نازک اور نفیس سی رسٹ واچ سے ٹائم دیکھتی ہوئی پریشان ہو رہی تھی۔ وہ پہلے ہی گھر سے دیر سے نکلی تھی اور اب پندرہ منٹ یہاں ضائع ہوگئے تھے۔ اس کی پریشانی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔ وہ کوفت کے مارے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس کی مطلوبہ بس کا دور' دور تک نام و نشان بھی نہیں تھا۔

"بیٹا۔۔۔ تم آج جس بس کے انتظار میں ہو' وہ نہیں آئے گی۔ کل ڈرائیور' کنڈیکٹر اور کالج کے اسٹوڈنٹس لڑکوں کا جھگڑا ہوگیا تھا۔ ڈرائیور کو بہت مارا تھا ان لوگوں نے۔ اس لیے شاید بسوں کی ہڑتال ہے آج۔"

اس بس اسٹاپ کے ساتھ ہی ایک بوڑھا آدمی بوٹ پالش کرنے کا کام لے کر بیٹھا ہوتا تھا۔ ماورا اسے روزانہ دیکھتی تھی۔ وہ بھی ماورا کو روزانہ آتے جاتے ہوئے دیکھتا رہتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے ماورا کی مطلوبہ بس کا بھی پتا تھا۔ چنانچہ اس نے اسے مزید انتظار کرنے سے بچانے کی کوشش کی تھی۔

"اوہ نو۔۔۔ یہ تو بہت برا ہوا ہے۔ میں یونیورسٹی کیسے جاؤں گی؟ پہلے ہی اتنا لیٹ ہو چکی ہوں۔" ماورا تو جیسے سر پہ ہاتھ مار کے رہ گئی تھی۔

"انکل! آپ کو پکا پتا ہے کہ وہ بس نہیں آئے گی؟" اس نے اپنی تسلی کے لیے ایک بار پھر پوچھ لینا بہتر سمجھا۔

"بیٹا! مجھے خود بھی نہیں پتا تھا۔ وہ تو اخبار والا بتا کر گیا ہے کہ کل اسی سڑک پہ جھگڑا ہوا تھا۔ میں کل جلدی چلا گیا تھا۔ اس لیے مجھے نہیں پتا کہ یہ واقعہ کیوں اور کس وقت ہوا تھا؟" اس نے اسے تفصیل بتائی۔

"اوہ! تو اس کا مطلب ہے کہ اب کسی بھی بس کا انتظار کرنا فضول ہے؟" ماورا خود کلامی کے سے انداز میں کہتی

فٹ پاتھ سے اتر آئی۔

"اللہ حافظ۔۔۔" وہ اس آدمی کو اللہ حافظ کہتی ہوئی واپسی کے لیے قدم بڑھا چکی تھی اور ابھی وہ چار قدم ہی بڑھی تھی کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آئی اور اس کے قریب آکر اک جھٹکے سے رک گئی۔

"ماورا۔۔۔" یہ آواز فارہ کی تھی۔ ماورا نے ایک دم پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

"ارے فارہ! تم۔۔۔ تھینک گاڈ یار! تم آگئیں۔" فارہ کو دیکھ کر ماورا کو اتنی خوشی شاید پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی آج ہوئی تھی۔

"مجھے پتا چل گیا تھا کہ آج بسوں کی ہڑتال ہے۔ اسی لیے یونیورسٹی جا کر دوبارہ تمہیں لینے کے لیے آگئی ہوں۔" فارہ نے اس کے لیے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔

"شکر ہے اللہ کا۔ ورنہ میں تو مایوس ہو کر گھر جا رہی تھی۔"

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے اس کی نظر اس بوٹ پالش کرنے والے کی سمت اٹھی تھی۔ وہ انہی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ وہ نرمی سے ہاتھ ہلا کر گاڑی میں بیٹھی اور دروازہ بند کر دیا تھا۔ فارہ نے اک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ آج بسوں کی ہڑتال ہے؟" ماورا نے ذرا سنبھل کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"راستے میں تو مجھے احساس ہی نہیں ہوا اور نہ ہی پتا چلا تھا کہ کسی قسم کی کوئی ہڑتال ہے۔ وہ تو میں یونیورسٹی پہنچی تو کچھ لڑکے لڑکیاں بات کر رہے تھے۔ تب میرا پہلا خیال تمہاری طرف ہی گیا تھا اور میں فوراً" تمہیں لینے کے لیے آگئی۔ اگر تم مجھے یہاں نہ ملتیں تو میں تمہارے گھر جانے والی تھی۔" فارہ ڈرائیو کرتے ہوئے اسے ساری تفصیل بھی بتا رہی تھی۔ جس کے آخر میں آکر ماورا ٹھٹک گئی تھی۔

"گھر؟ تم بھول گئی ہو فارہ! میں نے تمہیں اپنے گھر جانے سے منع کیا ہوا ہے؟" ماورا نے اسے ٹوکا۔

"اوہ سوری یار! میں اپنے دھیان میں تھی۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ تمہاری امی کو میرا آنا جانا پسند نہیں ہے۔" فارہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔

"نہیں فارہ۔۔۔ بات صرف تمہاری نہیں ہے۔ وہ تو کسی کا بھی آنا جانا پسند نہیں کرتیں۔ انہیں شروع سے ہی میرا کسی کے ساتھ دوستی کرنا' میل جول رکھنا اور ایک دوسرے کے گھروں تک آمد و رفت بڑھانا پسند نہیں ہے۔ اسی لیے تو میں نے کبھی کوئی دوست نہیں بنائی۔ سوائے تمہارے۔ کیونکہ تم نے تو میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑا تھا۔ اسی لیے امی کی اس قدر مخالفت کے باوجود میں بھی تمہیں نہیں چھوڑ سکی۔ لیکن تم یہ مت سمجھو کہ امی صرف تمہارے لیے ایسا کہتی ہیں۔ یہ بات تو سب پر لاگو ہوتی ہے۔ ہر اس انسان پہ' جس سے میں دوستی کرنے کا یا کلوز ہونے کا سوچتی ہوں۔"

ماورا نے فارہ کے دل میں آئی غلط فہمی اور بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی امی کے حوالے سے فارہ اپنے دل میں کوئی میل رکھے۔

"لیکن کیوں یار! وہ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ دوستی تو اتنا پیارا' اتنا پاکیزہ اور اتنا خوب صورت رشتہ ہے اور وہ اسی رشتے کو ناپسند کرتی ہیں۔" فارہ کو ہمیشہ ماورا کی امی کی اس سوچ پہ تعجب ہوتا تھا۔ اس کے سوال پہ ماورا گہرا سانس کھینچ کے رہ گئی۔

"بس یار! سب کی اپنی اپنی تھنکنگ اور اپنا اپنا پوائنٹ آف ویو ہوتا ہے۔ میں یا تم کیا کہہ سکتے ہیں؟ کیونکہ کسی کے کہنے سے کسی دوسرے کی نہ تو تھنکنگ چینج ہوتی ہے۔ نہ پوائنٹ آف ویو۔ اس لیے کچھ کہنا بے کار

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔ انہیں دوستوں کا آنا جانا پسند نہیں ہے۔ اس لیے میں نے بھی کبھی تمہیں آنے جانے کی اجازت نہیں دی۔ خوامخواہ تمہارے آنے سے وہ الجھتی رہیں تو مجھے کیا خوشی تمہارے آنے کی؟ اگر ہماری دوستی اس آنے جانے کے بغیر بھی اچھے طریقے سے نبھ رہی ہے تو بس ہمیں اور کیا چاہیے؟ ویسے بھی تم میرے گھر نہیں آسکتیں۔ لیکن میں تو کبھی کبھار تمہارے گھر آجاتی ہوں نا؟ اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔" ماورا نے اسے مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی۔

"لیکن ماورا۔۔۔ آنٹی کو اس پابندی پہ۔۔۔"

"پلیز یار! چھوڑو اس بات کو۔۔۔ کوئی اور بات کرو۔۔۔ یہ بتاؤ! تمہارے گھر والے کیسے ہیں؟ انکل اور آنٹی کی کیا مصروفیات ہیں آج کل؟" ماورا نے موضوع تبدیل کردیا۔

"حماد بھائی اور جواد دونوں ٹھیک ہیں۔ حماد بھائی عشق وعاشقی لڑانے کے ساتھ ساتھ ڈیڈی کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ جواد لاہور میں ہاسٹل کے مزے لے رہا ہے۔ ڈیڈی دبئی گئے ہوئے ہیں اور ممی۔۔۔"

فارہ اپنے دھیان میں بتاتے بتاتے ممی کے ذکر پہ آکے ٹھہر گئی۔ ماورا۔۔۔ نے اس کے چپ ہوجانے پہ چونک کر دیکھا۔

"اور ممی؟" اس نے فارہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اور ممی آج کراچی جارہی ہیں۔" فارہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی بات مکمل کرنا پڑی تھی۔

"کراچی جارہی ہیں؟ کیوں سب ٹھیک تو ہے نا؟" ماورا نے ذرا سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں۔۔۔" فارہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیوں پتا نہیں ہے؟"

"بس! انہیں پتا تو نہیں پتا۔۔۔ رات کو سونے سے پہلے ممی میرے بیڈ روم میں آئی تھیں۔ مجھے بتانے کے لیے کہ وہ کراچی جارہی ہیں۔ میں نے بھی یہی پوچھا تھا کہ وہ کیوں جارہی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کوئی کام ہے۔ اس لیے وہ ثمینہ آنٹی سے ملنے کے لیے جارہی ہیں۔" فارہ کے لہجے میں ہلکی تشویش اور خفگی کی آمیزش تھی۔

"پھر۔۔۔؟"

"ارے بھئی! پھر کیا۔۔۔؟ پھر انہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ مگر میں نے انکار کردیا۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔

"ارے پاگل! انکار کیوں کردیا؟" ماورا کو حیرت ہوئی۔

"بس! دل نہیں چاہ رہا تھا جانے کو۔ اس لیے انکار کردیا۔" فارہ قدرے بے زاری سے بولی۔

"اف! اللہ رے قسمت۔۔۔ ایک میں ہوں کہ کراچی جانے کے لیے دن گن رہی ہوں اور ایک تم ہو کہ کتنے سکون اور کتنی لاپروائی سے انکار کیے جارہی ہو۔ کاش! تمہاری ممی نے یہ آفر مجھے کی ہوتی۔"

ماورا نے آہ بھرتے ہوئے بڑی حسرت سے کہا فارہ اس کی اس حسرت کو بہت پہلے سے جانتی تھی۔ اسے پتا تھا کہ ماورا کو کراچی جانے کا کتنا جنون ہے۔

"میں صرف چپل پہنتی اور دوپٹا اوڑھ کر ان کے ساتھ چل پڑتی۔ اپنا سامان باندھنے پہ بھی ٹائم ویسٹ نہ کرتی۔" ماورا خوشی خوشی اپنے خیالات بتا رہی تھی۔

"اور اپنی امی کے بارے سوچا تم نے؟ وہ کیا کرتیں؟" فارہ نے اسے عافیہ بیگم کی مخالفت یاد دلائی۔

"نہیں کیا کرنا ہے بھلا؟! انہیں بھی اک دن میرے ساتھ چلنا ہے۔ میرے ساتھ رہنا ہے آخر۔" ماورا کو پورا

پورا یقین تھا۔

"ہوں! یہ تو ہے۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ اگر شادی کے بعد میں جاکر رہوں تو تم بھی میرے ساتھ کراچی میں ہی رہو۔ ہم دونوں دوستوں کا ساتھ ہمیشہ اسی طرح رہے۔" فارہ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"اور یہ تو تب ہوگا جب آفاق یزدانی تمہیں بیاہ کر لے جائے گا۔ ویسے کہیں تمہاری امی کا کراچی جانا اسی سلسلے کی کڑی تو نہیں ہے؟"

ماورا نے اپنا شک ظاہر کیا اور فارہ کو بغور دیکھا۔

"نہیں یار! ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ یہاں آتے۔ ممی کو وہاں نہ بلاتے۔"

"ہوں! یہ بھی عقل والی بات کہی ہے تم نے۔ لیکن یار! امیر لوگ ہو آپ۔ کچھ بھی کرسکتے ہو۔ بیٹی والوں کو گھر بلا کر بھی بات کرسکتے ہو۔" ماورا نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی ہو یار! لیکن ہر بات کا ایک طریقہ ہوتا ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ ایسی کوئی بات ہوگی۔" فارہ نے کہتے ہوئے ایگری کلچر یونیورسٹی کے سامنے گاڑی کو بریک لگائے تھے۔

"اوکے! مان لیتی ہوں، لیکن دیکھ لینا بات کوئی ایسی ہی ہوگی۔" ماورا کہہ کر گاڑی کا دروازہ کھول کے نیچے اتر گئی۔ فارہ بھی گاڑی لاک کرکے اس کے پیچھے ہی آگئی۔ اب ان دونوں کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"آفاق۔۔۔ کہاں جارہے ہو؟"

وہ خاموشی سے سیڑھیاں اتر کر کوریڈور کی سمت بڑھ رہا تھا۔ جب ثمینہ یزدانی کی آواز پہ اس کے قدم ٹھٹک کر رک گئے۔

"جہاں روز جاتا ہوں۔" اس نے نپے تلے سے لہجے میں جواب دیا۔

"آج رہنے دو۔ آج تمہارے پاپا آفس میں سب سنبھال لیں گے۔ آج تم گھر پہ رہو۔" آفاق یزدانی ان کی بات پہ چونک گیا۔

"کیوں؟ گھر پہ کیوں رہوں؟ کوئی خاص وجہ؟"

"ہوں! خاص ہی ہے۔ وہ دراصل فیصل آباد سے منزہ آرہی ہے۔ اس لیے تم اسے ریسیو کرنے ایرپورٹ چلے جاؤ۔" ثمینہ یزدانی نے ذرا ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"منزہ آنٹی آرہی ہیں؟ مگر کیوں؟" آفاق ایک بار پھر چونکا تھا۔ کیونکہ منزہ آنٹی کا ان کے گھر آنا بے معنی نہیں ہوسکتا تھا۔ ورنہ وہ جب بھی کراچی آتی تھیں ہمیشہ حیدر ماموں کی طرف ہی آتی تھیں۔ اس لیے اس کا چونکنا بجا تھا۔

"اب مجھے کیا پتا کہ وہ کیوں آرہی ہے؟ کیا میں فون پہ ہی اس سے پوچھنا شروع کردیتی کہ وہ کیوں آرہی ہے؟" ثمینہ یزدانی سب کچھ جانتی تھیں۔ بلکہ انہوں نے خود ہی تو منزہ کو کراچی بلایا تھا۔ لیکن وہ آفاق کے سامنے جان بوجھ کر انجان بن گئیں۔

"ٹھیک ہے! وہ آرہی ہیں تو اچھی بات ہے۔ لیکن آپ مجھے کیوں روک رہی ہیں؟" آفاق اپنے تاثرات کنٹرول کرتے ہوئے لاپروائی سے بولا۔

"بتایا تو ہے کہ تمہیں ایرپورٹ جانا ہے اسے لینے کے لیے۔" ثمینہ یزدانی جھنجلا گئیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میرا جانا ضروری ہے کیا؟ گھر میں ڈرائیورز ہیں گاڑیاں ہیں۔ آپ کسی کو بھی بھیج سکتی ہیں۔" وہ بھی جواباً جھنجلا کر ہی بولا۔

"وہ ہمارے گھر آرہی ہے۔ ہمارے لیے آرہی ہے اور ہم اسے ریسیو کرنے ڈرائیور کو بھیج دیں؟ کیا یہ مناسب لگے گا؟" ثمینہ یزدانی نے بیٹے کو شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"پلیز مما! گاڑی ہماری ہے۔ ڈرائیور ہمارا ہے۔ ہمارے گھر آرہی ہیں تو اس میں غیر مناسب کیا ہے؟ ڈرائیور کا ریسیو کرنے کے لیے جانا غیر مناسب ہے؟ یا پھر میرا ریسیو کرنے کے لیے نہ جانا غیر مناسب ہے؟" آفاق کسی بھی صورت ایئرپورٹ نہیں جانا چاہتا تھا۔ اسی لیے نہ چاہتے ہوئے بھی ماں کے ساتھ الجھ پڑا۔ ثمینہ یزدانی اس کے رویے پہ روہانسی سی ہوگئیں۔ ان کا دل بھر آیا۔ وہ پہلے کبھی بھی ان سے اس طرح پیش نہیں آیا تھا۔ ہمیشہ نرمی، حلاوت اور احترام سے بات کرتا تھا۔ حد سے زیادہ حساس اور خیال رکھنے والا تھا۔ لیکن اب وہی آفاق اتنی سختی سے بات کررہا تھا کہ ثمینہ یزدانی برداشت نہیں کرپائی تھیں۔ خصوصاً فارہ کے حوالے سے۔

"تم جاؤ گے یا نہیں؟" انہوں نے جیسے آخری بار پوچھا۔

"ایم سوری! میں نہیں جاسکتا مجھے۔ آفس میں ضروری کام ہے..... بائے۔"

وہ لاتعلقی سے کہتے ہوئے پلٹ کر کوریڈور کی سمت بڑھ گیا تھا۔ ثمینہ یزدانی وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ وہ شدید حیران تھیں کہ آخر آفاق کو ہوا کیا ہے؟ وہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ لیکن اب ایسا کیوں ہوگیا تھا؟ وہ فارہ کے نام پہ کھل اٹھتا تھا۔ اسے اتنا پسند کرتا تھا، اتنی محبت کرتا تھا کہ دو سال پہلے اس نے خود ہی ساری شرم و لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے ثمینہ یزدانی سے کہا تھا کہ وہ منزہ آنٹی سے فارہ کا ہاتھ مانگ لیں اور وہ بیٹے کی ایسی شوخی، ایسی بے اختیاری پہ ایک پل بھی نہیں رہ سکی تھیں اور فوراً منزہ سے فارہ کا ہاتھ مانگ لیا تھا۔ اپنی منگنی پہ وہ بے پناہ خوش تھا اور ثمینہ یزدانی اس کی خوشی دیکھ کر اپنے اندر کا غم بھولنے لگی تھیں۔ لیکن منگنی کے فوراً بعد آفاق کا رویہ بدلتا چلا گیا۔ فارہ کے حوالے سے اس کی ساری شوخیاں اور سارے شوق بجھ کے رہ گئے تھے۔ وہ دونوں میں ہوا کے رخ کی طرح بدلا تھا اور اس کا یہ بدلنا ثمینہ یزدانی کے سینے میں گھاؤ کرگیا تھا۔

وہ سوچ سوچ کر کڑھتی رہتی تھیں کہ آخر وہ کیوں فارہ کی محبت اور چاہت سے ہٹ گیا ہے؟ اسے اپنے نام کی انگوٹھی پہنانے اور اسے اپنی ذات سے منسوب کرنے کے بعد وہ ایسا سرد مہر اور لاتعلق کیوں ہوگیا تھا؟ اور اس "کیوں" پہ آکر ان کی ساری سوچیں نڈھال ہوجاتی تھیں۔ وہ پہلے ہی ایک غم کی ستائی ہوئی تھیں اور اب ایک اور غم ان کی ذات کو اپنے اذیت ناک پنجوں میں دبوچ رہا تھا۔ جس سے بچنے کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کررہی تھیں۔ لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوپارہی تھی۔

"ثمینہ..... کیا بات ہے؟ یہاں کیوں کھڑی ہو؟ سب ٹھیک تو ہے؟" اشتیاق یزدانی سیڑھیاں اترتے ہوئے ان کے قریب آگئے۔ ثمینہ یزدانی ان کی آواز اور اپنے کندھے پہ ان کے ہاتھ کے لمس سے چونک کر متوجہ ہوئی تھیں۔

"اشتیاق....." انہوں نے روہانسے لہجے میں کہتے ہوئے اشتیاق یزدانی کا بازو تھام لیا۔ وہ کافی نڈھال سی لگ رہی تھیں۔ اشتیاق یزدانی ان کے اس نڈھال انداز اور ایسی بے بس سی کیفیت کی وجہ بن کہے ہی سمجھ گئے تھے۔

"ہوں! تو وہ تمہارے روکنے پہ بھی نہیں رکا؟" وہ کافی پرسوچ اور متفکر سی آواز میں بولے۔

"اشتیاق..... وہ ایسا نہیں تھا۔ وہ ایسا کیوں ہوگیا ہے؟ میری بڑی سے بڑی بات کو بھی حکم سمجھ کر سر جھکا دیتا تھا اور اب وہ میری چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ماننا تو دور کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتا؟ اور فارہ..... اس کے تو ذکر سے

بھی دور بھاگتا ہے۔ نام ہی نہیں سننا چاہتا۔ میں..... میں منزہ سے کیا کہوں گی؟ کس منہ سے بتاؤں گی کہ میرا بیٹا اپنی محبت سے پھر گیا ہے۔ فارہ سے منہ موڑ چکا ہے وہ۔ وہ فارہ کا نہیں رہا۔ بلکہ وہ تو میرا بھی نہیں رہا اور جو انسان اپنی ماں کا بھی نہ رہے۔ وہ کسی اور کا بھی نہیں رہ سکتا۔ مجھے اس پہ بہت مان تھا۔ اشتیاق! وہ میرا مان توڑنے پہ تلا ہوا ہے۔ میں کیا کروں آخر؟"

ثمینہ یزدانی نڈھال اور شکستہ سے انداز میں کہتے ہوئے رو پڑیں اور اشتیاق یزدانی انہیں سہارا دے کر کمرے میں لے آئے۔

"دیکھو ثمینہ! آج جب وہ گھر آتا ہے تو ہم اس سے فائنلی بات کرتے ہیں۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟ کن چکروں میں ہے؟ ہم سے صاف صاف بات کرے۔ کسی لڑکی میں انوالو ہے تب بھی بتائے اور اگر کوئی اور وجہ ہے تب بھی آگاہ کرے۔ ہمیں اس طرح اندھیرے میں تو نہ رکھے۔ کوئی فیصلہ تو کرے۔ کچھ بتائے تو سہی۔" اشتیاق یزدانی خود اس معاملے کو لے کر بہت پریشان رہتے تھے۔ لیکن پھر بھی ثمینہ یزدانی کو تسلی ہی دے رہے تھے۔

"اشتیاق..... اس سے کہیے کہ میں انیق کا غم سینے میں دفن کیے اگر زندہ سلامت ——— ہوں تو صرف اس کی خاطر۔ میرے جینے کی وجہ ہے وہ..... اور اگر وہی ایسا کرے گا تو کیسے جیوں گی میں؟"

ثمینہ یزدانی کے سینے میں دفن ان کے بیٹے کا غم جب زندہ ہوتا تھا تو وہ جیتے جی مرجاتی تھیں اور آج کل تو یہ غم کچھ زیادہ ہی سوا ہوگیا تھا۔ وہ دہرے غم، دہری اذیت کا شکار تھیں۔ غم سہنا مشکل ہوگیا تھا ان سے۔

☆ ☆ ☆

اس شان دار سے "حیدر ولا" میں سورج ہر روز اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ایک نئی نویلی صبح لے کر اترتا تھا۔ "حیدر ولا" میں اس نئی نویلی صبح کا استقبال بڑی شان و شوکت اور بڑے اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا۔

اور یہ ساری شان و شوکت اور یہ سارا اہتمام صرف اور صرف رضا حیدر کے لاڈلے بیٹے تیمور حیدر اور لاڈلی بیٹی عزت حیدر کی خاطر ہوتا تھا۔

جو بذات خود حیدر ولا کی شان و شوکت کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ جن کو دیکھ کر رضا حیدر کا سینہ کئی انچ اور چوڑا ہوجاتا تھا۔

اس وقت بھی وہ بڑے سے وسیع و عریض ڈائننگ ہال میں ڈائننگ ٹیبل کی بالکل سامنے والی کرسی پہ بڑے شاہانہ انداز میں براجمان اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔ جب تیمور حیدر ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے کافی اونچی آواز میں سلام کیا۔ تاکہ اخبار پڑھنے میں محو رضا حیدر بھی اس کا سلام سن لیں۔

"وعلیکم السلام بیٹا جی..... آؤ آؤ، بیٹھو یہاں۔ آج اتنے لیٹ کیوں اٹھے ہو؟" انہوں نے فوراً ہی اخبار تہہ کرکے رکھ دیا۔

"جی! وہ دراصل آج مجھے آفس نہیں جانا۔" تیمور ان کو بتاتے ہوئے کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا۔

"کیوں، خیریت؟" وہ پوری طرح سے اپنے بیٹے کی سمت متوجہ ہوگئے۔

"جی! کام کے سلسلے میں اسلام آباد جانا ہے۔ دو گھنٹے بعد فلائٹ ہے۔" اس نے وال کلاک کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔ جس کی سوئیاں اس وقت صبح کے آٹھ بجا رہی تھیں۔

"اچھا! کچھ دن اسٹے کروگے یا واپس آجاؤ گے؟"

"نہیں! اسٹے کرنا تو مشکل ہے۔ میری کوشش ہے کہ آج رات تک ہی واپس آجاؤں۔ لیکن اگر نہیں آسکا تو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پھر کل ان شاء اللہ لازما" آجاؤں گا۔" اس نے انہیں تسلی دی۔

"کہاں جارہے ہو بیٹا؟" رابعہ بیگم ابھی ابھی کچن سے نکل کر ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی تھیں اور ان کی سماعتوں کو تیمور کے کہیں جانے کا ذکر سنائی دیا تھا۔

"السلام علیکم مما!" اس نے انہیں دیکھ کر فوراً کھڑے ہو کر کرسی پیش کی۔

"ہاں! تو کہاں جانے کی بات ہو رہی تھی؟" انہوں نے جواب دے کر دوبارہ استفسار کیا۔

"اسلام آباد جارہا ہوں۔ کسی کام کے سلسلے میں۔" ان کے بیٹھنے کے بعد وہ خود بھی بیٹھ گیا۔

"اچھا! کب جانا ہے؟"

"جی! دس بجے۔"

"اور واپس کب آؤ گے؟"

"واپسی کنفرم نہیں ہے۔ شاید آج یا شاید کل۔"

"جب گھر سے باہر جاتے ہو تو فون پہ بتاتے رہا کرو کہ کہاں ہو؟ کیا کررہے ہو؟ آج کل کے حالات کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ تم آفس کے لیے بھی نکلتے ہو تو مجھے دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ یہ تو پھر تم شہر سے باہر جارہے ہو؟" رابعہ بیگم اس کے کہیں جانے کا سن کر پریشان اور متفکر سی ہو جاتی تھیں۔

"ارے مما! ڈونٹ وری' کچھ نہیں ہوتا۔ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہوتا وہی ہے' جو وہ چاہتا ہے۔ ہم بے شک ہزاروں تدابیر کرتے رہیں۔" اس نے ماں کا ہاتھ تھپکتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہیلو۔۔۔ گڈ مارننگ!" اچانک ڈائننگ ہال میں ساشا کی آواز ابھری۔ ان تینوں نے بیک وقت چونک کر دیکھا۔

"سیم ٹو یو ڈیر!" جواباً تیمور نے اسے وش کیا۔

"اوہ! تو آج ہمارے مصروف ترین کزن تیمور حیدر بھی گھر پہ نظر آرہے ہیں؟ واؤ حیرت کی بات ہے؟" ساشا نے حیرت کا اظہار کیا۔ کیونکہ تیمور زیادہ تر اپنے بزنس میں مصروف رہتا تھا۔ اس لیے سب کزنز سے ملاقات بھی ذرا کم ہی ہوتی تھی اور جب کبھی ہوتی تھی تو وہ سب اس کی مصروفیات کا شکوہ ضرور کرتے تھے۔

"ہوں! اب تو مجھے خود بھی حیرت ہوتی ہے کہ میں گھر پہ ہوں۔" تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اف! ایسی شان دار پرسنالٹی اور وہ بھی اتنی خشک۔۔۔ افسوس ہوتا ہے کبھی کبھی۔۔۔" ساشا نے تاسف سے سر ہلایا۔ تیمور کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ایسی شاندار پرسنالٹی اگر رنگین ہو' تب بھی لوگوں کو افسوس ہی ہوتا ہے۔ اس دنیا میں کسی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ لوگ نہ زاہد کو جینے دیتے ہیں' نہ رند کو۔۔۔" تیمور نے ساشا سے بھی زیادہ تاسف کا اظہار کیا۔ اس کی بات پہ رابعہ بیگم اور رضا حیدر بھی مسکرا اٹھے۔

"ماموں! آپ کتنے سکون میں ہیں؟ کیا آپ کو کوئی فکر نہیں ہے کہ آپ کا اتنا خوب صورت' ہینڈسم اور جوان بیٹا ابھی تک کنوارا اور چھڑا چھانٹ پھر رہا ہے؟ کیا آپ کو کبھی بہو کی خواہش نہیں ہوئی؟ کیا آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ آپ کے بیٹے کے ساتھ والی کرسی خالی ہوتی ہے؟"

ساشا کے اتنے سنجیدگی سے کیے گئے سوال پہ تیمور کے ساتھ ساتھ رضا حیدر خود بھی بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔ کیونکہ ساشا کا انداز ہی کچھ ایسا تھا۔

"بیٹا! میں تو تب ہی کچھ کرسکتا ہوں نا' جب یہ کسی کو پسند کرے گا۔ جب یہ کسی کو پسند ہی نہیں کررہا تو میں اپنی خواہش کو لے کر کہاں جاؤں؟"

رضا حیدر نے مایوسی اور معذوری کا اظہار کیا اور یہ سب سچ بھی تھا۔ وہ تو کئی بار اس کو شادی کا اور کسی لڑکی کو

پسند کرنے کا کہہ چکے تھے۔ لیکن تیمور حیدر کی نظر سے فی الحال ایسی کوئی لڑکی نہیں گزری تھی' جو اس کے جذبات' احساسات اور دل کو چھو جاتی اور وہ دل کے ہاتھوں مجبور اور بے تاب ہو کر اسے پسند کرتا یا اس سے شادی کرتا وہ ابھی تک اپنے ان چھوئے اور کورے کاغذ جیسے دل کو لیے آزاد پھر رہا تھا۔ ہر طرح سے آزاد اور بے فکر۔۔۔

"کیوں تیمور بھائی؟ آپ کیوں ماموں اور ممانی کی خواہش پوری نہیں کرتے؟ آخر آپ ان کے اکلوتے سپوت ہیں؟" ساشا کا رخ اب تیمور کی طرف ہو چکا تھا۔

"دیکھو ڈیر! اتنی لمبی چوڑی بحث میں پڑنے سے پہلے بہتر ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ تم صبح صبح یہاں کیوں آئی ہو؟" تیمور حیدر نے بڑی مہارت سے اس کی بات کا رخ موڑ دیا۔ ساشا اپنے سر پہ ہاتھ مار کے رہ گئی۔

"اوہ مائی گاڈ! میں فضول میں ٹائم ویسٹ کیے جارہی ہوں۔ مجھے تو ابھی ایرپورٹ بھی جانا ہے۔"

"ایرپورٹ۔۔۔؟ کیوں کون آرہا ہے؟" تیمور جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے ٹھٹک گیا۔

"فیصل آباد سے منزہ آنٹی آرہی ہیں' ثمینہ آنٹی سے ملنے کے لیے۔ آفاق بھائی کو آفس میں کوئی ضروری کام تھا۔ اس لیے وہ جلدی چلے گئے ہیں اور ثمینہ آنٹی نے مجھے فون کیا ہے کہ میں انہیں ایرپورٹ سے ریسیو کرنے چلی جاؤں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ عزت کو بھی ساتھ لے لوں۔" ساشا نے کندھے اچکاتے ہوئے بتایا۔

"منزہ آرہی ہے؟ خیریت تو ہے نا؟" رضا حیدر کو بہن کی اچانک آمد کا سن کر تشویش ہوئی۔

"مجھے تو یہی پتا ہے کہ ثمینہ آنٹی سے ملنے کے لیے آرہی ہیں۔ اب اصل ریزن کیا ہے' یہ مجھے نہیں پتا۔" اس نے لاعلمی ظاہر کی۔

"منزہ نے ہمیں بھی نہیں بتایا کہ وہ آرہی ہے۔ ورنہ ہمیشہ تو وہ یہاں ہمارے گھر ہی آتی ہے؟" رابعہ بیگم کو بھی حیرت اور تشویش ہوئی تھی۔

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں ممانی جان! جب وہ آئیں گی تو پوچھ لیجیے گا۔"

"ہوں! پوچھنا تو ہے۔" رابعہ بیگم کو نند کے حوالے سے فکر ہو رہی تھی۔

"گڈ' گڈ! ضرور پوچھیے گا' لیکن فی الحال مجھے اتنا بتا دیجیے کہ عزت صاحبہ کہاں ہیں؟" ساشا نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو یونیورسٹی چلی گئی۔"

"واٹ۔۔۔ یونیورسٹی؟ اف! اس مصیبت سے بچنے کے لیے تو میں نے اس کے سیل پہ کال کی تھی۔ لیکن اس کا سیل شاید آف جارہا تھا۔" ساشا کو جیسے دھچکا لگا تھا۔

وہ صرف اس کی خاطر پندرہ منٹ کا سفر طے کرکے ایرپورٹ جانے کے بجائے یہاں آئی تھی کہ اسے ساتھ لے لے گی تو ٹائم اچھا گزر جائے گا۔ لیکن وہ ہمیشہ کی اتاؤلی لڑکی آٹھ بجے گھر سے نکلنے کے بجائے پونے آٹھ بجے چلی گئی تھی۔

"عزت جیسے جلد باز' بے صبرے اور من موجی لوگوں سے دوستی کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے' دیکھتے رہ جاتے ہیں۔"

تیمور' ساشا کی حالت پہ مسکراتے ہوئے بولا ساشا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عزت اس کے سامنے ہو اور وہ اس کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے۔ اس کی ساری جلد بازی نکال دے۔ لیکن وہ اس وقت بے بس تھی۔ اسی لیے مایوسی سے قدم واپس موڑ لیے۔

"بیٹا! ناشتا نہیں کرو گی؟" رابعہ بیگم نے اسے روکنا چاہا۔

"کرلیا ہے ممانی جانی! اور ہضم بھی ہو گیا ہے' خدا حافظ۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ کہہ کر باہر نکل گئی تیمور ساشا کی کیفیت پہ مسکراتے ہوئے کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اسے خود اسلام آباد جانے کے لیے نکلنا تھا اور ابھی تیار بھی ہونا تھا۔ ورنہ وہ خود منزہ پھوپھو کو ریسیو کرنے چلا جاتا۔ لیکن فی الحال مجبوری تھی۔ وقت قلیل تھا۔

☆ ☆ ☆

میں نعرہ مستانہ
میں نعرہ مستانہ
میں شوخی رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں؟
میں تشنہ۔۔۔
میں تشنہ کہاں جاؤں؟
پی کر بھی کہاں جانا؟
میں نعرہ مستانہ

بے حد خوب صورت میوزک کے حصار میں گونجتی عابد پروین کی آواز گاڑی ڈرائیو کرتی عزت حیدر کو بھی جھومنے پہ مجبور کر رہی تھی۔ اس کی دودھیا مخروطی انگلیاں اسٹیئرنگ پہ بڑے مست انداز میں تھرک رہی تھیں۔ اس کی کلائیوں میں سجے بریسلٹ بھی اس کی اس مستی پہ جھوم رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کیفیت رقص میں ہو وہ جب بھی یہ صوفیانہ کلام سنتی تھی تو اس کی میوزک آواز اور شاعری کے پر اثر احساس میں رچ بس جاتی تھی۔ اس گانے کے مصرعے اس کے دل پہ اثر کرتے تھے۔ وہ اک طلسم اک سحر میں آجاتی تھی اور اس میوزک کے علاوہ سب کچھ پس منظر میں چلا جاتا تھا۔

وہ ہر بات سے بے نیاز ہو کر اس گانے کے فسوں میں گم ہو جاتی تھی اور اس وقت بھی اس پہ کچھ ایسی ہی کیفیت طاری تھی۔ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے یہ کلام پوری آواز سے سن رہی تھی۔ وہ آج گھر سے ذرا جلدی نکل آئی تھی۔ اس لیے یونیورسٹی پہنچنے کی ذرا بھی جلدی نہیں تھی۔ تب ہی تو وہ انتہائی سکون سے ڈرائیو کرتے ہوئے انجوائے کر رہی تھی۔ یہ اس کی ہمیشہ سے عادت تھی کہ وہ جب بھی موڈ میں ہوتی تو یوں ہی فل میوزک آن کیے گاڑی بھی سڑکوں پہ آوارہ چھوڑ دیتی تھی اور ایسے میں ذرا بھی یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ شہر کے نامور بزنس مین تیمور حیدر کی بہن ہے۔

وہ تیمور حیدر جس کی سنجیدہ ریزروسی شخصیت کے سامنے کچھ بولتے ہوئے اکثر لوگ ہچکچا جاتے تھے اور اسی تیمور حیدر کی بہن اتنی شوخ، چنچل اور جذباتی تھی کہ تیمور کبھی کبھی خود بھی سر تھام کے بیٹھ جاتا تھا۔ جبکہ رضا حیدر بیٹی کی شوخیاں، شرارتیں، لاڈ اور ناز نخرے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ عزت ان کی بہت کرماں والی بیٹی تھی۔ بڑی دو بیٹیوں سے بھی زیادہ۔

ایک تو یہ کہ وہ سب بہن بھائیوں سے چھوٹی تھی۔

روک ٹوک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے وہ اپنی من مانی بھی خوب کرتی تھی۔ اس کی دوستوں اور کلاس فیلوز کو اس پہ رشک آتا تھا۔ اس جیسا من چاہا لائف اسٹائل تو ہر لڑکی کی خواہش تھی وہ خوش قسمت تھی، جو بنا خواہش کیے ہی یہ لائف اسٹائل جی رہی تھی۔ اس کے دن رات، موج و مستی میں

گزرتے تھے۔ لاکھوں روپیہ تو وہ پاکٹ منی کے نام پہ اڑا دیتی تھی۔ اس کی سہیلیاں اور کلاس فیلوز اس کی لاپروائی اور مستیاں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے موڈ کی جولانیاں جب عروج پہ ہوتی تھیں تو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس وقت بھی اس کا موڈ کچھ ایسا ہی تھا۔

جیسے ہی اس نے یونیورسٹی کے روڈ کی طرف موڑ کاٹا تو ساتھ ہی اس نے گاڑی کی رفتار بھی بڑھا دی تھی۔ کیونکہ اس کا پسندیدہ میوزک بھی ختم ہو چکا تھا۔ اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پہ مرکوز کر دی۔ وہ بھی پارکنگ تک پہنچ ہی گئی۔ اس کے راستہ بنانے پہ دو تین اور لوگوں کو بھی راستہ مل گیا تھا۔

"شکریہ! راستہ تو ملا۔" عزت کے پیچھے والی گاڑی میں ایک لڑکا اور لڑکی راستہ ملنے پہ شکر ادا کر رہے تھے اور عزت کی کارکردگی پہ خوش بھی ہو رہے تھے۔ عزت خود بھی مسکراتی ہوئی گاڑی سے نیچے اتر آئی۔ گاڑی سے اپنا بیگ نکال کر گاڑی مقفل کی اور پیچھے پلٹ آئی۔ ان دونوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سراہا۔ وہ دونوں میڈیکل ڈپارٹمنٹ کے ذہین ترین اسٹوڈنٹ تھے۔ رشتے میں دونوں کزن اور منگیتر تھے۔ اسی لیے وہ دونوں یونیورسٹی میں سب کی توجہ کا مرکز اور مذاق کا نشانہ ہوتے تھے۔ عزت بھی جانتی تھی ان کو اس لیے دوستانہ انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے پارکنگ سے نکل گئی۔ لیکن وہ یونیورسٹی کے مین گیٹ تک پہنچی بھی نہیں تھی کہ اس کے پیچھے ایک انتہائی تباہ کن دھماکا ہوا تھا۔ جس سے زمین و آسمان ہل کے رہ گئے تھے۔ اس دھماکے کی آواز اور دھمک اتنی شدید تھی کہ عزت کے ساتھ ساتھ کئی اور لوگ بھی زمین پہ چلتے ہوئے لڑکھڑا گئے تھے۔ یوں جیسے نیچے سے زمین سرک گئی ہو۔

اس نے ایک دم پیچھے پلٹ کر دیکھا اور اس کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ جیتے جاگتے انسان بے جان چیزوں کی طرح ادھر ادھر گر رہے تھے۔ خون اور انسانی اعضا کا بکھرنے کا یہ قیامت خیز منظر عزت حیدر کو خوف اور دہشت سے پاگل کر گیا۔ وہ بے ساختہ دونوں ہاتھ منہ پہ رکھے چیخ رہی تھی۔ اس وقت اس کا خود پہ کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹ چکی تھیں۔ اس کے سامنے قیامت مچی ہوئی تھی۔ اک کہرام سا تھا۔ لوگ چیخ رہے تھے۔ رو رہے تھے۔ تڑپ رہے تھے۔

پانچ منٹ کے اندر اندر پولیس، میڈیا اور رضاکار وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس قیامت اور حشر کے میدان میں انسانوں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ بم وہاں بلاسٹ ہوا تھا، جہاں عزت نے گاڑی پارک کی تھی۔ کیونکہ وہاں اس کے ساتھ ہی ایک اور گاڑی پہلے سے پارک شدہ تھی اور وہی گاڑی خودکش بم دھماکے کے مواد سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ کی رضا سے عزت تو وہاں سے محفوظ و مامون نکل آئی تھی۔ لیکن وہاں گاڑی پارک کرتے وہ دونوں لڑکا لڑکی نہیں بچ سکے تھے۔ جب ان دونوں کو بے جان جسموں کی طرح اسٹریچر پہ ڈال کے کچھ رضاکار پاس سے گزرے تو عزت اور بھی بے اختیار ہو گئی۔ اس کی چیخوں پہ کسی نے بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ مگر ایک اخباری نمائندہ ولید رحمان عجلت میں ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرتے ہوئے اسے چلاتے ہوئے دیکھ کر ایک دم چونک کے ٹھہر گیا تھا۔

"عزت۔۔۔؟"

وہ اسے پہچان چکا تھا۔ وہ اتنے کہرام میں اکیلی کھڑی پاگلوں کی طرح وحشت زدہ چیخ رہی تھی۔ ولید لپک کے اس کے پاس آیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

نبیلہ عزیز

دستِ بستہ

ماورا مرتضیٰ عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئرپورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔

منزہ، ثمینہ اور رضا حیدر بہن بھائی ہیں۔ ان کی ایک بہن شارجہ میں رہتی ہیں۔ ان کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی گئی ہے۔ رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"عزت۔۔۔" اس نے قریب آتے ہوئے کافی گھبرائے ہوئے اور تشویش بھرے لہجے میں پکارا۔ لیکن عزت کو اس وقت کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی سماعتوں میں لوگوں کی دردناک اور دل خراش چیخیں گونج رہی تھیں۔ وحشت اور خوف سے وہ خود بھی چلا رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پہ رکھے ہوئے تھے اور اس کی حالت کافی ابتر محسوس ہو رہی تھی۔ ولید کو مزید تشویش نے آگھیرا۔

"عزت۔۔۔" اس نے ایک بار پھر پکارا۔ لیکن اس کے ذہن پہ خوف اور سماعتوں پہ چیخوں کا شور حاوی تھا۔

"عزت۔۔۔ آر یو آل رائٹ؟" ولید کے لہجے میں پریشانی اور گھبراہٹ تھی۔ لیکن وہ کچھ سنتی تب نا؟

"عزت۔۔۔! میں آپ سے مخاطب ہوں۔۔۔ ادھر میری طرف دیکھیں۔۔۔ جواب دیں مجھے۔" اس کی پریشانی اور فکرمندی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔ مگر وہ تو جیسے ہوش و حواس سے بے گانہ لگ رہی تھی اور ولید کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ آس پاس کا ماحول اور صورت حال ایسی نہیں تھی کہ وہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیتا۔ کیونکہ وہ اس کے دوست تیمور حیدر کی بہن تھی اور اس ناتے اس کا فرض بنتا تھا کہ وہ اس سنگین صورت حال میں اس کی مدد اور حفاظت کرے۔ کیونکہ اس کا نقصان تیمور حیدر کا نقصان تھا اور وہ کبھی مر کے بھی تیمور حیدر کا نقصان نہیں چاہ سکتا تھا۔

"ولید۔۔۔ لگتا ہے انہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے بم بلاسٹ ہوتے دیکھا ہے۔ یہ یقیناً" ہمیں کچھ بتا سکتی ہیں۔" ولید کے عقب سے اس کے کولیگ حارث زیدی کی آواز ابھری۔ ولید چونک کر پلٹا۔ حارث زیدی عزت کو ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک چشم دید گواہ کی آس میں۔

"نہیں۔۔۔! یہ فی الحال ایسی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کوئی اسٹیٹمنٹ ریکارڈ کروا سکیں۔۔۔ اس لیے پلیز ہم جاؤ یہاں سے۔" ولید نے حارث زیدی کو سختی سے منع کیا تھا۔

"ارے۔۔۔ کیوں نہیں ہیں پوزیشن میں؟ تمہیں کیا پتا بھلا؟ یہی تو اصل پوزیشن ہوتی ہے۔ سب کچھ صاف اور سچ سچ بتانے کی۔ ادھر دیکھو! ہزاروں لڑکے اور لڑکیاں کیمرے کے سامنے سب کچھ لائیو شیئر کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی بھی تقریباً" ایسی ہی حالت ہے؟" حارث زیدی وہاں سے جانے کو تیار نہیں تھا۔

"تو جاؤ نا! تم بھی ان ہزاروں کے پاس چلے جاؤ۔ یہاں کیوں کھڑے ہو؟" ولید کو اس پہ جی بھر کے غصہ آیا۔

"کیونکہ تم یہاں کھڑے ہو۔۔۔ ان ہزاروں کو چھوڑ کر۔۔۔" اس نے ولید کو زچ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ مگر وہ بڑے ضبط سے اپنا غصہ دبا گیا۔ کیونکہ یہ جگہ اور یہ وقت غصہ کرنے کے لیے نہیں تھا۔

"یہ میری ریلیٹیو ہیں۔ اس لیے ان کے پاس کھڑا ہوں۔" ولید نے کافی چبا کے کہا۔ حارث زیدی کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔

"اوہ! اچھا اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ پھر کھڑے رہو۔۔۔ تمہارا حق بنتا ہے۔" وہ اطمینان سے کہہ کر پلٹ گیا تھا اور ولید مٹھیاں بھینچ کے رہ گیا۔

"ہونہہ۔۔۔ خبیث کو اس وقت بھی خباثت سوجھ رہی ہے۔" ولید غصے سے بڑبڑاتا ہوا عزت کی سمت واپس پلٹا۔ لیکن اب وہ اپنی جگہ پہ کھڑی نہیں تھی۔ بلکہ زمین پہ بیٹھی ہنوز روتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ولید نے خود کو بے بس محسوس کیا۔ آخر کیا کرتا؟ وہ بھی عزت کے سامنے پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھ گیا اور اسے دونوں کندھوں سے تھام کے انتہائی سختی سے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"عزت۔۔۔ ہوش میں آئیں۔۔۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ پاگل ہو گئی ہیں کیا؟" اب کی بار وہ خاصی اونچی اور سخت آواز میں بولا۔ عزت اس کے اس طرح بولنے اور اس طرح جھنجھوڑنے پہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ اس نے بے تحاشا بھیگے ہوئے چہرے اور بھیگی ہوئی آنکھوں سے ایک دم اپنے سامنے دیکھا تھا۔ اس کی نظروں کے عین سامنے

ولید کا چہرہ تھا۔ لیکن سچویشن کچھ ایسی تھی کہ وہ ولید کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔ اس کی بھیگی متورم آنکھوں میں اس وقت خوف اور وحشت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

"میں ولید ہوں۔۔۔ ولید۔۔۔ ولید رحمان۔۔۔ تیمور کا دوست۔۔۔ آپ نے یقیناً" پہلے بھی مجھے دیکھا ہو گا۔۔۔ شاید آپ کے گھر پہ ہی؟" وہ اس کی پہچان سے عاری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے اپنی پہچان کا حوالہ دے رہا تھا۔ جس پہ اس کی آنکھوں میں تحیر امڈ آیا اور پھر بے ساختہ وہ آنکھیں درد سے چھلک پڑیں۔ وہ ایک سنگین اور ہنگامہ خیز صورت حال میں برا پھنسا تھا۔

"تیمور بھائی!" وہ کہتے ہوئے ایک دم چیخ پڑی۔ اس کا خود پہ کوئی اختیار نہیں تھا اس وقت۔۔۔ کیونکہ جو کچھ وہ دیکھ چکی تھی۔ اس کے بعد ایسی حالت اور ہذیانی کیفیت تو ایک لازمی امر تھا۔

"پلیز عزت! پلیز کنٹرول یور سیلف۔۔۔ بند کریں یہ رونا دھونا۔۔۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیا کوئی نقصان ہوا ہے آپ کا؟" ولید نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ جس پہ نڈھال سی عزت دم بخود سی رہ گئی۔

"کیا؟ کہا آپ نے؟ کیا آپ کو نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے مجھے؟ کیا یہ نقصان کوئی نقصان ہی نہیں ہے؟ کیا یہ نقصان آپ کو نظر ہی نہیں آرہا؟ کیا اس نقصان کو دیکھ کر روویس بھی نہ؟"

عزت یونیورسٹی کی پارکنگ میں بچھی قیامت دیکھ کر پھر سے چیخنے لگی۔

"عزت۔۔۔ یہ نقصان صرف آپ کا نہیں ہے۔ یہ تو ہم سب کا نقصان ہے۔۔۔ پوری قوم کا نقصان ہے۔ اس پہ تو ہم سب کو رونا چاہیے۔ لیکن فی الحال یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ بہت افراتفری ہے یہاں۔۔۔ ہنگامی حالت ہے۔۔۔ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ بہت خطرہ ہے یہاں۔۔۔ اس لیے یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔ پلیز! آپ اٹھیں یہاں سے۔۔۔ ایک سائیڈ پہ آجائیں۔" ولید نے اسے وہاں سے اٹھانے کی کوشش کی۔

"لیکن۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ سب۔۔۔؟" عزت زخمی اسٹوڈنٹس کو دیکھ کر سسک اٹھی۔

"یہ ہمارے ملک، ہماری قوم کا المیہ ہے۔ اس کا کوئی مرہم، کوئی مسیحا نہیں ہے۔" ولید کا لہجہ تلخ اور زخمی ہو رہا تھا۔ رضاکار مسلسل اپنی جان ہتھیلی پہ رکھے شہریوں کی مدد اور خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ پولیس آفیسرز تحقیقات کرنے میں مصروف تھے اور میڈیا والوں نے الگ حشر اٹھا رکھا تھا۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششوں میں تھے اور اس کوشش سے بڑھ کے انہیں کسی بھی جانی و مالی نقصان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اگر وہ پروا کرتے تو یقیناً" سیکڑوں اور زخمیوں کی جان بچ سکتی تھی۔ لیکن اس دھماکے کی نیوز سب سے پہلے نشر کرنے کا فخر حاصل کرنے کے لیے انہوں نے کئی زندگیوں کے زیاں کے احساس کو پس پشت ڈال دیا تھا جو اس ملک قوم کا ایک اور المیہ تھا۔ عزت یہ سب دیکھ کر دوبارہ رو پڑی۔

"عزت پلیز۔۔۔ ادھر میرے ساتھ آئیے۔" ولید اسے بازو سے پکڑ کر سہارا دیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یوں ہی اس کو اٹھاتے ہوئے ولید کی نظر اچانک نیچے زمین پہ پڑی تو عزت کا بیگ اسے نیچے گرا ہوا نظر آیا تھا۔ ولید نے بیگ اٹھایا تھا اور اسے بازو سے تھامے یونیورسٹی کی اندرونی سمت بڑھا۔ اس کے ساتھ چلتی عزت بمشکل قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ اتنے سنگین حادثے کے باعث اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ ٹھیک سے چل بھی سکتی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ ولید کے ہاتھ میں اس کا بازو دبا ہوا تھا۔ لیکن گرفت کافی ڈھیلی تھی۔ وہ اپنے دھیان میں آگے بڑھ رہا تھا۔ جبکہ وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔ مگر روک نہیں پا رہی تھی۔ کیونکہ اس کے حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ یوں ہی چلتے چلتے قدم زمین سے سرک گئے تھے یا شاید زمین سرک گئی تھی۔ جس سے وہ ایک دم لڑکھڑا گئی۔

"ولید۔۔۔" اس نے بڑی مشکل سے اسے پکارا اور تیورا کے زمین بوس ہو گئی۔ ولید کے ہاتھ سے اس کا بازو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چھوٹ گیا ولید پر بوکھلاہٹ طاری ہوگئی۔ وہ اس کی کراہ پہ ایک دم اس کی سمت پلٹا۔

"عزت۔۔۔ عزت۔۔۔ آنکھیں کھولیں۔۔۔ عزت پلیز۔۔۔ کیا ہوا ہے آپ۔۔۔ ٹھیک تو ہیں؟" ولید زمین پہ دوزانو بیٹھا کافی بوکھلائے ہوئے انداز میں عزت کا چہرہ تھپکتے ہوئے اسے پکار رہا تھا۔ وہ اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کا دھیان ایک ایمبولینس کی طرف تھا اور اس کے بازو پہ گرفت ڈھیلی ہونے کی وجہ سے اسے پتا ہی نہ لگا کہ کب وہ زمین پر گر گئی۔ اب اپنی کوتاہی اور غفلت پہ وہ خود کو دل ہی دل میں کوس رہا تھا۔

"پلیز عزت۔۔۔ میری طرف دیکھیں۔۔۔ آنکھیں کھولیں۔۔۔ پلیز عزت۔۔۔ ہوش میں آئیں۔" ولید نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا۔ پھر بے ساختہ اس کی نبض ٹٹولی تھی۔ نبض چل رہی۔ لیکن بہت مدھم رفتار سے۔ ولید کو اس کے بچنے کی امید ہو چلی تھی۔ اس نے عجلت اور پریشانی میں اپنی جیب سے موبائل نکال کر تیمور حیدر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ دوسری طرف رنگ جا رہی تھی۔

"ہیلو۔۔۔؟" اگلے تین سیکنڈ میں تیمور حیدر کی آواز ایر پیس سے ابھری۔

"تیمور! کہاں ہو تم؟" ولید کی آواز کافی بوکھلاہوئی تھی۔ تیمور چونک گیا۔

"میں گھر پہ ہوں۔۔۔ کیوں کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟" تیمور کو ولید کے پیچھے بہت زیادہ شور اور بہت زیادہ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں یار۔۔۔ تم فوراً عزت کی یونیورسٹی پہنچو۔" ولید کی اگلی بات پہ تیمور کی پریشانی اور بھی سوا ہو گئی۔

"عزت کی یونیورسٹی؟ کیوں ولید! کیا ہوا ہے؟ عزت ٹھیک تو ہے نا؟" تیمور کا پہلا خیال ایکسیڈنٹ کی طرف گیا تھا کہ شاید عزت کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔

"ہاں۔۔۔ وہ ٹھیک ہیں۔۔۔ یونیورسٹی کی پارکنگ میں بم بلاسٹ ہوا ہے۔ کافی نقصان ہوا ہے یہاں۔۔۔ لیکن تم پریشان مت ہونا۔ عزت کی جان بچ گئی ہے۔ وہ محفوظ ہیں۔ لیکن اس اچانک حادثے کے اثر سے بے ہوش ہو گئی ہیں۔ میرے پاس بائیک ہے اور میں انہیں بائیک پہ اسپتال لے کر نہیں جا سکتا۔ اس لیے تمہیں فون کیا ہے۔ تم پلیز! جلدی پہنچو۔ بس پانچ منٹ میں۔" ولید نے جلدی جلدی اسے اطلاع دی تیمور کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

"اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔ میں ابھی پہنچ رہا ہوں' ڈونٹ وری۔" تیمور نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

ولید بے ہوش پڑی عزت کو اٹھا کے یونیورسٹی کے ـــــ اندر لے آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

تیمور اسلام آباد جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ جب اسے ولید کی کال موصول ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے بڑی عجلت میں اپنے بیڈ روم سے نکلا۔ اسے یوں تیزی سے سیڑھیاں اترتے دیکھ کر رابعہ بیگم ٹھٹک گئیں۔ کیونکہ پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"تیمور! کیا بات ہے' کہاں جا رہے ہو؟" رابعہ بیگم تیزی سے اس کے سامنے آئی تھیں۔

"کچھ نہیں مما! وہ دراصل ولید کی کال آئی تھی۔ وہ شاید کسی پریشانی میں ہے۔ اس نے بلایا ہے۔" تیمور اصل بات دبا گیا۔ کیونکہ اسے پتا تھا کہ وہ پریشانی میں رونا دھونا شروع کر دیں گی۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا ہے اسے؟ خیر تو ہے؟" انہوں نے اپنا دل تھام لیا۔

"نہیں! یہ تو نہیں بتایا اس نے۔۔۔ آپ بس دعا کریں۔۔۔ میں کچھ دیر تک آجاؤں گا۔" وہ انہیں تسلی دیتا ہوا پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کاریڈور عبور کر گیا تھا اور پھر ڈرائیوے سے روڈ تک گاڑی لانے میں اسے محض پندرہ

بیس سیکنڈز لگے تھے۔ مین روڈ پہ آتے ہی اس نے گاڑی پوری رفتار سے بھگانا شروع کی۔ روڈ پہ آکر اسے پتا چلا تھا کہ پورا شہر ایک ہلچل میں تھا۔ ہر طرف ایک افراتفری سی دکھائی دے رہی تھی۔ سب کو اپنے اپنے جوان جہان بچوں کی فکر تھی۔ جو اپنے گھروں سے علم کی روشنی حاصل کرنے کے لیے نکلے تھے۔ لیکن موت اور درد کے اندھیروں میں ڈوب گئے تھے۔ یونیورسٹی روڈ پہ آتے ہی کئی ماؤں کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی تھی۔ جو اس تباہ کن دھماکے کی خبر ملتے ہی اپنے گھروں سے بھاگی آئی تھیں اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی المناک موت پہ تڑپ رہی تھیں اور بین کر رہی تھیں۔ تیمور کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے تیزی سے نیچے اترا اور ولید کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس کا نمبر ڈائل کیا۔

"ولید۔۔۔ کہاں ہو تم؟"

"یونیورسٹی کے اندر آجاؤ۔۔۔ ہم اندر ہیں۔" ولید نے مختصر سا بتا کر فون بند کر دیا۔

تیمور تیز تیز قدم اٹھاتا لوگوں کے ہجوم کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا بڑی مشکل سے یونیورسٹی کے اندرونی حصے تک پہنچا تھا۔ یونیورسٹی کے گیٹ کے اندر طویل ڈرائیوے تھا۔ جس کے دائیں بائیں سرو کے درخت اور پتھریلے بینچ نصب تھے۔ تیمور تھوڑا اور آگے آیا تو ولید اسے پہلے بینچ کے قریب ہی کھڑا دکھائی دیا۔

"عزت؟" تیمور نے ولید کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ولید ایک قریبی بینچ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے عزت کو اس بینچ پہ لٹا رکھا تھا۔ کیونکہ اس بینچ پہ اس کے ساتھ لگے درختوں کی چھاؤں تھی۔ اس لیے دھوپ سے بچانے کی خاطر ولید نے اسے یہاں لٹا دیا تھا۔ تیمور عزت کو دیکھ کر تیزی سے قریب آیا۔

"عزت۔۔۔ آنکھیں کھولو عزت۔" تیمور نے اس کے گال تھپکے۔

"میں نے بھی بہت کوشش کر کے دیکھی ہے۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم انہیں جلد سے جلد اسپتال لے جاؤ۔ ان کے لیے بروقت ٹریٹمنٹ کا ملنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ان کا نروس بریک ڈاؤن بھی ہو سکتا ہے۔" ولید نے اک سرسری سی نظر بے ہوش پڑی عزت پہ ڈالتے ہوئے تیمور کو مشورہ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے! تم یہیں ٹھہرو۔ میں گاڑی اندر لے آتا ہوں۔" تیمور کہتے ہوئے سیدھا ہوا۔

"گاڑی اندر لانے میں تمہیں دو دن لگ جائیں گے۔ باہر دیکھا نہیں تم نے؟ کیا حالات ہیں؟ کتنا کراؤڈ ہے؟" ولید نے تیمور کی طرف دیکھا۔

"تو پھر؟" تیمور نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

"تو پھر یہ کہ انہیں اٹھا کر گاڑی تک لے جاؤ۔۔۔ گاڑی ان تک نہیں آسکتی۔" ولید نے اس کی عقل پہ ماتم کیا تھا۔

"میں اٹھا کر لے جاؤں؟" تیمور کو عجیب سا لگا۔ لیکن جواباً ولید نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا اس پہ تیمور کو عقل آ ہی گئی۔

"اوکے۔۔۔ یہ لو چابی۔۔۔ گاڑی کا لاک کھولو جا کر۔۔۔ میں اسے لے کر آتا ہوں۔" اس نے عزت کو اٹھایا اور یونیورسٹی سے نکل آیا۔ ولید اس کے آگے آگے چلتا لوگوں کے ہجوم کو سامنے سے ہٹاتا جا رہا تھا۔ روڈ پہ آتے ہی وہ لپک کے گاڑی تک پہنچا تھا اور گاڑی کے آگے کا دروازہ کھول کے پیچھے کا دروازہ بھی کھول دیا۔ تیمور نے آگے بڑھ کے بڑی احتیاط سے اسے پچھلی سیٹ پہ لٹایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ کی سمت بڑھا تھا۔

"تیمور! ٹھہرو۔۔۔" ولید نے کچھ یاد آنے پہ اسے آواز دی۔

"یہ ان کا بیگ ہے۔" اس نے عزت کا بیگ تیمور کی سمت بڑھایا۔ اس کے پاس دو بیگ تھے۔ ایک اپنا جو اس نے اپنے گلے میں ترچھا کر کے ڈال رکھا تھا اور ایک عزت کا' جو اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیوں؟ کیا تم ساتھ نہیں چل رہے؟" تیمور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے رک گیا۔
"نہیں۔" ولید کا جواب مختصر تھا۔
"کیوں؟" تیمور نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"مجھے یہاں کام ہے۔"
"کیسا کام؟"
"بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال تم جاؤ۔" ولید ٹال گیا تھا۔ تیمور نے ولید کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ گیا۔
"شام کو ملتے ہیں۔" تیمور نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے ملاقات کا وقت مقرر کیا۔
"وعدہ نہیں کرتا۔" ولید نے نفی میں سر ہلایا۔
"اور ہاں... سنو!" اس نے پیچھے سے ولید کو آواز دی۔
"کہو؟" وہ پھر قریب آگیا تھا۔
"عزت کی گاڑی دیکھی کہیں؟" تیمور کو ایک دم عزت کی گاڑی کا خیال آیا۔
"آئی ایم سوری! مجھے ان کی گاڑی کا نہیں پتا... بلکہ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ ان کی گاڑی ہے کون سی۔" ولید نے لاعلمی کا اظہار کیا۔
"بلیک کرولا اے ایکس ایل ٹریل تھری۔" تیمور نے اسے گاڑی کا نمبر وغیرہ بتایا۔
"اوکے... میں دیکھتا ہوں۔ لیکن اگر یہ گاڑی پارکنگ میں پارک تھی تو پھر بہت مشکل ہے کہ گاڑی کا نام و نشان بھی بچا ہو۔ کیونکہ پارکنگ میں جتنی بھی گاڑیاں کھڑی تھیں سب کو نقصان پہنچا ہے۔ کئی گاڑیاں تو آگ کی نذر ہو گئی ہیں۔ اس لیے گاڑی کا خیال دل سے نکال دو۔ ان کی جان بچ گئی ہے۔ بس یہی کافی ہے۔ گھر جاؤ اور شکرانہ ادا کرو۔ پندرہ بیس لاکھ کا نقصان کوئی نقصان نہیں ہے تمہارے لیے۔ وہ تو تم ایک دن میں پورا کرلو گے۔" ولید کی چوٹ پہ تیمور نے اسے گھور کے دیکھا۔
"حلال کی کمائی ہے۔ حرام کی نہیں ہے کہ دل سے خیال ہی نکال دوں۔"
"ہاں! جانتا ہوں... سب جانتا ہوں۔ خیر! بحث میں مت الجھو... مزید نقصان کا اندیشہ ہے۔ فوراً" اسپتال پہنچو۔" ولید نے ذرا سا مسکراتے ہوئے کہا اور اس کی گاڑی کو ہاتھ سے بجاتے ہوئے آگے بڑھنے کا سگنل دیا تھا۔ تیمور خفگی سے گھورتا ہوا سر جھٹک کر گاڑی نکال لے گیا۔ جبکہ ولید اس کی گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد خود بھی صحافیوں کے ہجوم میں شامل ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

تیمور، عزت کو لے کر اسپتال پہنچا ہی تھا کہ اس کے موبائل فون پہ کالز موصول ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ سب سے پہلی کال رضا حیدر کی تھی۔
"تیمور... عزت کی یونیورسٹی میں دھماکا ہوا ہے۔ اس کا پتا کرو، وہ کہاں ہے؟ اس کا موبائل بھی آف ہے۔"
رضا حیدر چھوٹتے ہی شروع ہو گئے۔ ان کی پرسکون آواز اور تحمل آمیز لہجہ اس وقت لرز رہے تھے۔ تیمور بنا دیکھے بھی جان سکتا تھا کہ اس وقت ان پہ کیا بیت رہی ہو گی؟ اور ان کی کیسی حالت ہو رہی ہو گی۔
"ریلیکس بابا! ریلیکس... ڈونٹ وری... عزت بالکل ٹھیک ہے۔ میرے ساتھ ہی ہے۔ میں اسے یونیورسٹی سے لے آیا ہوں۔ بس اتنے سنگین حادثے کی وجہ سے اس کے دل پہ اثر ہوا ہے اور اس کا بی پی لو ہو گیا ہے۔ اس

لیے میں اسے لے کر اسپتال آگیا ہوں۔ ڈاکٹرز بتا رہے تھے کہ کچھ دیر تک وہ ہوش میں آجائے گی۔" تیمور نے باپ کو تسلی دی۔
"سچ بتا رہے ہو تیمور! میرے ساتھ غلط بیانی تو نہیں کر رہے؟" انہوں نے کافی پریشان اور مشکوک سے لہجے میں پوچھا۔ کیونکہ تیمور... ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی رابعہ بیگم کو ٹالنے کی خاطر غلط بیانی کر کے گیا تھا۔
"ارے نہیں بابا! وہ بس مما کی پریشانی کی وجہ سے انہیں ٹھیک سے نہیں بتایا تھا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ عزت کو ذرا سی بھی خراش تک نہیں آئی ہے۔ شی از آل رائٹ۔" تیمور کو پتا تھا کہ وہ اب اس کی بات کا یقین نہیں کریں گے۔ لیکن پھر بھی اس نے انہیں مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔
"ہمیں اسپتال نام کا بتاؤ۔ ہم خود آرہے ہیں۔" ان سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ مجبوراً" تیمور کو اسپتال کا نام بتانا ہی پڑا۔
"جی ڈاکٹر صاحب! اب کیسی کنڈیشن ہے اس کی؟" تیمور فون بند ہوتے ہی پرائیویٹ روم سے باہر نکلتے ڈاکٹر اور نرس کی سمت متوجہ ہوا۔
"ڈونٹ وری سر! شی از بیٹر ناؤ۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔
"تھینک گاڈ! اینڈ تھینک یو سو مچ ڈاکٹر۔" اس نے خوش ہوتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا اور اندر کمرے میں آگیا۔ عزت کا بی پی خطرناک حد تک لو ہو گیا تھا۔ اس لیے ڈاکٹرز نے فوری طور پہ اس کے لیے ڈرپ اور انجکشن تجویز کیے تھے۔ اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ تیمور اس کے بیڈ کے قریب آکھڑا ہوا۔ اس نے عزت کے چہرے کو بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پہ بہت زیادہ رونے کے آثار واضح محسوس ہو رہے تھے۔ تیمور نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے نرمی سے اس کا سر تھپکا اور پلٹ کر صوفے پہ جا بیٹھا۔
اس کا ذہن اس وقت ولید کی طرف ہی تھا۔ اس کی سوچوں کے دھارے اس کی سمت ہی بہہ رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ولید وہاں کیا کر رہا تھا؟ وہ وہاں کیوں تھا؟ اسے بم بلاسٹ کی خبر کیسے ہوئی؟ وہ وہاں کیسے پہنچا؟ اور وہ ان لوگوں کے وہاں سے آجانے کے باجود بھی وہیں کیوں تھا؟ اس نے نظر کیوں چرائی؟ اس نے ٹال کیوں دیا؟ کیا وجہ تھی آخر؟ تیمور کی سوچیں اس کے دماغ سے جنگ لڑ رہی تھیں اور ہار جیت کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ داؤ پیچ بڑھتے جا رہے تھے اور شاید یہ جنگ مزید جاری رہتی اگر ایک اور کال نہ آجاتی۔ یہ کال ساشا کی تھی، جو تھوڑی دیر پہلے ان کے گھر سے عزت کا پتا کر کے اسے کوستی ہوئی رخصت ہوئی تھی۔
"ہیلو...!" تیمور نے کال ریسیو کی۔
"تیمور بھائی! عزت کہاں ہے؟ کیسی ہے وہ؟ اسے کچھ ہوا تو نہیں؟ وہ ٹھیک تو ہے نا؟" ساشا بھی چھوٹتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اس نے یہ خبر رپورٹ پہ سنی تھی اور وہ عزت کے لیے پریشان ہو گئی تھی۔
"اسے تمہاری بددعا لگی ہے۔ تمہیں ہی اس پہ غصہ آرہا تھا نا کہ وہ گھر سے جلدی کیوں چلی گئی ہے؟" تیمور نے جان بوجھ کر ساشا کو چھیڑنے کے لیے کہا اور اسے تھوڑی دیر پہلے کا غصہ یاد دلایا۔
"تیمور بھائی! آپ مجھے ایسا سمجھ رہے ہیں؟ میں اسے بددعا دے سکتی ہوں بھلا؟ وہ تو بس معمولی سا غصہ تھا۔ وہیں کا وہیں ختم ہو گیا۔ لیکن میں ایسا تو کبھی بھی نہیں چاہ سکتی کہ عزت کو کوئی نقصان پہنچے؟" ساشا فوراً" جذباتی ہو گئی۔ تیمور بے ساختہ مسکرا دیا۔
"گڈ... مجھے بھی تم سے یہی امید تھی کہ تم کبھی بھی عزت کے لیے بددعا نہیں کر سکتیں۔ بلکہ دعا ہی کرتی ہو۔ جو کہ اللہ نے قبول کی ہے۔ یوں سمجھو کہ آج وہ موت کے منہ سے بچ کے آئی ہے۔"
"اچھا! کہاں ہے وہ؟ اب کیسی ہے؟" ساشا نے دوبارہ استفسار کیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اسپتال میں ہے۔ اسے ڈرپ لگی ہوئی ہے۔ لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اب۔ کچھ دیر تک ڈسچارج ہو جائے گی تو ہم گھر آجائیں گے۔" تیمور سب کو تسلیاں دے رہا تھا۔

"ہم اسپتال آجائیں؟"

"نہیں! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم منزہ آنٹی کو لے کر گھر پہنچو۔ شہر کے حالات ویسے ہی بہت خراب ہیں۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے ساشا کو جلدی گھر پہنچنے کی تاکید کی۔

"او کے بھائی! اللہ حافظ۔" ساشا نے سعادت مندی سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ ابھی اس کی کال بند ہوئی ہی تھی کہ آفاق کی کال آگئی۔

"ہیلو۔۔۔؟" تیمور نے کال ریسیو کی۔

"یار۔۔۔ میں ابھی آفس پہنچا' یونیورسٹی میں بم بلاسٹ کی نیوز ملی۔ تم بتاؤ! تمہیں کوئی اطلاع ملی یا نہیں؟ ساشا اور عزت تو یقیناً" یونیورسٹی گئی ہوں گی۔" آفاق خاصا متفکر ہو رہا تھا۔ تیمور ان سب کی اتنی محبت' اتنی اپنائیت اور اتنی فکرمندی پہ دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے بھی اطلاع ملی تھی اور میں خود یونیورسٹی گیا تھا۔ جب بم بلاسٹ ہوا تو عزت وہیں پہ تھی۔ اسی صدمے اور دہشت کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی ہے اور اس وقت اسپتال میں ہے۔"

"اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟ کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟" آفاق نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں' نہیں۔۔۔ بالکل ٹھیک ہے وہ۔۔۔ البتہ پارکنگ میں بلاسٹ ہونے کی وجہ سے اس کی گاڑی کا نقصان ضرور ہوا ہے۔ لیکن شکر ہے کہ اور کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس کی جان بچ گئی ہے۔ بس یہی اللہ کا احسان ہے۔" اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"تھینک گاڈ۔۔۔ ورنہ مجھے تو سنتے ہی بہت زیادہ پریشانی ہو گئی تھی۔ لیکن یار! ساشا کا نہیں بتایا تم نے؟ وہ کہاں ہے؟" آفاق کو دوبارہ ساشا کا خیال آیا۔

"ساشا تمہارا چھوڑا ہوا کام پورا کرنے گئی ہے۔" تیمور کے جواب پہ آفاق ٹھٹکا۔

"کیا مطلب؟ میرا چھوڑا ہوا کام؟" آفاق کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"منزہ آنٹی کو ایئرپورٹ سے ریسیو کرنے کا کام۔" اس کے اس جواب پہ آفاق چند ثانیے کے لیے خاموش ہو گیا۔

"بے شک تمہارا اور ساشا کا منزہ آنٹی کے ساتھ برابر کا رشتہ ہے۔ تم فارہ سے منسوب ہو اور وہ حماد سے منسوب ہے۔ لیکن پھر بھی تم مرد ہو اور وہ لڑکی ہے۔ جو کام تمہارے کرنے کا تھا۔ وہ کام وہ کرنے گئی ہے۔ کیا یہ اچھی بات ہے؟" تیمور اپنے ذہن میں کلبلاتا ہوا نقطہ سامنے لے ہی آیا تھا۔

"مجھے پہلے نہیں پتا تھا کہ منزہ آنٹی آرہی ہیں۔ میں جب گھر سے نکل رہا تھا تب مما نے بتایا کہ وہ آرہی ہیں۔ لیکن تب تک میں اپنی میٹنگ کا ٹائم کنفرم کر چکا تھا۔ بہت ضروری میٹنگ تھی۔ اس لیے میں کینسل بھی نہیں کر سکتا تھا۔" آفاق اپنے کہے پہ قائم تھا۔

"تمہاری میٹنگ سے زیادہ ضروری تھا ساشا کا یونیورسٹی جانا۔ لیکن منزہ آنٹی کی خاطر اس نے ایک دن یونیورسٹی جانا بھی کینسل کر دیا۔ کیونکہ اسے اس رشتے کا بہت زیادہ پاس ہے۔ جو تمہارے' ساشا کے اور وہ آنٹی کے درمیان ہے۔ اسے قدر ہے۔ لیکن تمہیں نہیں ہے۔ ہونہہ۔۔۔ یہ کوئی طریقہ نہیں ہے آفاق! تم اگر فارہ سے بھاگ رہے ہو تو سمپل سی بات ہے کہ تم کسی روز انگیجمنٹ توڑ ڈالو۔ اسے بتا دو کہ تمہاری پسند بدل چکی ہے اور تم اپنی محبت سے پھر چکے ہو۔ اس طرح بغیر کچھ کہے' بغیر کچھ بتائے فارہ سے ریلیٹڈ رشتوں سے بھاگنے کی

کیا ضرورت ہے بھلا؟ اپنے ساتھ ساتھ اپنے ماں' باپ کو بھی ستا رہے ہو۔ کیا فائدہ تمہاری ایسی میٹنگز اور بزنس کا' جن کے باوجود۔۔۔ تمہارے ماں' باپ سکون میں نہیں ہیں کیا حاصل ہے تمہیں؟ یہ سب کس کے لیے کر رہے ہو؟ نہ بیوی ہے' نہ بچے ہیں' نہ ماں' باپ کا احساس ہے۔ تو پھر یہ سب کس کے لیے؟ یا پھر یہ بتاؤ کہ کوئی اور روگ پال لیا ہے تم نے؟" تیمور نے کبھی کسی کے بھی معاملے میں دخل نہیں دیا تھا اور نہ ہی وہ اس چیز کو مناسب سمجھتا تھا۔ لیکن وہ پچھلے کچھ عرصے سے تین' چار مرتبہ ثمینہ آنٹی کو آفاق کی طرف سے پریشان دیکھ چکا تھا۔ اس لیے آج اتفاقاً" آفاق سے بات ہوئی تو وہ خود کو روک نہیں سکا۔ دوسری طرف آفاق کو نہ جانے کیا ہوا تھا کہ اس نے کچھ بھی کہے بغیر فون بند کر دیا۔

تیمور حیدر اس کی اس حرکت پہ ابھی پوری طرح سے حیران بھی نہیں ہوا تھا کہ رضا حیدر اور رابعہ بیگم کمرے میں داخل ہوئے۔ تیمور انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تیزی سے عزت کی طرف بڑھے تھے۔ البتہ تیمور کا ذہن اس وقت حاضر نہیں تھا۔ وہ خاصا الجھا ہوا سا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے فون بند کرنے کے بعد ایک گہری سانس کھینچی اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ وہ بھلا کب اپنے ماں' باپ کو ستانا چاہتا تھا؟ وہ تو ایسا کرنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان کی دل آزاری کا سبب بن رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مسلسل ٹینشن کا شکار تھا۔ یہی ٹینشن اس کے ماں' باپ کے سر پہ بھی سوار تھی۔ اس چیز سے وہ خوش نہیں تھا اور نہ ہی وہ انہیں خوش کر سکتا تھا۔ کیونکہ ان کی خوشی فارہ رحیم تھی۔ جبکہ وہ فارہ رحیم کے نام سے بھی دور بھاگنے لگا تھا۔ کترانے لگا تھا۔ فارہ کا نام سنتے ہی اجنبی سا ہو جاتا تھا۔ یوں جیسے وہ فارہ کو جانتا تک نہ ہو۔ اس کی یہی اجنبیت اس کے ماں' باپ کے لیے تشویش اور دل آزاری کا سبب بنی ہوئی تھی۔ کیونکہ انہیں وہ وقت بھی یاد تھا کہ جب آفاق کی تمام خوشیوں کا محور صرف اور صرف فارہ کا نام ہوتا تھا۔ وہ جب جب فارہ کا نام لیتے تھے تو اس کے چہرے پہ خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ لیکن اب وہ اس کا نام لیتے تھے تو وہ منہ موڑ لیتا تھا۔ اسی لیے تو آج کل ان کی دل آزاری اور آفاق کا غلط نامہ دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ جس سے آفاق کی ٹینشن بھی بڑھ رہی تھی۔ کیونکہ پہلے یہ مسئلہ' یہ دل آزاری ان کے گھر کی چار دیواری تک ہی محدود تھی۔ لیکن آج اسے تیمور کی باتوں سے اندازہ ہوا تھا کہ اب تشہیر ہونے لگی ہے۔ اگر تیمور کو اس چیز کا احساس یا علم ہو سکتا تھا تو پھر کسی کو بھی ہو سکتا تھا۔ کوئی بھی اسے روک ٹوک سکتا تھا۔ سرزنش کر سکتا تھا۔ جو اسے ہرگز بھی گوارا نہیں تھا۔

اس وقت وہ یہی سوچ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ فارہ سے دور بھی رہے اور کسی کی دل آزاری یا کسی کو کوئی دکھ بھی نہ ہو۔ یوں واویلا اور تشہیر بھی نہ ہو اور سب کچھ خاموشی سے ختم بھی ہو جائے۔

کیسا وقت تھا' کیسی اذیت تھی کہ وہ خود ہی سب کچھ ختم کر دینے کے درپے ہو رہا تھا۔ آفاق نے ایک پل کے لیے سوچا اور پھر ایک دم بے چینی اور اضطراب سے اپنی کرسی چھوڑ کر اک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

بے کلی اور اضطراب جیسے اس کے پاؤں کے تلوؤں سے لپٹ گئے تھے۔ وہ اپنے آفس ہی میں بے چین اور بے کل سا ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس مسئلے کا کیا حل نکالے؟ اور اگر کوئی حل نکل آیا تو کیا واقعی وہ فارہ کو چھوڑ دے گا؟ کیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے رشتہ ختم کر کے منہ موڑ لے گا؟ کیا اتنا حوصلہ۔۔۔ اتنا صبر۔۔۔ اور اتنی ہمت ہے اس میں؟

وہ اپنے دل کو اپنی ذات کے کٹہرے میں کھڑا کیے اس سے سوال پوچھ رہا تھا اور دل نہ جانے کیوں گردن جھکائے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہولے ہولے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔
نہیں' نہیں' نہیں۔

☆ ☆ ☆

فارہ نے اسے جس بس اسٹاپ سے پک کیا تھا' واپسی پہ اسے اسی بس اسٹاپ پہ ڈراپ کردیا۔ سورج آج بھی سوا نیزے پہ کھڑا جیسے ماورا مرتضیٰ کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ کسی گلی کی نکڑ پہ کھڑے نظرباز مسٹنڈے کی طرح۔ جس کی نظروں کی تیزی ماورا مرتضیٰ کو اے سی گاڑی کی ٹھنڈک سے باہر نکلتے ہی اپنے جسم پہ محسوس ہوئی تھی۔ سورج کی تیز دھوپ لوگوں کے کپڑے بھی جیسے چھید رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ نوکیلی دھوپ سیدھی جسم میں گھس رہی ہو۔

"کل پھر تمہیں پک کرلوں؟" فارہ نے دروازہ بند کرتی ماورا سے پوچھا۔

"نہیں' تھینک یو یار! میں خود ہی آجاؤں گی۔" ماورا نے انکار کردیا۔

"ارے یار! اب بس اسٹاپ سے پک کرنے میں کیا حرج ہے؟ آنٹی کو کون سا پتا چلے گا؟ خوامخواہ بسوں کے دھکے کھانے کا کیا فائدہ ہے؟" فارہ نے اصرار کرتے ہوئے اسے قائل کرنا چاہا۔

"نہیں یار! جب کوئی مسئلہ ہو تب تو ٹھیک ہے۔ لیکن اکثر نہیں۔ تمہارا راستہ اور ہے — میرا راستہ اور ہے۔ میری وجہ سے اپنا راستہ طویل مت کرو۔ تمہیں مسئلہ ہوگا۔" ماورا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"یار — مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ میرے پاس گاڑی ہے۔ میں آسانی سے آسکتی ہوں۔" فارہ نے پھر اصرار کیا۔

"خیر! چھوڑو اس قصے کو۔ یہ بحث طویل ہے۔ اسے پھر کسی وقت پہ اٹھا رکھو۔ یہاں ٹھہرنا محال ہورہا ہے۔ میں جارہی ہوں اب۔"

"اللہ حافظ۔" ماورا نے جلدی سے کہتے ہوئے سر جھٹکا اور اسے ہاتھ ہلا کر پلٹ گئی۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ عافیہ بیگم بھی بس اسٹاپ پہ وین سے اتری تھیں۔ ماورا کو چمکتی دمکتی کار سے اترتے دیکھ کر ان کے قدم بھی ٹھٹک گئے تھے۔ وہ ماورا کو اور ماورا ان کو دیکھ چکی تھی۔ نظروں کا تصادم ہوا تو ماورا نے نظریں جھکالیں۔

"السلام علیکم۔" اس نے انہیں سلام کیا۔ لیکن وہ اس کے سلام کا جواب دیے بغیر خاموشی سے رخ موڑ کر گھر کے راستے کی سمت قدم بڑھا چکی تھیں اور یہ ان کی طرف سے غصے اور لاتعلقی کا اظہار تھا۔ وہ اس کے آگے آگے چل رہی تھیں اور ماورا سر جھکائے ان کے پیچھے پیچھے آرہی تھی۔ سورج کی تیز اور گرم نظروں کا احساس بھی پس پشت چلا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت اس پہ ماں کی تخصیلی اور لاتعلق نظروں کا احساس زیادہ حاوی تھا اور وہ اونٹنی کے بچے کی طرح سیدھی — اپنی ماں کے پیچھے جارہی تھی۔ یوں جیسے ایک قدم بھی رکی تو ماں سے بچھڑ جائے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راستہ بھٹک جائے گی۔ جبکہ وہ نہ تو راستہ بھٹکنا چاہتی تھی اور نہ ہی ماں سے بچھڑنا چاہتی تھی۔ اس لیے بالکل ان کی سیدھ میں چلتی ہوئی گھر کے سامنے آرکی۔ انہوں نے کافی آہستگی سے دروازہ بجایا۔

"آرہی ہوں بیٹا! آرہی ہوں۔" بی گل بھی جیسے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ ان کی آواز کے بعد چپل گھسیٹ کر چلنے کی آواز برآمدے سے سنائی دیتی ہوئی دروازے تک آئی اور پھر فوراً دروازہ کھل گیا۔

"السلام علیکم!" عافیہ بیگم ہی سامنے کھڑی تھیں۔ اس لیے پہلے سلام بھی انہوں نے ہی کیا تھا اور پھر اندر داخل

ہوگئیں۔

"وعلیکم السلام بیٹا!" بی گل سلام کا جواب دیتے ہوئے دروازہ بند کرنے ہی والی تھیں کہ ان کے پیچھے ماورا کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"السلام علیکم!" ماورا نے کافی دھیمی آواز میں سلام کیا اور اندر داخل ہوگئی۔

"وعلیکم السلام! آج دونوں ساتھ ہی آگئی ہو۔" وہ حیران ہوتی ہوئی دروازہ بند کرکے ان دونوں کے پیچھے ہی آگئیں۔ عافیہ بیگم اپنا بیگ اور چادر رکھنے کے لیے کمرے میں چلی گئیں۔ ماورا وہیں برآمدے میں تخت پہ بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد عافیہ بیگم کمرے سے نکل کر کچن میں گئیں اور خاموشی سے بغیر کچھ کہے کھانا گرم کرنے لگیں ان کو خاموشی سے کھانا گرم کرتے دیکھ کر ماورا نے سینڈل اتارے اور چپل پہن کر واش روم کی سمت آگئی۔ منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو کھانا لگ چکا تھا۔ عافیہ بیگم کو خاموشی سے کھانا کھاتے دیکھ کر وہ بھی چپ چاپ بیٹھ گئی۔ انہوں نے اس کا انتظار بھی نہیں کیا اور کھانا شروع کرلیا تھا۔ جس پہ بی گل کھٹک گئیں کہ ضرور کچھ ہوا ہے۔ ورنہ ان دونوں ماں بیٹی کے ہوتے ہوئے اتنی خاموشی؟ ایک ناممکن اور ناقابل یقین سی بات تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" کھانا ختم کرنے کے بعد ماورا نے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھے اور اپنے کمرے میں جارہی تھی۔ جب بی گل کی آواز پہ اس کے قدم ٹھہر گئے۔

"کچھ نہیں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر دوبارہ کمرے کی طرف قدم بڑھا چکی تھی۔

"ماورا!" اب کی بار بی گل نے ذرا سختی سے پکارا۔ ماورا کو ایک بار پھر رکنا پڑا۔

"بی گل! کھانا — کچھ نہیں ہوا۔" ماورا ڈھیلے ڈھالے اور جھنجلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"میرے سامنے آکر بیٹھو۔" انہوں نے تخت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ مجبوراً ماورا بے دلی سے قدم اٹھاتی ہوئی پلٹ کر تخت پہ آبیٹھی۔ تخت کے مقابل ہی بی گل کرسی پہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی نظریں ماورا کے چہرے پہ جمی ہوئی تھیں۔

"ہوں — کہو — کیا ہوا ہے؟" انہوں نے ماورا کو بولنے پہ اکسایا۔

"بسوں کی ہڑتال ہوگئی تھی آج۔" وہ بے حد آہستگی سے گویا ہوئی۔

"پھر —؟" انہوں نے اگلی بات سننا چاہی۔

"پھر یہ کہ صبح جب میں گھر سے گئی تھی تو مجھے نہیں پتا تھا کہ آج بسوں کی ہڑتال ہے۔ میں کافی دیر بس اسٹاپ پہ کھڑی بس کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن بس کا تو دور دور تک نام و نشان ہی نہیں تھا۔ تب وہیں ایک بوٹ پالش کرنے والے نے بتایا کہ کل اسی روڈ پہ ڈرائیور' کنڈیکٹر اور کالج کے کچھ لڑکوں کا آپس میں جھگڑا ہوگیا تھا۔ اس لیے آج تمام ڈرائیوروں نے مل کر بسوں کی ہڑتال کردی ہے اور آج کوئی بس نہیں آئے گی۔ آپ کو پتا ہے۔ آج کل ایگزامز قریب ہیں۔ یونیورسٹی کا ایک دن بھی مس نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن پھر بھی میں پریشان اور مایوس ہوکر واپس گھر آرہی تھی کہ میری کلاس فیلو فارہ وہاں پہنچ گئی اور میں چاہتے ہوئے بھی اس کی آفر ٹھکرا نہیں سکی اور اس سے لفٹ لے لی۔ اب واپسی پہ دوبارہ وہی مسئلہ تھا۔ اس لیے مجھے واپسی پہ بھی اسی کے ساتھ آنا پڑا۔ وہ مجھے بس اسٹاپ تک ڈراپ کرنے والی ہے — اور امی —" ماورا آخری جملہ ادھورا چھوڑ کر چپ ہوگئی اور بی گل اتنی عقل تو ضرور رکھتی تھیں کہ اس کی پوری بات سمجھ گئی تھیں۔

"تو اس میں اتنا غصہ کرنے اور اتنا برا لگنے والی کیا بات ہے بھلا؟" بی گل نے خفگی سے کہتے ہوئے کمرے کی طرف دیکھا۔ کیونکہ عافیہ بیگم کھانا کھاتے ہی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"اس میں برا لگنے والی بات یہ ہے کہ اس کو میری یا میری کسی بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔" عافیہ بیگم غصے سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہتے ہوئے باہر نکل آئیں۔

"ارے! ایسے ہنگاموں اور ایسے حالات میں تو بندہ کچھ بھی کرلیتا ہے۔ وہ تو پھر بھی اپنی دوست اپنی کلاس فیلو کے ساتھ گئی اور آئی ہے؟" بی گل نے بھی انہیں غصے سے دیکھا۔

"نہ جاتی۔ گھر واپس آجاتی۔ کوئی قیامت نہیں آنے والی تھی۔ اگر ایک دن میں ہو جاتا تو۔۔۔؟" ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا اور غصے میں وہ یہ بھی بھول گئی تھیں کہ وہ خود ایک استاد ہیں۔ جو تعلیم کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

"کیا لڑکی کے بجائے کسی لڑکے کے ساتھ آئی ہے' جو اتنا غصہ آرہا ہے تمہیں؟"

"مجھے بھی پتا ہے کہ لڑکی کے ساتھ ہی آئی ہے اور اس لڑکی کو دیکھا بھی ہے۔ آج نہیں' پہلے بھی دیکھ چکی ہوں تب بھی میں نے اسے منع کیا تھا۔ لیکن یہ پھر بھی باز نہیں آتی۔ میری ضد میں ایسا کرتی ہے۔ کوئی ہڑتال نہیں تھی آج۔ ہوتی تو مجھے بھی پتا چلتا۔" عافیہ بیگم خاصی بدگمان ہو رہی تھیں۔ حالانکہ انہیں پتا بھی تھا کہ ماورا جھوٹ نہیں بولتی۔ کبھی کچھ بھی ہو جاتا۔ وہ غلط بیانی سے کام نہیں لیتی تھی۔ لیکن پھر بھی غصے میں وہ اسے ہی غلط قرار دے رہی تھیں۔

"تمہیں کس نے کہا کہ آج ہڑتال نہیں تھی؟" بی گل کے سخت لہجے پہ عافیہ بیگم ٹھٹک گئیں۔

"جاؤ پوچھو۔۔۔ یہ اپنے ساتھ والی امبرین سے۔۔۔ اس نے آج سرگودھا جانا تھا اپنے میکے۔ لیکن بس نہیں ملی اسے۔ اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ بے چاری اتنی دھوپ میں خوار ہو کر واپس گھر آگئی ہے۔" بی گل کے کہنے پہ عافیہ بیگم کو احساس ہو گیا کہ وہ خود ہی غلطی پر ہیں۔ لیکن وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے کے لیے اتنی جلدی تیار بھی نہیں تھیں۔ جبکہ بی گل انہیں تاسف بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"وہ گھر آسکتی ہے تو یہ بھی گھر آسکتی تھی۔ اس لڑکی کے ساتھ جانا ضروری تھا کیا؟" عافیہ بیگم کو اصل مسئلہ اس لڑکی ہی سے تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ لڑکی خاصی امیر کبیر لڑکی ہے۔ اس لیے وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ماورا کی اور اس لڑکی کی دوستی پروان چڑھے جبکہ ماورا اس سے دوستی ختم کرنے کو تیار نہیں تھی۔ ان دونوں کا ساتھ کالج سے چلا آرہا تھا۔ اتنے سال ہو گئے تھے۔ اب وہ کیسے اتنی آسانی سے ایک دوسرے کو چھوڑ دیتیں؟ وہ جو چاہتی تھیں' ماورا کے لیے ایک ناممکن سی بات تھی۔

"وہ لڑکی بری نہیں ہے عافیہ!" بی گل ہمیشہ کی طرح ماورا کی ہی طرف دار تھیں۔

"پہلے پہل کوئی بھی برا نہیں ہوتا اور جب ہوتا ہے۔ تب ہمیں خبر نہیں ہوتی۔" عافیہ بیگم کے لہجے میں تلخی در آئی۔

"تو خبر رکھنی چاہیے نا۔۔۔ خبر نہ رکھنا ہماری اپنی غلطی' اپنی بے وقوفی ہوتی ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو کیا الزام دینا؟" بی گل ان سے بھی زیادہ تلخ ہوئیں۔

"بی گل۔۔۔!" عافیہ بیگم انہیں دیکھ کے رہ گئیں۔

"ہم بے وقوف ہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہماری آنے والی نسل بھی بے وقوف ہی ہوگی؟ اللہ بد صورت انسان کو خوب صورت' برے انسان کو نیک اور بے وقوف انسان کو سمجھ دار' عقل مند اور ذہین اولاد دیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے ماں' باپ کی رہ جانے والی کمزوریوں اور خامیوں کو دور کر سکے اور ماورا بھی تمہارے لیے ایک ایسی ہی اولاد ہے۔۔۔ لیکن تم کبھی بھی اس چیز کو سمجھ نہیں سکتیں۔ تم کل بھی بے وقوف تھیں' آج بھی بے وقوف ہو۔ تمہاری ان بے وقوفیوں کا افسوس مجھے ہمیشہ رہے گا۔"

بی گل کی سرزنش پہ عافیہ بیگم چپ کی چپ رہ گئیں۔ ان کا دل بھر آیا تھا۔ بلکہ دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا

تھا۔ ان کی اس اندرونی کیفیت کو دل سے محسوس کرتی ماورا کو اس وقت سخت بے بسی اور ندامت سی ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ اکثر اس کی وجہ سے یوں ہی اذیت کا شکار ہو جاتی تھیں اور ماورا کوشش کے باوجود بھی خود کو ایسی حرکتوں سے باز نہیں رکھ پاتی تھی' جو عافیہ بیگم کو گراں گزرتی تھیں۔

"آئی ایم سوری امی! کوشش کروں گی کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔۔۔ آئندہ اگر کبھی ہڑتال ہوئی بھی تو واپس گھر آجاؤں گی۔ کسی کے ساتھ جاؤں گی نہیں۔" ماورا آہستگی سے کہہ کر اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ عافیہ بیگم نے چونک کر اس کے پیچھے دیکھا بی گل انہیں دیکھ کر تاسف سے سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں تمہاری یا اس کی دشمن نہیں ہوں۔ میں جب بھی چاہوں گی' تم دونوں کا بھلا ہی چاہوں گی۔ کیونکہ میرا بھی تم دونوں کے علاوہ اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں اور تم دونوں اس وقت ہی خوش رہ سکتی ہو' جب ایک دوسرے کو صبر اور تحمل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرو گی۔ ماورا غلط نہیں ہے۔ تم خود سوچو' وہ جوان ہے۔ اس کی امنگیں' اس کی سوچیں' اس کے ارادے جوان ہیں۔ وہ جس طرح جینا چاہتی ہے' اسے جینے دو۔ جو کرنا چاہتی ہے' اسے کرنے دو۔ مجھے یقین ہے اس پہ۔۔۔ بھروسا ہے کہ وہ کبھی کچھ غلط نہیں کرے گی۔ وہ آج کل کے بچوں کی طرح بگڑی ہوئی نہیں ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری بیٹی عزت دار' باحیا' نیک اور غیرت مند ہے۔ غیر اور نامحرم مردوں کے چکر میں آنے والی بالکل نہیں ہے۔ ورنہ آج کل کے کمپیوٹر اور موبائل کے دور میں بھی اتنی سعادت مند اور شریف النفس اولاد کسی کی ہے بھلا؟ وہ اگر سیدھی چل رہی ہے تو اسے چلنے دو۔ اس کے گرد پابندیاں اور حدیں نہ باندھو۔ وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے پاس بیٹھے گی نہیں' کسی سہیلی کے ساتھ باتیں نہیں کرے گی' ہنسے بولے گی نہیں تو پاگل ہو جائے گی۔ انسان کا اکیلا پن اور تنہائی اسے نفسیاتی مریض بنا دیتے ہیں۔۔۔ آخر تم کیوں اسے ایسا بنا دینا چاہتی ہو عافیہ۔۔۔ زندگی اس طرح نہیں گزرتی کہ انسان بھری دنیا میں اکیلا ہو کر بیٹھ جائے۔۔۔ تم نے اکیلے ایک کونے میں لگ کر زندگی گزار لی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب تم اس سے بھی یہی کام کرواؤ۔ اس کے لیے تو ابھی پوری زندگی پڑی ہے اس کے سامنے' پوری دنیا ہے۔ اس نے ابھی دیکھا ہی کیا؟ گھر سے یونیورسٹی اور یونیورسٹی سے گھر۔۔۔ بس یہ ہے اس کی زندگی۔۔۔ صرف اتنی سی۔۔۔ کیا تم یہی چاہتی ہو کہ وہ یہیں پہ جیے اور یہیں پہ مر جائے؟ اگر یہی کرنا تھا اور اسے اس طرح باندھ کے رکھنا تھا تو پھر اس کے اندر اتنی عقل و شعور جگانے کی اور اتنا پڑھانے لکھانے کا تردد کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟ اپنے دماغ کو ٹھنڈا کرو اور فرصت سے بیٹھ کے سوچو کہ کون کہاں غلط ہے؟ تم غلط ہو' میں غلط ہوں' یا تمہاری بیٹی غلط ہے؟ سوچو اور پھر سمجھنے کی کوشش کرو۔ اللہ تمہیں ہمت اور ہدایت دے' آمین۔" وہ نرمی اور شفقت سے عافیہ بیگم کا سر تھپک کر باتھ روم کی سمت چلی گئیں اور عافیہ بیگم اپنی بے بسی پہ رو پڑیں۔

☆ ☆ ☆

ایک گرم اور قیامت خیز دن اپنے اختتام کو پہنچ رہا تھا اور رات پورے ماحول پہ اپنی سرمئی اوڑھنی پھیلا رہی تھی۔ تاکہ اس گرم اور قیامت خیز دن کا چہرہ سب کی نظروں سے چھپ جائے اور سب کو اطمینان ہو جائے کہ دن تمام ہو چکا ہے۔ لیکن اس دن نے تمام ہونے میں کیا' کیا حشر اٹھائے تھے۔ یہ تو کوئی ان ماؤں سے پوچھتا' جن کے گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ جن کے گھروں کے چراغ بجھ چکے تھے۔ جن کے ہنستے کھیلتے گھر اجڑ گئے تھے۔

اور انہی گھروں میں ایک گھر رضا حیدر اور رابعہ بیگم کا بھی تھا۔ جسے اللہ نے بال بال بچا لیا تھا اور ان کی بیٹی کو ذرا سی بھی آنچ نہیں آئی تھی۔ جس پہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہوئے انہوں نے صبح سے اب تک کئی بار

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

صدقہ دیا تھا۔ بلکہ انہوں نے تو اس بم بلاسٹ میں ہلاک اور زخمی ہونے والے اسٹوڈنٹس کے لیے دس لاکھ کا عطیہ بھی دیا تھا اور تیمور کو ان کا یہ اقدام بہت پسند آیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا تھا۔ پانچ لاکھ روپے اس نے اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے بھی عطیہ کیے تھے۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے اسٹوڈنٹس کے والدین کی تھوڑی بہت امداد ہو سکتی تھی۔ حالانکہ ان کا جو نقصان ہو چکا تھا۔ وہ تو اب زندگی میں کبھی بھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک ناقابل تلافی نقصان۔۔۔ جس کا دکھ اور افسوس آج بچے بچے کے دل میں تھا۔ بلکہ آج تو ماحول میں بھی عجیب نوحہ کناں سی افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔ روزانہ والی تازگی اور ٹھنڈک مفقود تھی۔

شام کے سائے پھیلے تو رضا حیدر ڈرائنگ روم کے ٹھنڈے اور پرسکون ماحول سے نکل کر باہر لان میں آ گئے۔ جہاں بید کی نفیس اور آرام دہ کرسیوں میں سے ایک کرسی پہ تیمور حیدر پہلے سے ہی براجمان تھا۔ ان کو وہاں آتے دیکھ کر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے برخوردار! اکیلے کیوں بیٹھے ہو؟" رضا حیدر اس کے مقابل والی کرسی پہ بیٹھ گئے۔

"بس۔۔۔ محسوس کر رہا تھا کہ تنہائی اور اکیلا پن کیسا ہوتا ہے؟ کیا فیلنگز ہوتی ہیں انسان کی؟" تیمور نے کافی پرسکون اور سنجیدہ سے انداز میں جواب دیا۔

"پھر کیسا لگا؟ کیا محسوس کیا؟" انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں بتاؤں گا تو آپ کو ہنسی آئے گی۔" تیمور کو پہلے سے اندازہ تھا۔

"اوکے۔۔۔ کوشش کروں گا کہ ہنسی نہ آئے۔ تم بتاؤ! کیا محسوس کیا تم نے؟" رضا حیدر آج کے ناخوش گوار ماحول کے باوجود تیمور کی بات پہ بے ساختہ مسکرا اٹھے۔

"میں نے تو یہ محسوس کیا ہے کہ میری کوئی فیلنگز ہی نہیں ہیں۔ میرے پاس ایسا کچھ نہیں ہے۔ جس کو میں تنہائی میں بیٹھ کر سوچوں تو مجھے تنہائی بھی اچھی لگے۔ میرے ذہن میں کام کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ میری ہر سوچ گھوم پھر کر کام کی طرف ہی جاتی ہے اور اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی سوچ ہے کہ آج میری اسلام آباد والی میٹنگ کینسل ہوئی ہے تو دوبارہ وہی میٹنگ کب اور کہاں ہوگی۔" تیمور نے کافی اکتائے ہوئے سے انداز میں اپنی کیفیت کا اظہار کیا۔ رضا حیدر بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسے۔ حالانکہ انہوں نے تیمور سے نہ ہنسنے کا وعدہ کیا تھا۔

"یعنی۔۔۔ تمہیں اب تنہائیوں میں سوچنے کے لیے کچھ چاہیے؟ آخر کار ہمارے صاحبزادے کو ضرورت پیش آ ہی گئی" رضا حیدر نے ہنستے ہوئے معنی خیزی سے بیٹے کو دیکھا تیمور تھوڑا سا خجل ہو گیا۔

"نہیں! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ فی الحال ایسی کسی بھی چیز کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ جس کا آپ اشارہ دے رہے ہیں۔ میں تو محض آپ کو اپنی فیلنگز بتا رہا تھا کہ میں جب بھی اکیلا بیٹھتا ہوں۔ کبھی کچھ سوچنے کی کوشش کرتا ہوں تو میرے ذہن میں کام کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا۔ میری تمام سوچیں کام کے متعلق ہی ہوتی ہیں۔" تیمور جیسے اپنے آپ پہ حیران ہو رہا تھا۔

"یہ ایک محنتی اور کامیاب انسان کے ذہن کی علامت ہے۔ لیکن بیٹا! میرا مشورہ ہے کہ اپنی سوچوں میں تھوڑی تبدیلی لاؤ۔ رنگ بھرو۔ اگر یوں ہی خشک سی سوچوں میں پڑے رہے تو دماغ کے ساتھ ساتھ تمہاری شخصیت بھی خشک ہو جائے گی۔" انہوں نے بیٹے کو کافی دوستانہ مشورہ دیا۔

"تبدیلی لانے اور رنگ بھرنے سے کیا مراد ہے آپ کی؟" تیمور نے ان کے مشورے کا اصل مفہوم جاننا چاہا۔

"یہی کوئی لڑکی، کوئی پسند، کوئی عشق وعاشقی وغیرہ، کوئی تحفے تحائف، کوئی ملنا ملانا، کوئی عہد و پیمان وغیرہ اور پھر ہم سے مطالبہ کہ لڑکی کے گھر پروپوزل لے کر جائیں اور شادی کی ڈیٹ ذرا جلدی فکس کریں۔ ایسی رنگین سوچوں میں پڑو گے تو دماغ فریش اور چاق و چوبند رہے گا۔ پھر تم سوچوں سے پیچھا چھڑاؤ گے اور سوچیں تمہارا پیچھا نہیں

چھوڑیں گی۔ ذہن و دل آباد ہو جائیں گے تمہارے۔" رضا حیدر نے بیٹے کو کافی تفصیلی اور تسلی بخش جواب دیا۔ جس پہ تیمور ہنس پڑا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر میں باز آیا ایسی رنگین سوچوں سے۔" اس نے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیے۔

"ارے! وہ کیوں؟" رضا حیدر کو حیرت ہوئی تھی۔

"کیونکہ جن کاموں کی لسٹ آپ گنوا رہے ہیں۔ وہ میں ہرگز نہیں کر سکتا۔ نہ تو عشق وعاشقی میں پڑ سکتا ہوں۔ نہ تحفے تحائف خرید سکتا ہوں اور نہ ہی عہد و پیمان کر سکتا ہوں۔ یہ کام میرے بس سے باہر ہیں۔ ہاں! البتہ لڑکی کو پسند ضرور کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"تو پھر بیٹا جی! آپ سمجھ لو کہ آپ شادی نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ سمجھ لو کہ آپ کی شادی ہو ہی نہیں سکتی۔" انہوں نے مایوسی سے ہاتھ جھاڑے۔

"وہ کیوں؟" اب کی بار تیمور کو حیرت ہوئی۔

"کیونکہ آج کل صرف پسند کر لینے سے کوئی بھی لڑکی شادی نہیں کرتی۔ پسند کے ساتھ ساتھ عشق وعاشقی، تحفے تحائف اور عہد و پیمان کا ہونا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ تاکہ لڑکی کو یقین آ جائے کہ اس کا ہونے والا شوہر شادی کے بعد بھی اس کے ناز نخرے اٹھا سکتا ہے۔ اس میں ایسی کوالٹیز ہیں کہ اس سے شادی کی جا سکے۔" انہوں نے اسے آگاہ کیا۔

"تو پھر آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں ایسی لڑکی پسند کروں گا۔ جسے عشق وعاشقی، تحفے تحائف اور عہد و پیمان سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔ جس کے لیے یہی کافی ہوگا کہ تیمور حیدر اسے پسند کرتا ہے۔" تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلو بیٹا جی۔۔۔ جب ایسا ہوگا تو دیکھیں گے۔" رضا حیدر نے ناامیدی سے سر ہلایا۔ اتنے میں تیمور کے سیل پہ اس کی بی اے محترش زمان کی کال آ گئی اور وہ مسکرا دیا۔

"دیکھیں گے تو آپ تب۔۔۔ جب مجھے ان کاموں سے فرصت ملے گی۔" وہ سیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنستا ہوا اٹھ گیا اور رضا حیدر رابعہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ جو ان کے لیے چائے لے کر آ رہی تھیں۔ وہ اکثر رضا حیدر کے لیے خود چائے بنا کر لاتی تھیں۔ کیونکہ رضا حیدر کو ان کے ہاتھ کی چائے بہت پسند تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے
☆ محبت یہاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

☼ ☼ ☼

صبح سے شام ہو گئی تھی۔ لیکن آفاق یزدانی کی آمد کے کہیں دور دور تک بھی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

"لگتا ہے آفاق کے لیے آج کا دن کچھ زیادہ ہی مصروف دن تھا۔" منزہ رحیم کہے بغیر رہ نہیں سکیں اور ثمینہ یزدانی کا رنگ بدل گیا۔ وہ بہن کو جواباً بھلا کیا کہتیں۔ پورا دن تو بس یہی کہنے میں گزر گیا تھا کہ وہ مصروف ہے۔ اس کی میٹنگ ہے۔ لیکن اب تو شام بھی رات میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اب کیا کہتیں؟ بھلا ایسی کون سی میٹنگ اور ایسی کون سی مصروفیت تھی جو صبح سے لے کر رات تک چل رہی تھی؟

منزہ رحیم کا سوال بھی بجا تھا۔ وہ ان کے گھر آئی ہوئی تھیں اور آفاق یزدانی گھر سے ہی غائب تھا۔

"بس! وہ آج کل اشتیاق آفس نہیں جا رہے۔ اس لیے کام کا زیادہ بردن اسی پہ ہے۔ اس لیے اکثر لیٹ ہو جاتا ہے۔" ثمینہ رضوی نے ایک بار پھر منزہ کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دی اور منزہ بہن کا چہرہ دیکھ کے رہ گئیں اور پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے ان کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"میں تمہاری بہن ہوں ثمینہ! اور تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں۔ اس لیے مجھے پتا ہے کہ تم پریشان ہو اور اپنی پریشانی مجھ سے چھپا رہی ہو۔ کیونکہ اس پریشانی کا تعلق یقیناً" آفاق سے ہے اور تم مجھے بتاتے ہوئے گھبرا رہی ہو۔ لیکن پلیز! تمہیں مجھ سے کچھ چھپانے کی یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صاف صاف بتاؤ کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ آخر ایسی کیا بات ہے کہ تم نے مجھے یہاں بلایا بھی ہے اور بتا بھی نہیں رہیں؟" منزہ رحیم نے ان کا ہاتھ دباتے ہوئے ان کی ہمت بندھائی اور انہیں کچھ کہنے پہ اکسایا۔ جس پہ ثمینہ رضوی کا دل بھر آیا تھا۔

"منزہ... میرا آفاق ایسا نہیں تھا۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اسے... وہ... وہ... ہم سب سے دور ہو گیا ہے۔ دور ہو گیا ہے ہم سب سے۔" ثمینہ کہتے ہوئے رو پڑیں اور پھر اتنی شدت سے روئیں کہ منزہ پریشان ہو گئیں۔

"ثمینہ... یہ کیا طریقہ ہے بھئی؟ سنبھالو اپنے آپ کو... کیا ہو گیا ہے... آخر کچھ پتا بھی تو چلے؟" انہوں نے بہن کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"منزہ... میرا انیق مر گیا ہے۔ لیکن میں اس کا غم سینے میں دبائے صرف اور صرف آفاق کی خاطر جی رہی ہوں۔ لیکن اب جو غم آفاق دے رہا ہے۔ اس کو دبا کے میں جی نہیں پاؤں گی۔ میرے اعصاب جواب دے چکے ہیں... اور وہ جانتا ہی نہیں کہ اس کی ماں اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہے۔ اس طرح رہے گا تو مر جائے گی۔" ثمینہ بے تحاشا رو رہی تھیں۔ منزہ خاموشی سے ان کے مزید کچھ کہنے کی منتظر تھیں۔

"فارہ کا نام لے لے کر جیتا تھا۔ اب... اب اس کا نام بھی نہیں لینے دیتا۔ وہ... وہ... فارہ سے انگیجمنٹ کے چار ماہ بعد تک بالکل ٹھیک ٹھاک اور خوش باش تھا۔ لیکن چار ماہ بعد پتا نہیں کیوں وہ بدلنا شروع ہو گیا۔ اس کے سارے طور طریقے ہی بدل گئے۔ اس کی خوبیاں، خامیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ میں اس چیز کو وقتی تبدیلی سمجھتی رہی، لیکن اب... اب... احساس ہوا ہے کہ وقتی تبدیلی دائمی تبدیلی کا روپ دھار چکی ہے۔ اس آفاق کا تو شائبہ تک نہیں رہا، جو فارہ کا دیوانہ اور محبت کا دعوے دار تھا۔ جو کہتا تھا کہ میری شادی بھی انگیجمنٹ کے روز ہی نپٹا دو۔ جسے فارہ کو گھر لانے کی جلدی تھی اور ہم نے بڑی مشکل سے اسے فارہ کی اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے تک روکا تھا اور اب... اب... جب فارہ کی اسٹڈیز تقریباً" کمپلیٹ ہو چکی ہے۔ صرف مہینے دو مہینے کی بات ہے تو وہ شادی کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ جب بھی بات کرو ٹال دیتا ہے۔ وہ رضامند ہی نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا چاہتا ہے اور ایسا

کیوں کر رہا ہے؟ میں یہ سب سوچ سوچ کر مر جاؤں گی۔ فارہ میری بیٹی ہے۔ میرے گھر کی بہو بھی وہی بنے گی۔ ورنہ میری زندگی کی امید نہ رکھے کوئی بھی۔" وہ یہ سب کہتے ہوئے ہچکیوں سے رو رہی تھیں اور منزہ ششدر سی جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئیں۔ انہیں فارہ کی باتوں سے ہی آفاق کی لاپروائی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ لیکن وہ اس حد تک جا چکا ہے۔ اس کی امید نہیں تھی انہیں۔ ثمینہ کے انکشاف نے انہیں گنگ کر ڈالا۔

"بہت دنوں سے میرے دل پہ بوجھ تھا اس بات کا۔ میں سہار نہیں پا رہی تھی۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے جب کوئی بھی راستہ نہیں ملا تو تمہیں بلا لیا۔ حالانکہ میں جانتی تھی کہ تم اس بات سے ہرٹ ہو سکتی ہو۔ لیکن منزہ! میں چھپا کے نہیں رکھ سکتی تھی۔ اگر ایسا کرتی تو تب بھی تمہیں لا محالہ" ہرٹ ہونا تھا۔ اس لیے میں نے بتا دینا ہی بہتر سمجھا اور میری اس سوچ کو غلط مت سمجھنا۔ میرے لیے فارہ سے زیادہ اور کوئی اہم نہیں ہے۔" ثمینہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں، جبکہ منزہ کے ذہن میں فارہ اور ثمینہ کی ملی جلی آوازیں اور الفاظ گردش کر رہے تھے۔ وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہی تھیں۔

"منزہ... کچھ کہو گی نہیں کیا؟" انہیں منزہ کی خاموشی سے بے چینی ہونے لگی۔

"کیا کچھ کہنے کے لیے باقی ہے ابھی؟" منزہ کا لہجہ بے تاثر اور سپاٹ ہو گیا۔

"اس میں ہماری تو کوئی غلطی نہیں ہے نا؟ ہم تو خود پریشان ہیں... تمہیں اس لیے بتایا ہے کہ تم ہی کچھ سوچو کہ اس مسئلے کا کوئی حل نکالیں۔" ثمینہ کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔ وہ نڈھال ہو چکی تھیں۔

"کیا وہ کسی اور کو پسند کرنے لگا ہے؟" منزہ نے بہن کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں... میں... اس بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی... یہ... یہ تو وہی بتا سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے؟ لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ وہ فارہ کے علاوہ کسی اور کو پسند کر سکتا ہے۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولیں۔ ان کے لہجے میں جیسے یقین تھا۔

"تو پھر وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟" منزہ کے لہجے میں تلخی در آئی۔

"مجھے پتا ہوتا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے تو پھر غم کس بات کا تھا؟" ثمینہ کے انداز میں بے بسی اور شکستگی تھی۔

منزہ چند ثانیے کے لیے پھر چپ ہو گئیں۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتیں، ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے پہ کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔ ان دونوں نے چونک کر دیکھا۔

"السلام علیکم!" وہ کافی سنجیدہ اور ٹھہرے ہوئے انداز میں سلام کرتا اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم منزہ آنٹی! کیسی ہیں آپ؟" وہ ان کے مقابل والے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بطور خاص صرف ان سے مخاطب ہوا۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔ اللہ کا کرم ہے۔" وہ کافی نپے تلے سے انداز میں جواب دے کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ ان کی بیٹی کا دل برباد کرنے پہ تلا ہوا تھا اور وہ اس سے خوش خوش مل لیتیں؟ یہ کیسے ہو سکتا تھا بھلا؟

"منزہ... کہاں جا رہی ہو تم؟" ثمینہ چونک گئیں۔

"تھکی ہوئی ہوں۔ نیند آ رہی ہے۔" وہ کہہ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئیں اور آفاق دیکھتا رہ گیا۔ اسے منزہ سے ایسے رویے کی ہرگز بھی توقع نہیں تھی۔ آفاق نے بے ساختہ سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جس پہ وہ بھی لاتعلق سے انداز میں اٹھ کر چلی گئیں اور وہ اکیلا بیٹھا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

رات کے دو بجے کا وقت تھا۔ جب اس نے اپنے گھر کا دروازہ بجایا تھا اور رات کے دو بجے بھی اس کے گھر کا دروازہ دوسری دستک پہ یوں کھلا۔ جیسے دن کے دو بجے کا وقت ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی ماں اس کے انتظار میں ابھی تک جاگ رہی ہے۔

"السلام علیکم۔ آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟" اس نے اندر داخل ہوتے ہی تشویش سے کہا۔

"ہاں بس۔ آج گرمی زیادہ ہے نا۔ اس لیے نیند نہیں آرہی۔ ہر طرف حبس ہی حبس ہے۔" وہ آہستگی سے کہتے ہوئے دروازہ بند کرکے اس کے پیچھے ہی آگئیں۔

"کیوں، بجلی تو ہے؟"

"ہاں! ابھی ابھی آئی ہے پندرہ منٹ پہلے۔" وہ اپنے دوسرے دونوں بچوں کی نیند کے خیال سے کافی آہستہ بول رہی تھیں۔

"وحید اور ککو کیسے ہیں۔ سو گئے دونوں؟" وہ اپنا بیگ کمرے میں رکھ کے دوبارہ باہر نکل آیا اور برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھ کے بوٹ کے تسمے کھولنے لگا۔

"ہاں۔ دونوں بارہ بجے تک تمہارا انتظار کررہے تھے۔ لیکن بارہ بجے بجلی آئی تو میں نے کہا کہ سو جاؤ۔ صبح پھر نماز کے لیے بھی اٹھنا ہوتا ہے۔ لیکن وہ بے چارے سو گئے تو ایک بجے پھر بجلی چلی گئی اور اب دو بجے کے قریب آئی ہے۔" زبیدہ بیگم افسوس کررہی تھیں۔

"کیا بات ہے؟ آج تھکی تھکی سی لگ رہی ہیں۔" ولید نے ان کی تھکاوٹ فوراً بھانپ لی۔

"تم اتنے لیٹ کیوں آئے ہو؟ صبح سے پریشان ہورہی ہوں۔"

"کیوں؟ پریشان کیوں ہورہی تھیں؟" وہ بوٹ وغیرہ اتار کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"پورے شہر میں بم دھماکے کی خبریں گردش کرتی پھر رہی ہیں۔ طرح طرح کی باتیں سن رہی تھی اور طرح طرح کے وہم اور اندیشے ستا رہے تھے۔ ایسے میں پریشان نہ ہوتی تو اور کیا کرتی؟" ان کے دل و دماغ پہ چھائی پریشانی آخر ان کی زبان پہ آہی گئی تھی۔

"اف امی! میں نے یہ جاب کرنے سے پہلے ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ آپ کو میرے لیے پریشان نہیں ہونا۔ صرف دعا کرنی ہے۔ اور آپ کی دعا مجھے کبھی کچھ نہیں ہونے دے گی۔ آپ کو اپنی دعا پہ بھروسا رکھنا چاہیے۔ اللہ کبھی رد نہیں کرے گا۔"

ولید نے زبیدہ بیگم کے دونوں ہاتھ تھام کر مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے انہیں تسلی دی تھی۔

"اللہ تمہیں ہر مصیبت اور آفت سے محفوظ رکھے اور پناہ دے۔ آمین" انہوں نے صدق دل سے دعا کی تھی۔

"بس! مجھے آپ کی انہی دعاؤں کی ضرورت ہے۔" اس نے ان کے ہاتھ عقیدت سے چوم کر آنکھوں سے لگا لیے۔

"کھانا کھاؤ گے؟"

"ہوں۔ کھانا تو کھانا ہے۔ لیکن آپ رہنے دیں' ابھی شاور لینا ہے۔ شاور لے کر خود ہی کھانا گرم کرلوں گا۔" اس نے انہیں روک دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ مجھے کون سا نیند آرہی ہے۔ تم شاور لے لو۔ میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" وہ کہہ کے کچن کی طرف پلٹ گئیں اور ولید اپنے کمرے میں آگیا۔ اندر آتے ہی اپنی شرٹ کے بٹن کھولنے لگا۔ اس نے تیزی سے بٹن کھول کر شرٹ اتاری اور اپنے بستر پہ اچھال دی تھی۔

لیکن شرٹ اچھالنے کے بعد وہ ٹھٹک سا گیا۔ اس کی حس شامہ نے کچھ محسوس کیا تھا۔

ایک خوب صورت اور مسحور کن مہک۔ ایک ایسی مہک۔ جس سے وہ واقف بھی نہیں تھا۔ لیکن وہ پھر بھی اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی اور وہ صبح سے اک افراتفری کے عالم میں اپنے کام میں مصروف اس خوشبو سے اور اس مہک سے انجان پھر رہا تھا۔

لیکن اب جب اس نے اس خوشبو کو خود سے الگ کیا تھا تو اس نے ولید کو اپنا آپ محسوس کروایا تھا۔ اپنے ہونے کا احساس دلایا تھا۔ جس پہ وہ چونک گیا اور ذرا سا جھکتے ہوئے وہ شرٹ دوبارہ اٹھالی۔ اس خوشبو کو دوبارہ محسوس کیا۔ ولید یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کون سا پرفیوم ہے۔ لیکن وہ یہ ضرور جان گیا تھا کہ اس پرفیوم کی خوشبو حواسوں کو مسحور کردینے کی حد تک دلفریب ہے۔

تو گویا عزت حیدر اپنے ملبوس کی خوشبو اس کے ملبوس میں چھوڑ گئی تھی۔ ولید کو یاد آیا' جب وہ عزت کو اٹھا کر یونیورسٹی کے اندر لے گیا تھا۔ تب وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کے سادہ سے' عام سے ملبوس کو بھی مہکا گئی تھی۔

"ولید۔ کیا کرنے بیٹھ گئے ہو؟ کھانا گرم کردیا ہے میں نے۔" زبیدہ بیگم کی آواز پہ ولید ایک دم چونک کے اپنے حواسوں میں واپس آیا اور پھر ہاتھ میں پکڑی شرٹ کو دیکھ کر فوراً" نفی میں سر جھٹکا۔ عزت کا خیال آتے ہی خود کو سرزنش کی کہ وہ یہ کیا سوچنے لگا ہے؟

"ولید۔" انہوں نے دوبارہ آواز دی۔

"آرہا ہوں امی!" وہ اپنے سارے خیالات کی نفی کرتا' انہیں پرے دھکیلتا ہوا شرٹ کو کھونٹی سے لٹکا کر باہر نکل آیا اور فوراً" شاور لینے کے لیے گھس گیا۔ لیکن اس کی سوچیں' اس کے خیالات شاور لینے کے دوران' کھانا کھانے کے دوران اور اپنا بستر بچھانے کے دوران بھی اس کے ساتھ ہی رہے تھے۔

بلکہ وہ گھر کی چھت پہ بستر بچھائے جب سونے کے لیے لیٹا تو یہ خیالات تاروں سے سجے وسیع آسمان پہ بھی پھیل گئے۔ جن سے ایک چہرہ تخلیق ہو رہا تھا۔

ولید اس چہرے سے نظریں چرا کر کروٹ بدل کے لیٹ گیا۔ دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ اس لیے زیادہ دیر سوچوں سے آنکھ مچولی نہ کھیل سکا اور کچھ دیر بعد ہی گہری نیند سو گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی گتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

ماورا مرتضیٰ 'عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئرپورٹ پر لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو انہیں لینے جانا پڑتا ہے۔

منزہ اور ثمینہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے۔ اسے سنبھال کر وہ تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ منزہ رحیم 'آفاق کی بدتمیزی پر اس سے خفا ہو کر واپس لوٹ آتی ہیں۔ آفاق مسلسل شش و پنج کا شکار ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

صبح آٹھ بجے کا وقت تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے اپنے سر کو ذرا سی جنبش دیتے ہوئے اپنے دائیں طرف دیکھا اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھی تصویر دیکھ کر سمجھ گئی کہ وہ اپنے بیڈ روم میں ہی ہے۔ ورنہ کل سے دوائیوں کے زیر اثر اس کا ذہن اور اس کے اعصاب پوری طرح سے بیدار نہیں ہو پا رہے تھے۔ اس لیے رات بھی گہری اور بے سدھ نیند کی آغوش میں گزر گئی تھی۔

لیکن اب اس کا ذہن اور اس کے اعصاب پوری طرح سے بیدار ہو چکے تھے۔ اس نے دوبارہ اپنے سر کا زاویہ درست کرتے ہوئے بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار پہ لگے کلاک کی طرف توجہ کی اور پھر نظریں کلاک پہ جیسے جم سی گئیں۔

کلاک کی سوئیوں کی ٹک ٹک اس کے ذہن کو وقت کے ساتھ ساتھ آگے لے جانے کے بجائے پیچھے لے جا رہی تھی اور وہ آج کی صبح آٹھ بجے کی بجائے گزشتہ کل صبح کے آٹھ بجے تک جا پہنچی تھی۔

جہاں آج کی صبح جیسا سکون نہیں تھا۔ جہاں شور تھا۔ ہنگامہ تھا۔ قیامت تھی۔

جہاں آج کی طرح وہ چپ نہیں تھی۔ بلکہ چیخ رہی تھی۔ چلا رہی تھی۔ پاگل ہو رہی تھی۔

اور اس اذیت کے عالم میں اور قیامت کے میدان میں کوئی ایک مہربان ایسا بھی تھا جو صرف اس کے لیے ہلکان ہو رہا تھا۔ جس کی توجہ صرف اسی کی طرف تھی۔ جو صرف اسے ہی سمیٹ رہا تھا اور جو صرف اسے ہی سنبھال رہا تھا۔

"وہ کون تھا آخر؟" عزت نے اپنے خالی ذہن پہ زور دیا۔

"میں ولید ہوں۔ ولید۔ ولید رحمان۔ تیمور کا دوست۔ آپ نے یقیناً" پہلے بھی مجھے دیکھا ہوگا۔ شاید آپ کے گھر پہ ہی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے اپنی پہچان کا حوالہ دے رہا تھا۔ اس کے خالی ذہن میں ولید کی آواز گونجی۔

"ولید۔ ولید رحمان؟" اس نے زیر لب دہرایا تھا۔ اس نام کو دہرانے کے ساتھ ہی کل والا واقعہ رفتہ رفتہ اپنی پوری جزئیات سمیت اس کے ذہن میں تازہ ہو گیا۔

اسے وہ منظر بھی یاد آ گیا' جب وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر ایک دم زمین بوس ہوئی تھی اور اس کے منہ سے شاید اسی کا نام نکلا تھا۔

"ولید!" عزت بے ساختہ اسے پکارتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ لیکن جب خود کو زمین کے بجائے اپنے بستر پہ پایا تو ٹھٹک سی گئی۔ وہ "کل" کو "آج" تصور کر بیٹھی تھی۔ اس کے ذہن سے یہ نکل گیا تھا کہ کل گزر چکا ہے اور آج موجود ہے اپنی تمام حقیقتوں سمیت۔

"ہیلو! گڈ مارننگ۔" وہ اپنے بیڈ پہ گم صم سی بیٹھی تھی۔ جب ساشا اچانک اس کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ عزت نے چونک کر دیکھا۔

"شکر ہے! تم ہوش و حواس میں نظر آ رہی ہو۔ ورنہ میں تو اتنا پریشان ہو رہی تھی کل سے۔" ساشا نے اسے بیڈ پہ بیٹھے دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

"کیوں؟ ایسا کیا ہو گیا تھا مجھے کہ تم اتنی پریشان ہو گئی تھیں؟" عزت نے ذرا تلخ سے لہجے میں کہتے ہوئے ساشا کو دیکھا اور اپنے بال سمیٹ کر بیڈ سے اتر آئی۔ اس کا رخ کھڑکی کی طرف تھا۔

"واٹ؟ کل جو کچھ ہوا کیا تمہاری نظر میں وہ کچھ بھی نہیں تھا؟" ساشا کو حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔ اس نے حیران نظروں سے کھڑکی میں کھڑی عزت کو دیکھا۔

"کل جو کچھ ہوا' میری نظر میں وہ بہت کچھ ہے' اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ مجھے کیا ہوا ہے بھلا؟ ہوا تو ان لوگوں

کو ہے' جو آج قبر میں سو رہے ہیں یا پھر جو اس وقت اسپتال میں تڑپ رہے ہیں۔ میرا کیا گیا ہے بھلا؟ میں تو کل بھی ٹھیک تھی اور آج بھی ٹھیک ہوں۔ بس وقتی طور پہ ان لوگوں کی تکلیف اور اذیت برداشت نہیں کر پائی تھی اور تو کچھ نہیں ہوا مجھے۔" عزت کا تلخ لہجہ بھیگ رہا تھا۔ ساشا اس کی کیفیت بخوبی سمجھ گئی تھی۔ اسی لیے خاموش بھی ہو گئی۔

"ہوں! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں سمجھ سکتی ہوں تمہاری فیلنگز کو۔" ساشا نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"ساشا! وہ۔ وہ دونوں میڈیکل کے اسٹوڈنٹس۔ وہ زیب اور جہاں زیب کا کپل۔ وہ دونوں بھی ایس دھماکے کا شکار ہو گئے۔ مم۔ میری آنکھوں کے سامنے ان کی ڈیڈ باڈیز۔" عزت روتے ہوئے اسے بتا رہی تھی اور پھر آخر میں دونوں ہاتھ اپنے چہرے پہ رکھے پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی کھڑکی کے قریب ہی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ ساشا اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"عزت! پلیز سنبھالو اپنے آپ کو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اگر زیادہ ٹینشن لوگی تو طبیعت اور زیادہ خراب ہو گی پلیز۔ اٹھو! بیڈ پہ بیٹھو۔" ساشا روتی بلکتی عزت کو سہارا دے کر بیڈ پہ لے آئی۔

کچھ ہی دیر میں رابعہ بیگم اور رضا حیدر بھی آ گئے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے بہلا پھسلا کر روتی بلکتی عزت کو ٹھنڈا جوس پلایا اور پھر اسے دوبارہ بیڈ پہ لٹا دیا۔ ان سب کو اس کی طرف سے تشویش ہو رہی تھی۔ ساشا اس کی ابتر سی حالت پہ تاسف بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی اٹھ کر واپس گھر آ گئی۔

☆ ☆ ☆

"امی! کہاں ہیں؟" مادرا نے گھر میں داخل ہوتے ہی بی گل سے استفسار کیا۔ صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھی بی گل حیران پریشان رہ گئیں۔ کیونکہ وہ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کو اتنی چاہ سے بہت کم ہی یاد کرتی تھیں۔

"بی گل! آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟" مادرا خفگی سے بولی۔

"ناں صدقے پتر! میں دیکھ کر یقین کر رہی ہوں کہ میں اسی دنیا میں ہوں ابھی یا پھر۔۔۔؟" انہوں نے عینک کے شیشوں کے پار سے بغور دیکھتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"اف بی گل! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ؟ اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔" مادرا ناراضی سے کہتی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"بیٹا! اللہ کے کرم سے مجھے کبھی کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جب بھی جو بھی ہوتا ہے تم دونوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ابھی بھی پتا نہیں کیا ہو رہا ہے؟ تم نے گھر میں آتے ہی اپنی ماں کا پوچھا ہے تو میرا دل بے چینی سے بیٹھا جا رہا ہے کہ خدا خیر کرے۔ آج کیا معجزہ ہو گیا ہے؟" بی گل اپنے دل پہ ہاتھ رکھے اپنی حیرت کا اظہار کر رہی تھیں۔

"اتنا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس امی آج مجھے دو مہینے کی سیکری ایک ساتھ ملی ہے تو اسی لیے اتنی خوش ہو رہی ہوں۔" مادرا نے انہیں اصل وجہ بتائی۔

"ہائیں! سیکری ملنے پہ اتنی خوش ہو رہی ہو؟" اب کی بار بی گل کو اور زیادہ حیرت ہوئی۔

"اف اللہ! آپ بھی نا بس بات کا الٹا مطلب ہی نکالتی ہیں۔ میں سیکری ملنے پہ خوش نہیں ہو رہی۔ سیکری تو مجھے پہلے بھی ملتی ہی رہی ہے۔ میں تو صرف اس لیے خوش ہو رہی ہوں کہ میں نے پچھلے مہینے سیکری نہیں لی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس لیے اس بار دو مہینے کی سیلری ایک ساتھ ملی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ سیلری امی کو دوں گی۔ وہ اپنی پسند سے اپنے لیے شاپنگ کریں گی۔" اس نے جھنجھلا کے بتایا۔

"اوہ! اچھا اچھا۔ یہ بات ہے؟ جاؤ! عافیہ کچن میں ہے۔" بی گل کو بھی سن کر خوشی ہوئی تھی۔ اس لیے فوراً کچن کی طرف اشارہ کیا۔

"اوکے! میں ابھی آتی ہوں۔" ماورا اپنے بیگ سے لفافہ نکال کے بیگ وہیں بی گل کے پاس چارپائی پہ چھوڑ کر چلی گئی۔ آج وہ کافی پرجوش لگ رہی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے کچن کی دہلیز پہ رکتے ہوئے سلام کیا۔ اسٹیل کی چھوٹی سی پرات میں چاول دھوتی عافیہ بیگم چونک گئیں۔

"وعلیکم السلام!" انہوں نے کافی آہستگی سے اس کے سلام کا جواب دیا۔

"کیا بنا رہی ہیں آج؟" ماورا کہتی ہوئی اندر آگئی۔ وہ اپنے اور ان کے درمیان حائل دو دن کی خاموشی کا اثر زائل کرنے کی کوشش میں تھی۔

"چنے اور چاول۔" عافیہ بیگم رومال سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولیں۔

"اوہ! تو آج بی گل کی پسند کا کھانا بن رہا ہے۔" ماورا نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"ہوں! کافی دنوں سے فرمائش کر رہی تھیں۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے نا! ان کی پسند کا کھانا بھی بننا چاہیے۔ ہماری پسند کا تو روز بنتا ہے۔" ماورا نے جلدی سے کہا۔

"تمہیں کچھ چاہیے؟" عافیہ بیگم نے ماورا کے بے سبب کچن میں آنے کی وجہ جاننا چاہی۔

"جی! وہ دراصل مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔" ماورا نے تمہید کا سہارا لیا۔ حالانکہ وہ بلا کی منہ پھٹ اور بلا جھجک بات کہہ دینے والی لڑکی تھی۔

"ہوں! سن رہی ہوں۔" عافیہ بیگم ذرا ٹھٹک کر متوجہ ہوئیں۔

"یہ آپ کے لیے۔" ماورا نے چھوٹے سے سفید لفافے میں بند رقم ان کی طرف بڑھائی۔

"یہ کیا ہے؟" انہوں نے چونک کر دیکھا۔

"یہ میری طرف سے گفٹ ہے آپ کے لیے۔ آپ کو اس سے اپنی شاپنگ کرنی ہے۔" ماورا کے کہنے کے باوجود انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"کیا مطلب؟ کیا ہے یہ؟"

"اف امی! سیلری ہے میری۔ اور کیا ہوگا بھلا؟ میں نے صرف آپ کے لیے جمع کی تھی۔" ماورا جھلا گئی۔

"میرے لیے؟ مگر کیوں؟" انہیں حیرانی ہوئی۔

"کیونکہ آپ ہمیشہ میری بی گل کی اور گھر کی ضرورتوں کا خیال رکھتی ہیں۔ اپنے لیے کبھی کچھ بھی نہیں خریدا آپ نے۔ ٹھیک ہے کہ آپ کی سیلری ہم سب پہ خرچ ہو جاتی ہے لیکن میری سیلری تو آپ پہ خرچ ہو سکتی ہے نا؟"

ماورا کے کہنے پہ عافیہ بیگم نے بے ساختہ اس کے چہرے کی سمت دیکھا۔ وہ کم عمر بچوں کی طرح اپنی ماں کے لیے فکر میں مبتلا نظر آرہی تھی۔ ان کا دل ایک دم خوش ہو گیا اور انہوں نے اس کے ہاتھ سے وہ لفافہ تھام لیا۔

"تم نے یہ سیکری میرے لیے میری خوشی کی خاطر جمع کی ہے نا؟" انہوں نے ماورا سے پوچھا۔

"جی بالکل!" اس نے کندھے اچکائے۔

"تو پھر میں یہ پیسے جیسے چاہوں جہاں چاہوں خرچ کر سکتی ہوں نا؟" وہ جیسے یقین چاہ رہی تھیں۔

"ارے! آپ اس طرح کیوں پوچھ رہی ہیں؟ یہ آپ کے لیے گفٹ ہے۔ آپ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں بھلا؟" ماورا نے خفگی سے کہا۔

"اوکے! تو پھر یہ لو پیسے۔ اور تم اپنے لیے ایک اچھا سا موبائل فون لے آؤ۔" انہوں نے لفافہ ماورا کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"موبائل فون؟" ماورا کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ عافیہ بیگم تو موبائل استعمال کرنے کے سخت خلاف تھیں۔

"ہاں! موبائل فون۔ کیونکہ یہ آج کل ہر آدمی کی ضرورت بن چکا ہے۔ اور آگے جا کر تمہیں بھی اس کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم ابھی لے لو۔" عافیہ بیگم کی بات پہ ماورا کی حالت یوں ہو گئی تھی جیسے ابھی غش کھا کے گر جائے گی۔

"لیکن امی! آپ تو۔۔۔" وہ بات مکمل نہیں کر پائی۔

"ہاں! میں موبائل فون کے خلاف تھی اور اب بھی ہوں۔ لیکن اگر محض ضرورت کے وقت استعمال کیا جائے تو بری چیز نہیں ہے۔ بلکہ سائنس کی ایک بہترین اور کارآمد ایجاد ہے۔ ہمیں گھر بیٹھے بہت سی چیزوں سے باخبر رکھ سکتی ہے۔" عافیہ بیگم پہ شاید بی گل کے لیکچر کا اثر ہوا تھا کہ وہ اپنی سوچ میں تھوڑی بہت تبدیلی لانے پر مجبور ہو گئی تھیں اور انہوں نے بیٹی پہ بھروسا رکھنے کی تھوڑی سی ہمت کر ہی لی تھی۔

"لیکن یہ پیسے تو میں نے آپ کو آپ کے لیے دیے ہیں۔" ماورا حیرت کے مارے گنگ تھی۔ اس لیے زیادہ بول ہی نہیں پائی۔

"تم نے دیے۔۔۔ اور میں نے لے لیے۔ اب میں جہاں جی چاہے خرچ کروں۔ بس بات ختم۔" انہوں نے ماورا کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"لیکن امی! مجھے موبائل فون کا کیا کرنا ہے بھلا۔۔۔ نہ مجھے کسی کو کال کرنی ہے نہ میسجز۔ میرے کون سے فرینڈز ہیں۔ جن سے میرا کانٹیکٹ ہوگا؟ میرا کام صرف کمپیوٹر سے ہوتا ہے اور کمپیوٹر تو کل ریڈی ہے میرے پاس۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"وہ سب بھی ٹھیک ہے بیٹا! مگر ایگزامز کے بعد جب تم اچھی جاب کے لیے کوشش کرو گی تو موبائل فون ہی تمہیں زیادہ کام دے گا اور جب جاب پر جانے لگو گی تو میں بھی بآسانی تم سے کانٹیکٹ کر لیا کروں گی۔ اس طرح مجھے تمہاری طرف سے پریشانی نہیں رہے گی۔" وہ اسے موبائل فون کے فوائد گنوا رہی تھیں۔ مجبوراً ماورا کو چپ ہونا ہی پڑا۔

جب وہ خود چاہ رہی تھیں کہ ماورا موبائل فون لے تو پھر وہ بار بار انکار کر کے ان سے اختلاف کیوں کرتی؟ انہوں نے اپنی سوچ بدلی تھی تو یہ تو ماورا کے لیے ایک خوش آئند بات تھی۔ لہٰذا اسے خوش ہونا چاہیے تھا۔

"چلو! اب یہ لو پیسے اور الماری میں رکھو جا کر۔ کل یونیورسٹی سے واپسی پہ اپنا موبائل اور نمبر لے آنا۔" انہوں نے لفافہ اس کے ہاتھ میں دباتے ہوئے کافی ہلکے پھلکے سے لہجے میں کہا۔

ماورا چپ چاپ قدرے حیران اور بے یقین سی کچن سے باہر نکل آئی۔ بی گل نے اسے دیکھا تو پاس بلا کر اس کی حیرانی کی وجہ دریافت کی۔ جس پہ ماورا نے من و عن سب کچھ سنا دیا۔ وہ سن کر مسکرا دیں۔

☆ ☆ ☆

وہ آج صبح سے بہت مصروف تھا۔ پورا دن فائلز لیپ ٹاپ اور میٹنگز میں الجھتے ہوئے گزر گیا تھا۔ آج کل گرمیوں کے موسم کا کپڑا دھڑا دھڑ تیار کیا جا رہا تھا۔ اس لیے آج کل کام کافی زیادہ تھا۔ فیکٹریز کی رونق

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھی عروج پہ تھی۔ ہر طرف' ہر جگہ مصروفیت اور کام ہی کام نظر آرہا تھا۔ اتنے وسیع کاروبار کو اکیلے سنبھالنے کے لیے تیمور حیدر کی ہمت تھی کہ دن رات ایک کیے رکھتا تھا۔ وہ ہر وقت' ہر کام کے لیے چاق و چوبند نظر آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے بابا کے بزنس کو چند سال میں ہی بہت اوپر لے آیا تھا۔ مارکیٹ میں اس کی کمپنی کی اپنی ایک ساکھ تھی۔ پہچان تھی۔

کپڑے کی کوالٹی' کلر اسکیم' ڈیزائننگ اور پرنٹنگ کا معیار اور کوئی بھی کمپنی مارکیٹ کو مہیا نہیں کر رہی تھی۔ سوائے اس کی کمپنیز کے۔

اس لیے سیزن میں سب سے زیادہ اسی کے کام کی ڈیمانڈ ہوتی تھی اور وہ اس ڈیمانڈ کو کیش کرتا تھا۔ کیونکہ اس کی کمپنی کا نام مارکیٹ میں ہاتھوں ہاتھ بکتا تھا اور یہی اس کی کامیابی تھی۔ اس نام کو' اس ساکھ کو اور اس کامیابی کو برقرار رکھنے کے لیے اسے دن رات محنت کرنی پڑتی تھی۔ ہر وقت کام میں مصروف رہتا تھا۔ اسے تو سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ آج بھی اس کی مصروفیت کا یہی عالم تھا۔ صبح سے شام ہو گئی تھی اور وہ ابھی آفس میں ہی تھا۔

"مے آئی کم ان سر۔؟" وہ کسی فائل میں الجھا ہوا تھا۔ جب اس کی پی اے سحرش زمان نے دروازے پہ دستک دے کر اجازت طلب کی تھی۔ وہ چونک گیا۔

"یس کم ان۔" اس نے اثبات میں جواب دیا اور سحرش زمان اندر آگئی۔

"فرمایئے۔" وہ کافی مصروف سے انداز میں گویا ہوا۔

"سر! میٹنگ کنفرم ہو گئی ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"اچھا۔ کہاں ہو گی ہے؟" تیمور نے فائل بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"فیصل آباد۔" سحرش زمان نے مختصراً بتایا۔

"فیصل آباد۔؟" تیمور حیدر ٹھٹک گیا۔

"یس سر! کل تین بجے آپ کو میٹنگ اٹینڈ کرنے کے لیے فیصل آباد جانا ہو گا۔" سحرش نے اسے مزید آگاہ کیا۔

"اف۔ پھر فیصل آباد؟" تیمور جھنجلا گیا۔

"کیوں سر۔؟ کیا آپ کو فیصل آباد جانا پسند نہیں ہے؟" سحرش نے اس کی جھنجلاہٹ پہ دلچسپی سے دیکھا۔

"ہوں۔ کہہ سکتی ہیں۔" تیمور نے سر جھٹکا۔ سحرش اس کی کوفت پہ مسکرا دی۔

"تو آپ نہ جایا کریں؟"

"میرا جانا نہ جانا' اگر میری پسند پہ ڈپینڈ کرے تو شاید میں نہ ہی جاؤں۔ لیکن مجبوری ہے۔ ہر بار جانا ہی پڑتا ہے۔" تیمور اپنے سامنے پھیلی تمام ضروری فائلز سمیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ کافی اچھا شہر ہے۔"

"تو ڈاؤٹ! شہر اچھا ہے۔ لیکن میں جب بھی وہاں گیا' مجھے بورنیت ہی محسوس ہوئی ہے۔" وہ اپنا لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے بولا۔ پھر موبائل اور چابیاں اٹھا کر اپنے روم سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے سحرش بھی باہر آگئی۔

"اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟" تیمور نے گھڑی دیکھتے ہوئے سحرش سے پوچھا۔

"جی سر! میں بھی بس نکل ہی رہی ہوں۔" وہ اپنے کیبن سے اپنا بیگ وغیرہ لینے کے لیے مڑ گئی۔

تیمور نے اپنی تمام فی میل ورکرز کے لیے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت مہیا کر رکھی تھی۔ اس لیے سب کو آنے جانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اگر لیٹ بھی ہو جاتی تھیں تو انہیں پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ جیسے ہی سحرش کو

ڈراپ کرنے کے لیے پارکنگ سے گاڑی رخصت ہوئی' تب کہیں تیمور نے اپنی گاڑی روڈ پہ نکالی۔

سورج کے غروب ہوتے ہی شہر بھر میں مصنوعی روشنیاں جاگ اٹھتی تھیں۔ اس وقت بھی روڈ پہ ہر طرف روشنیوں کا سیلاب امڈا ہوا نظر آرہا تھا۔ تیمور ان دیدہ زیب روشنیوں کی خوب صورتی کو انجوائے کرتا بڑے سکون سے اپنے گھر کی سمت رواں دواں تھا۔ جب اچانک وہ چونک گیا۔

"ولید۔؟" اس نے زیر لب کہا بے پناہ تشویش کا شکار ہو گیا۔ کیونکہ اس کی گاڑی کے قریب سے ہی ولید کی بائیک خاصی تیز رفتاری سے گزری تھی۔ تیمور نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اس کا چہرہ واضح دیکھا تھا۔ اس لیے شک و شبے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی تھی۔ پھر اس کی بائیک کے تعاقب میں اتنی ہی رفتار میں پولیس جیپ دیکھ کر تیمور کی پریشانی اور تشویش مزید بڑھ گئی۔ جس کے نتیجے میں تیمور بھی اپنی گاڑی کی رفتار بڑھانے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

اب ولید کی بائیک' پولیس جیپ اور تیمور حیدر کی گاڑی روڈ پہ ایک ہی لائن میں ایک دوسرے کے تعاقب میں بھاگ رہی تھیں۔ اس دوران تیمور نے ولید کے نمبر پہ کال بھی ملائی تھی۔ مگر ولید کو بھلا کب ہوش تھا؟

تب تنگ آکر اس نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھائی اور ولید کی بائیک کے برابر آگیا تھا۔ اس کو متوجہ کرنے کے لیے ہارن پہ ہاتھ رکھا۔

اب کی بار ولید نے چونک کر دیکھا اپنے برابر تیمور کی گاڑی دیکھ کر اس کی بائیک کی رفتار کم ہو گئی۔ اتنے میں پولیس جیپ ان کے قریب سے زناٹے سے گزر گئی اور ولید اپنی بائیک اس کی گاڑی کے قریب لے آیا۔

"ولید۔ کیا ہوا ہے؟ کیا بات ہے؟ تم اس وقت کہاں جا رہے ہو اور یہ پولیس جیپ؟ یہ سب کیا چکر ہے آخر؟" تیمور گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"ڈونٹ وری یار۔ کچھ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہے۔ میں بس ایک کام سے جا رہا تھا۔ تم سے بعد میں ملوں گا۔" ولید عجلت میں تھا۔

"ولید! مجھے صاف صاف بتاؤ کیا چکر ہے؟ آخر کس کام سے جا رہے ہو تم؟" تیمور کو غصہ آگیا۔ وہ اتنا پریشان ہو رہا تھا اور ولید کو وہاں سے بھاگنے کی جلدی تھی۔

"پلیز۔ بتاؤں گا۔ سب بتاؤں گا۔ بس ابھی مجھے جانے دو۔" ولید نے اپنی جاں بخشی کروانا چاہی۔

"کب بتاؤ گے؟ تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔ اسی لیے ٹال دیتے ہو؟" تیمور گاڑی سے نیچے اتر آیا۔

"یار۔ تم جب کہو گے۔ تمہیں بتا دوں گا۔ لیکن ابھی نہیں۔" ولید کو بے چینی ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے! تم جاؤ۔ میں تمہارے واپس آنے تک یہیں انتظار کر رہا ہوں۔" تیمور نے بات ہی ختم کر دی۔ ولید ٹھٹک گیا۔

"ارے یار۔ کیوں پاگل ہو رہے ہو؟ سنسان علاقہ ہے۔ کروڑ' دو کروڑ کی گاڑی ہے تمہارے پاس۔ کیوں بیٹھے بٹھائے اپنے ہی دشمن ہو رہے ہو تم؟ تمہاری گاڑی دیکھ کر تو اچھے بھلے معزز لوگوں کے منہ میں پانی آجاتا ہے۔ کوئی چور' ڈاکو بھائی دیکھ بیٹھا تو اچھا نہیں ہو گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ یہاں ٹھہرنے کے بجائے تم اپنے گھر جاؤ۔ میں تم سے ملنے آجاؤں گا۔" ولید نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"ہرگز نہیں۔ جو بھی ہو گا۔ دیکھا جائے گا۔ تم کو اگر اتنی پروا ہوئی تو جلدی آجاؤ گے۔" تیمور وہاں سے جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"اوکے! تو پھر ایسا کرو کہ تم اسی ریسٹورنٹ میں چلو۔ وہیں ملتے ہیں۔" ولید نہیں چاہتا تھا کہ تیمور اس کا یہاں انتظار کرے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ولید۔" تیمور نے اسے گھورا۔

"پرامس یار۔ میں بس آرہا ہوں۔" ولید نے یقین دہانی کروائی۔ تیمور لب بھینچتا ہوا' پلٹ کر گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

"تھینکس۔" ولید مسکراتا ہوا بائیک کو کک لگا کے ہوا ہو گیا تیمور واپس مصروف شاہراہ کی سمت لوٹ آیا۔

☼ ☼ ☼

پورے پچاس منٹ گزر چکے تھے اسے ولید کا انتظار کرتے ہوئے۔ لیکن وہ تھا کہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ تیمور کا سوچ سوچ کر دماغ شل ہو گیا تھا کہ ولید آخر کن کاموں اور کن چکروں میں الجھا ہوا ہے؟ ایسا کون سا کام ہے' جو وہ اسے نہیں بتا رہا۔ جو وہ اس سے چھپا رہا ہے۔ کیا وہ کسی غلط کام میں پڑ گیا ہے؟

سچ کہوں اپنی محبت پہ ندامت سی ہوئی
جب بھی دیکھی تیری اتری ہوئی صورت میں نے

ولید اس کے عقب سے شعر پڑھتا ہوا اس کے سامنے ہی ٹیبل کی دوسری جانب کرسی پہ آبیٹھا۔ تیمور چونک کر متوجہ ہوا۔

ولید اس کے سامنے بڑے پرسکون انداز میں براجمان تھا۔ جبکہ تیمور کے چہرے پہ تناؤ نظر آرہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیوں اتنے پریشان ہو رہے تھے؟" ولید نے کافی اطمینان سے پوچھا۔ اصل میں وہ بات کو غیر سنجیدگی سے لینا چاہتا تھا۔

لیکن تیمور کی طرف ایسے کوئی بھی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ مکمل سنجیدگی اور خاموشی کے لبادے میں تھا اور اپنے سامنے بیٹھے ولید کو تنقیدی اور کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کھانا آرڈر کروں؟ کھاؤ گے؟" ولید نے بات کو گھمانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔" تیمور کا لہجہ بہت سخت تھا۔

"کیوں نہیں؟ تمہارے ڈنر کا ٹائم تو تقریباً" ہو ہی چکا ہے۔" ولید نے نارمل سے انداز میں کہا۔

"ولید! یہ تم گھما کس کو رہے ہو؟" تیمور نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ جس پہ ولید ایک دم قہقہہ لگا کے ہنسا۔

"ہاہاہا۔ تم کو اور بھلا کس کو؟" ولید کے لہجے میں بھرپور شرارت تھی۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟" تیمور نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہے بھی۔ اور نہیں بھی۔ آخر دوست کس کے ہو؟ ویسے یار! بلا کے ذہین ہو۔ تمہاری ذہانت کا تو معترف ہو گیا ہوں میں۔" ولید نے اس کی ذہانت کا اعتراف کیا۔ لیکن تیمور کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ اس وقت ولید کی باتوں کا نوٹس لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"ذہین تو تم بھی بلا کے ہو۔ ہاتھ نہیں آتے۔" تیمور طنزیہ بولا۔

"کہاں یار؟ تمہارے جیسی ذہانت پھر بھی نہیں ہے۔" اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"کیوں نہیں ہے؟ پولیس کو اپنے پیچھے بھگائے پھر رہے ہو۔ پھر بھی ذہین نہیں ہو؟ حیرت ہے؟" تیمور نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے اسے خفگی سے دیکھا۔

"یہ ذہانت نہیں ہے میرے دوست۔ ضرورت ہے۔ اور تم جانتے ہو' ضرورت بڑے بڑے کام کروا لیتی ہے انسان سے۔ اس لیے یوں سمجھ لو کہ پولیس والوں سے دوستی ہو گئی ہے اپنی۔" ولید کافی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"ہونہہ۔ پولیس والے تو اپنی سگی ماں سے دوستی نہیں کرتے۔ تم اپنی بات کر رہے ہو؟" تیمور ہنوز خفا تھا۔

"تم شاید نہیں جانتے کہ کبھی کبھی شیر اور بکری بھی ایک ہی گھاٹ پر پانی پینے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔" اب کی بار ولید کا لہجہ استہزائیہ سا تھا۔

"لیکن اس مجبوری کا پتا بھی تو چلے۔" تیمور جھنجلا گیا۔

"ہونہہ۔ چھوڑو یار۔ کیا کرو گے جان کر؟" ولید نے سر جھٹکا۔

"ولید! میں جاننا چاہتا ہوں۔ تم آخر کام کیا کرتے ہو۔ اس روز تم نے مجھے یہ تو بتا دیا تھا کہ تمہیں جاب ملی ہے۔ لیکن تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ کیا جاب ملی ہے اور کہاں ملی ہے۔" تیمور کو غصہ آگیا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ورنہ وہ غصے سے ذرا پرہیز ہی کرتا تھا۔

"حال دل کہنے سے خودداری نے روکا ہم کو
اس نے پوچھا تو بہت' ہم نے بتایا ہی نہیں"

ولید نے ایک اور شعر کو درمیان میں گھسیٹا۔ تیمور لب بھینچ کے رہ گیا۔ وہ اپنا غصہ بمشکل ضبط کر رہا تھا۔ ولید سنبھل کے بیٹھ گیا اور ایک گہری سانس کھینچی۔

"مجھے ایک نیوز چینل میں جاب ملی ہے۔ ایز اے کرائم رپورٹر۔" ولید نے تیمور کے سر پہ دھماکا کیا۔ تیمور اس دھماکے کے زیر اثر شاکڈ سا رہ گیا۔ کیونکہ وہ شروع سے ہی جرنلزم کو ناپسند کرتا تھا۔

"ایز اے کرائم رپورٹر؟" تیمور نے زیر لب دہرایا۔

"ہوں۔ ایز اے کرائم رپورٹر۔" ولید نے دوبارہ ایک گہری سانس کھینچی۔

اور پھر اتنے بڑے ریسٹورنٹ کی گہما گہمی اور رش کے باوجود ان دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھا گئی۔ تیمور کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا اور ولید اس کی کیفیت دیکھ کر چپ تھا۔ اسے تیمور کے ایسے ردعمل کا پہلے سے ہی اندازہ تھا۔ اسی لیے تو اتنے دنوں سے اسے بتا نہیں پا رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں تیمور! تمہیں یہ سب پسند نہیں ہے۔ لیکن یار! یہ بھی تو دیکھو کہ حالات کیسے چل رہے ہیں آج کل۔ میں اکیلا ہوتا تو بات اور تھی۔ لیکن میرے ساتھ تین اور لوگ بھی ہیں' جو صرف میری ذمہ داری ہیں اور ان کے لیے مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا نا؟" ولید بھی سنجیدگی کے دائرے میں آچکا تھا۔

"کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا تو میری آفر کی ہوئی جاب کیوں نہیں کی تم نے؟ مجھے بھی تو تم سے زیادہ ان تین لوگوں کا ہی خیال تھا نا۔ اسی لیے میں تمہیں بار بار فورس بھی کرتا تھا۔ یہاں تک کہ تمہیں جاب دینے کے لیے الٹا میں نے منتیں کی ہیں تمہاری۔ مگر تم نے قبول نہیں کی۔" تیمور ذرا تیز لہجے میں بولا۔

"تیمور! میں یہ دوستی قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ ختم نہیں کرنا چاہتا۔" ولید کا لہجہ مضبوط تھا۔

"ہونہہ۔ بھاڑ میں گئی ایسی دوستی۔ جس کے ختم ہونے کا ڈر بھی ساتھ ہو۔" تیمور غصے اور تلخی سے کہتے ہوئے ایک دم کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"تیمور! پلیز یار۔ بیٹھو تو سہی۔ میری بات تو سنو۔" ولید پریشانی سے خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"سب سن چکا ہوں۔ اب کیا باقی ہے؟ تم اپنی مرضی سے جو جی چاہے کرو۔ میں کون ہوتا ہوں تمہیں روکنے والا؟" وہ اپنی پینٹ کی جیب سے والٹ نکال کر بل پے کر کے اپنا موبائل اور چابیاں اٹھا کر آگے بڑھ گیا تھا۔

"تیمور۔" ولید نے اسے روکنا چاہا تھا۔

"سوری۔ میں پہلے ہی کافی لیٹ ہو چکا ہوں' اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر مزید وہاں رکا نہیں تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں اتر گیا تھا اور ولید وہیں کھڑا دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر غصے اور بے بسی سے پلٹ کر قریب پڑی کرسی کو ہی ٹھوکر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وے ماری تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلی ہی گلی میں رہتا ہے
اور ملنے تک نہیں آتا ہے
کہتا ہے تکلف کیا کرنا
ہم تم میں تو پیار کا ناتا ہے

وہ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پہ ساکت بیٹھی سامنے ٹی وی اسکرین کی سمت دیکھ رہی تھی۔ لیکن ذہنی طور پہ غیر حاضر تھی۔ اس کا ذہن کہیں سے کہیں پہنچا ہوا تھا۔ کیونکہ منزہ رحیم آج ہی کراچی سے واپس آئی تھیں اور اندر سے کافی پریشان اور ڈسٹرب سی لگ رہی تھیں۔ لیکن بظاہر انہوں نے ایسا کچھ بھی محسوس نہیں ہونے دیا تھا۔ مگر فارہ پھر بھی بھانپ چکی تھی کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوئی ہے اور وہ اس سے چھپا رہی ہیں۔ اسی لیے اس کے دل کو بھی دھڑکا سا لگ گیا تھا اور وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔

"فارہ۔۔۔ فارہ۔" منزہ رحیم کے پکارنے پہ فارہ ایک دم ہڑبڑا کے متوجہ ہوئی۔

"جی ممی!" اس نے بڑی مشکل سے اپنے ذہن کو حاضر کیا تھا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟ ٹائم دیکھا تم نے؟" منزہ رحیم کسی کام سے اپنے بیڈ روم سے باہر نکلی تھیں۔ لیکن ٹی وی لاؤنج کی لائٹ جلتی دیکھ کر اس طرف آ گئیں۔

"اوہ سوری ممی۔۔۔ مووی دیکھتے ہوئے ٹائم کا احساس ہی نہیں ہوا۔" فارہ سامنے وال کلاک پہ ایک بجے کا ٹائم دیکھ کر فوراً صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور منزہ رحیم حیران رہ گئیں۔ کیونکہ سامنے ٹی وی اسکرین پہ کوئی مووی نہیں 'ٹاک شو' چل رہا تھا اور وہ بھی بے آواز۔ کیونکہ ٹی وی کا والیوم بند تھا۔

"فارہ!" انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کرتے ہوئے اسے پکارا۔ لاؤنج سے باہر نکلتی فارہ کے قدم تھم گئے

"جی ممی؟"

"کیا کوئی پریشانی ہے تمہیں؟" وہ اس کے قریب آ گئیں۔

"نہیں۔۔۔ کوئی پریشانی نہیں ہے۔" اس نے انکار کر دیا۔

"پھر کیا بات ہے؟" وہ خود بھی پریشان تھیں۔

"کوئی بات نہیں ہے ممی! یو ڈونٹ وری۔ آپ آرام کریں۔ میں بھی سونے کے لیے جا رہی ہوں۔۔۔ گڈ نائٹ۔" وہ لاپروائی ظاہر کرتی آرام سے کہہ کر وہاں سے نکل آئی۔ لیکن اپنے بیڈ روم میں آ کر وہ حق دق رہ گئی۔ اس کے بیڈ پہ رکھے موبائل پہ آفاق یزدانی کے نمبر سے گیارہ مسڈ کالز تھیں' فارہ کو یقین نہیں آیا کہ آفاق یزدانی اس کے نمبر پہ کال کر تا رہا ہے؟

ابھی وہ اپنے موبائل کی اسکرین پہ درج گیارہ مسڈ کالز بغور آنکھیں پھیلا پھیلا کر دیکھنے اور یقین کرنے میں مصروف تھی کہ اچانک اس کے موبائل کی اسکرین جلنے بجھنے لگی۔ جہاں آفاق یزدانی کا نام روشن ہو رہا تھا۔ فارہ رحیم کا دل بند ہونے لگا۔

اور پھر چند لمحے یوں ہی دل کو سنبھالنے میں گزر گئے۔

لیکن پھر اس ڈر سے کہ کہیں کال بند نہ ہو جائے۔ اس نے فوراً ہی کال ریسیو کر لی۔ مگر پھر بھی اس میں اتنی

ہمت نہیں تھی کہ وہ ہیلو کہتی یا پھر سلام کرتی۔ اسی لیے کال ریسیو کرنے کے باوجود وہ خاموش رہی۔ دوسری طرف آفاق بھی خاموشی کے اس احساس کو محسوس کر چکا تھا۔

"السلام علیکم!" گہری سانس کھینچتے ہوئے آفاق نے خود ہی خاموشی کی اس دیوار کو گرا دیا۔

"وعلیکم السلام!" فارہ نے بمشکل اس کے سلام کا جواب دیا۔ اس کے حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" آفاق کی آواز گمبھیر اور لہجہ کافی ٹھہرا ہوا سا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" فارہ بھی اپنے آپ کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گئی۔

"میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" وہ تھوڑا نارمل ہوا۔

"اب پوچھ رہے ہیں 'جب۔۔۔؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"جب؟" آفاق نے اسے بات کا تسلسل قائم رکھنے پہ اکسایا۔

"جب میں پوری طرح سے ڈسٹرب ہو چکی ہوں۔" فارہ کا لہجہ شکوہ آمیز تھا۔

"اوہ۔۔۔ تو پھر ایسے میں کیا کرنا چاہیے مجھے 'معذرت یا۔۔۔؟" اب کی بار آفاق نے بات ادھوری چھوڑی تھی اور فارہ نے اسے اکسایا تھا۔

"یا۔۔۔؟"

"یا تلافی۔۔۔؟" آفاق کو جملہ مکمل کرنا ہی پڑا۔

"اس کا فیصلہ میں آپ پہ چھوڑ دوں تو۔۔۔؟" فارہ نے بڑی آسانی سے اسے مشکل میں ڈالا۔

"فارہ! سارے فیصلے صرف مجھ پہ ہی مت چھوڑو۔ میں پہلے ہی ایک فیصلے کی کشمکش میں الجھا ہوا ہوں۔" فارہ کو آفاق کا لہجہ اس لمحے بکھرتا ہوا سا محسوس ہوا۔

"کیسا فیصلہ؟" وہ اندر سے ٹھٹک گئی۔

"یہی معذرت یا تلافی کا فیصلہ۔۔۔ بڑی مشکل میں ہوں کہ کیا کروں؟ معذرت کروں یا تلافی؟" آفاق حقیقتاً الجھا ہوا اور پریشان سا لگ رہا تھا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں آفاق! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" فارہ کا دل خدشوں اور وسوسوں کی زد میں آ گیا۔

"یہی سمجھنا اور سمجھانا تو مشکل ہو گیا ہے مجھ سے۔۔۔ میں پاگل ہو رہا ہوں فارہ۔۔۔ مجھے لگتا ہے کسی روز میرے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔" آفاق ضبط کے نہ جانے کن مراحل سے گزر رہا تھا۔

فارہ اس کی بات پہ دم بخود سی رہ گئی تھی کہ آفاق کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ یہ سب کیوں کہہ رہا ہے؟ ہوا کیا ہے آخر؟

"کیوں؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے آپ کے ساتھ؟ وجہ پوچھ سکتی ہوں؟" فارہ نے ایک بار پھر اپنے آپ کو سنبھالا۔

"وجہ۔۔۔؟" وہ اس کے سوال پہ چپ سا ہو گیا۔ کیونکہ اس کے پاس اس وجہ کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"بتائیے نا آفاق؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے آپ کے ساتھ؟" فارہ نے اصرار کیا۔

"تمہاری وجہ سے۔" وہ بے ساختہ ہی کہہ گیا۔

"میری وجہ سے؟ کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔؟" فارہ اس کی ہر بات پہ چونک رہی تھی۔

"فارہ! اگر میں تم سے معذرت کر لوں تو۔۔۔؟" آفاق کا لہجہ بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"معذرت۔۔۔ مگر کس چیز کی؟" فارہ روح تک کانپ گئی۔

"تمہارے دل کو مجروح کرنے کی معذرت۔۔۔ تمہاری محبت سے پھر جانے کی معذرت۔۔۔ تم سے شادی نہ کرنے کی معذرت۔۔۔ فارہ میں معذرت خواہ ہوں تم سے۔ مجھے معاف کر دو۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ نہ تم سے محبت کر سکتا ہوں' نہ شادی۔ اگر تمہاری محبت دیکھ کر تم سے شادی کر بھی لوں تو پھر بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا۔۔۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوائے عمر بھر کے رونے کے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم ابھی سے الگ ہو جائیں۔ دور ہٹ جائیں ایک دوسرے سے۔ آج ہی بچھڑ جائیں۔" آفاق کی آواز اور لہجہ کافی گمبھیر ہو رہا تھا۔

جبکہ فارہ کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ پہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا موبائل لرز گیا۔ اس نے بمشکل موبائل پہ اپنی گرفت مضبوط کی۔

"آفاق!" فارہ کو اپنی آواز کسی گہرے پاتال میں سے سنائی دیتی محسوس ہوئی تھی۔

"ایم سوری فارہ۔ ایم رئیلی سوری۔ میں بے بس ہوں۔ میں تمہاری محبت کا دم نہیں بھر سکتا۔ میں تو۔" اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا اسے موبائل کے ایر پیس سے فارہ کی سسکی سنائی دی۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ فارہ۔ میری بات سنو۔ ہیلو فارہ!" آفاق بے چینی سے بولا۔ لیکن فارہ کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے قالین پر جا گرا اور وہ دونوں ہاتھ چہرے پہ رکھے بیڈ پہ بیٹھی ہچکیوں سے رو پڑی۔ اس کی ہچکیاں اتنی شدت لیے ہوئے تھیں کہ منہ سے ہلکی ہلکی چیخوں کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ جن کو وہ اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ کے دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن جب اختیار سے باہر ہوا تو وہ ایک دم اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی۔ تاکہ اس کے رونے کی آواز باہر نہ جا سکے۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئے۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو۔ گڈ مارننگ۔" تیمور حیدر نک سک سے تیار بریف کیس ہاتھ میں پکڑے ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔

"گڈ مارننگ۔" جواباً عزت کی طرف سے کافی دھیما اور سست سا جواب آیا۔

"خیریت۔؟ آج مارننگ میں فریش نیس نہیں ہے۔" تیمور نے بریف کیس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہر مارننگ فریش نہیں ہوتی۔" عزت کا لہجہ اور انداز اب بھی دھیما تھا۔

"ہر مارننگ فریش نہیں ہوتی۔ لوگ اسے فریش بناتے ہیں۔ اور ہماری مارننگ تمہاری وجہ سے فریش ہوتی ہے میری جان۔" تیمور کافی نرمی اور پیار سے کہتا کرسی کھینچ کر عزت کے مقابل بیٹھ گیا۔ یہ تو ہمیشہ سے ان دونوں بہن بھائی کی عادت تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہی بیٹھتے تھے اور کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ عزت کی باتوں' شرارتوں اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

"اور میں اپنے دل و دماغ کی وجہ سے فریش ہوتی ہوں۔ جو کہ آج نہیں ہیں۔" عزت نے آہستگی سے جوس کا گلاس قریب کھینچ لیا۔ رابعہ بیگم اس وقت ان دونوں کے لیے فریش جوس بنواتی تھیں۔

"کیوں؟ کیا ابھی تک طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی تمہاری؟" تیمور نے بھی اپنے سامنے رکھا جوس کا گلاس اٹھا لیا۔

"پتا نہیں طبیعت کو کیا ہو گیا ہے۔ لگتا ہے ایک ہی جگہ پہ ٹھہر سی گئی ہے۔" عزت کے لہجے میں اداسی گھلی ہوئی تھی۔

"میرے ساتھ چلو گی؟" تیمور نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں؟" عزت کا سوال قدرے بے تاثر سا تھا۔

"فیصل آباد۔" تیمور نے لاپروائی سے کہا۔

"فیصل آباد؟ آپ فیصل آباد جا رہے ہیں؟" اسے حیرت ہوئی۔

"ہوں۔ ایک میٹنگ کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔ چلو گی؟" تیمور نے اس کی طبیعت کے پیش نظر اسے یہ پیش کش کی تھی۔

"میرا وہاں کیا کام؟" عزت نے کندھے اچکائے۔

"فارہ اور حماد و غیرہ سے مل لینا۔ طبیعت کچھ فریش ہو جائے گی۔" تیمور نے مشورہ دیا۔

"یعنی کہ میں یہ خراب موڈ لے کر وہاں جاؤں؟ ہونہہ۔ ضرورت ہی کیا ہے بھلا؟ اس سے تو بہتر ہے کہ گھر ہی بیٹھی رہوں۔" عزت نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انکار کر دیا۔

"خراب موڈ کو بہتر کرنے کے لیے ہی تو کہہ رہا ہوں۔"

"بٹ ایم سوری! میرا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔"

"اوکے۔ ایز یو وش۔" تیمور نے بھی کندھے اچکاتے ہوئے جوس کا گلاس دوبارہ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"تم جاؤ گے منزہ کے گھر؟" رضا حیدر نے ان دونوں کی گفتگو ختم ہونے کے بعد اخبار سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"ٹائم ملا تو ضرور جاؤں گا' ورنہ نہیں۔" اس نے بات ہی ختم کر دی۔

"اس طرح اچھا نہیں لگتا بیٹا! اگر فیصل آباد جا ہی رہے ہو تو ان کے گھر بھی چلے جانا۔ پچھلی بار بھی منزہ خفا ہو رہی تھی کہ تیمور فیصل آباد آ کر بھی ہمارے گھر نہیں آیا۔" رابعہ بیگم نے اسے سمجھایا۔

"لیکن مام! ہر بار ان کے گھر جانا بھی تو اچھا نہیں لگتا نا۔ حماد اور رحیم انکل تو اپنے اپنے کام میں بزی ہوتے ہیں۔ کبھی آفس میں' کبھی شہر سے باہر اور کبھی ملک سے باہر گئے ہوتے ہیں۔ ایسے میں گھر پہ صرف منزہ آنٹی اور فارہ ہی ہوتی ہیں۔ مجھے مناسب نہیں لگتا کہ میں جا کر ان کے پاس بیٹھ جاؤں۔ ہمینے میں اگر مجھے چار بار فیصل آباد جانا پڑتا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ چار بار مجھے ان کے گھر بھی جانا پڑے۔ بس کبھی کبھار کا جانا ہی ٹھیک رہتا ہے۔" تیمور نے کافی سنجیدگی سے انہیں اپنا نقطہ نظر سمجھانے کی کوشش کی۔ جسے رضا حیدر کافی اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔

"ہوں۔ ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ اچھی بات ہے۔ کبھی کبھار کا آنا جانا ہی ٹھیک ہوتا ہے۔ جو تمہیں مناسب لگتا ہے تم وہی کرو۔ مناسب لگے تو جاؤ۔ نہ لگے تو نہ جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" انہوں نے اپنی طرف سے تیمور کو کھلی اجازت دے دی تھی کہ وہ جو جی چاہے کر سکتا ہے۔

"تھینک یو بابا!" تیمور کافی ممنون ہوا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتے' تیمور کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو اسکرین پہ ولید کا نام روشن نظر آیا۔ تیمور کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے لائن کاٹ دی۔

"ہاں تو بابا۔ میں آپ سے کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ آج ذرا جلدی آفس چلے جائیے گا۔ ایک دو ضروری کام رہ گئے ہیں۔ اپنی نگرانی میں کروائیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔" وہ اپنا موبائل ٹیبل پہ رکھتے ہوئے دوبارہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن رضا حیدر کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی اس کا موبائل دوبارہ بجنے لگا۔

اس نے دوبارہ موبائل اٹھا کر دیکھا۔ اس مرتبہ بھی ولید کا نام ہی نظر آیا تھا اور تیمور نے دوبارہ کال منقطع کر دی۔

"کس کا فون ہے؟" رضا حیدر نے تیمور کو بار بار کال منقطع کرتے دیکھ کر پوچھ ہی لیا۔

"ولید کا۔" تیمور نے مختصراً بتایا۔ ولید کے نام پہ عزت نے ایک دم چونک کر دیکھا۔ اس کی نظر بے ساختہ تیمور کے موبائل تک گئی۔ جہاں ولید رحمان کی کال تیسری بار بج رہی تھی اور تیمور اسے تیسری بار کاٹ رہا تھا۔

عزت کو اچنبھا ہوا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تو سن لو نا بیٹا! وہ اتنی بار کال کر رہا ہے۔ بند کیوں کر رہے ہو؟" رابعہ بیگم نے اسے کال بند کرنے سے منع کیا۔
"سن لوں گا۔ فی الحال ٹائم نہیں ہے۔ مجھے جانا ہے فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔" وہ گھڑی دیکھتا ہوا کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ عزت بے چینی سے دیکھتی رہ گئی۔
"لیکن بیٹا! تم نے ناشتا تو کیا ہی نہیں؟"
"بس مام! جوس ہی کافی ہے۔ ناشتے کا موڈ نہیں ہو رہا۔" وہ ان کی طرف آیا اور ان سے ملنے کے بعد عزت کی طرف متوجہ ہوا۔
"او کے سوئٹی! میں چلتا ہوں۔ لیکن میری واپسی تک طبیعت اور موڈ فریش ہونے چاہئیں۔ ٹھیک ہے نا؟" اس نے اس کا سر تھپکتے ہوئے اس کے گھنگھریالے بال بکھیر ڈالے۔ وہ اس کے چھیڑنے والے انداز پہ بمشکل ہلکے سے مسکرائی۔
"او کے۔"
"ہوں۔ گڈ۔" وہ مسکراتا ہوا پلٹا اور پھر رضا حیدر سے ہاتھ ملا کر سب کو خدا حافظ کہہ کر بریف کیس اٹھا کے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"اف۔ یہ لائٹ کب آئے گی؟ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" مادرا کوفت کے مارے ادھر سے ادھر چکر کاٹتے ہوئے بجلی کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے یونیورسٹی جانا تھا۔ لیکن کپڑے ابھی استری نہیں ہوئے تھے۔
"رات کو جب لائٹ آئی تھی تو میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ کپڑے پریس کر لو۔ مگر مجال ہے کہ تم کسی کی بات پہ دھیان دو۔" عافیہ بیگم نے خفگی سے کہا۔
"امی! آپ کو پتا بھی ہے کہ میں اس وقت کمپیوٹر پہ بزی تھی۔ ایک ضروری کام نپٹانا تھا۔ اگر کپڑے پریس کرنے کے لیے اٹھ جاتی تو اتنے میں لائٹ بھی آف ہو جاتی۔" مادرا جھنجلا گئی۔
"افسوس کہ کبھی کبھی وقت پڑنے پہ دونوں ہی عقل سے کام نہیں لیتیں۔ عقل ہوتے ہوئے بھی بے عقلوں جیسی باتیں؟" بی گل نے اپنے سفید روئی سے بالوں میں کنگھی پھیرتے ہوئے انتہائی افسوس کا اظہار کیا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا؟" مادرا ان کی سمت پلٹی۔
"مطلب یہ ہے کہ جو نئے کپڑے سلوا کے رکھے ہوئے ہیں، وہ پہن جاؤ۔ کیا ضروری ہے کہ تمہیں انہی کپڑوں کو استری کر کے انہی کو پہن کے جانا ہے؟" بی گل نے انہیں اپنی عقل سے مشورہ دیا۔ اور مادرا ٹھٹک گئی۔
"ارے واہ بی گل! کیا کمال کا حل نکالا ہے آپ نے۔ مجھے اپنا نیا سوٹ تو یاد ہی نہیں تھا۔" مادرا حیرت اور خوشی کا اظہار کرتی اندر کمرے کی طرف بھاگی بی گل مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا کے رہ گئیں۔
اور تھوڑی دیر بعد مادرا وائٹ اور گرے امتزاج کے سوٹ میں ملبوس سادگی سے تیار ہو کر باہر نکل آئی۔ لیکن اسے دیکھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھتی عافیہ بیگم کے قدم ٹھٹک کر رک گئے۔ مادرا کی سادہ سی تیاری پہ بھی ان کی نظریں ٹھہر سی گئی تھیں۔ کیونکہ وہ اتنی سادگی کے باوجود بھی بہت خوب صورت اور پرکشش لگ رہی تھی۔ ان کا دل سہم سا گیا۔ شاید اس لیے کہ ان کا دل ایک ماں کا دل تھا۔ سوچوں اور خدشوں سے لبریز۔
"لگتا ہے کہ آج کچھ زیادہ ہی اچھی لگ رہی ہوں۔ مخالف پارٹی کی نظر ہی نہیں ہٹ رہی۔" مادرا نے عافیہ بیگم

کی نظروں کی محویت نوٹ کرتے ہوئے بی گل کے قریب آ کر شرارت سے اشارہ کیا۔ جس پہ عافیہ بیگم بھی چونک گئیں۔
"ہوں۔ لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے۔" بی گل بھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرائیں۔
"پھر یہ کہ اس صورت حال میں نظر اتاری جاتی ہے۔" بی گل نے پھر مشورہ دیا۔
"مخالف پارٹی جنس نظر سے بھی دیکھے۔ لیکن پھر بھی مجھے نظر نہیں لگا سکتی۔ اس کا تو مجھے ہنڈرڈ پرسنٹ یقین ہے۔" مادرا نے پورے یقین سے کہا۔ عافیہ بیگم سر جھٹک کر اندر چلی گئیں۔
"اوہ جی۔ مخالف پارٹی تو منظر سے ہی ہٹ گئی۔ اس لیے بہتر ہے کہ اب مجھے بھی چلنا چاہیے۔" مادرا مسکراتی ہوئی اپنا بیگ اٹھا کے خود بھی اٹھ گئی۔ اس کے خدا حافظ کہنے کے بعد پیچھے ان دونوں نے ہی "فی امان اللہ" کہا۔

☆ ☆ ☆

آج اس کا موڈ بہت خوش گوار تھا اور اس کے موڈ کی یہ خوشگواریت یونیورسٹی پہنچنے تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ لیکن یونیورسٹی پہنچتے ہی اس کی ساری خوشی اور تازگی ماند پڑ گئی۔ کیونکہ اس کی نظروں کے سامنے فارہ کا چہرہ تھا اور اس کے چہرے پہ سجی خوب صورت آنکھیں سرخ اور روئی روئی سی لگ رہی تھیں، جن کو دیکھتے ہی مادرا بھانپ گئی کہ ضرور محبت نے کوئی نیا ستم ڈھایا ہے یا کوئی نئی چال چلی ہے۔ لیکن مادرا نے پھر بھی استفسار کرنے سے گریز کیا اور معمول کی طرح پیش آئی۔
"ہیلو۔ کیسی ہو؟" مادرا اپنا بیگ گود میں رکھتے ہوئے اس کے قریب ہی سیڑھیوں پہ بیٹھ گئی۔
"ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کیسی ہو؟ بہت فریش، بہت پیاری لگ رہی ہو۔" فارہ نے اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے تعریف کی۔
لیکن مادرا کو اس کی تعریف پہ خوشی نہیں۔ بلکہ اس کی آواز پہ حیرت ہوئی تھی۔ اس کی آواز کافی بھاری اور بوجھل ہو رہی تھی۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کافی زیادہ روئی ہے۔ اتنا شدید کہ آنسو اس کی آنکھوں اور حلق میں خراشیں ڈال گئے ہیں۔
"تھینک یو۔ لیکن تم تو ایکسٹرا پیاری لگ رہی ہو۔ اتنی کہ بار بار دیکھنے کو دل چاہ رہا ہے۔" مادرا بہت کوشش کے باوجود بھی خود کو کچھ کہنے سے باز نہیں رکھ پائی۔
"ہاں۔ انسان جب تماشا بنتا ہے تو اسے اسی طرح بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔" فارہ کے لہجے میں تلخی اتر آئی یوں جیسے وہ اپنا مذاق خود اڑا رہی ہو۔
"ہونہہ۔ انسان کی اپنی حرکتیں ہی اسے سب کے سامنے تماشا بناتی ہیں میری جان! ورنہ کس میں اتنی جرات ہے کہ وہ اتنی آسانی سے اٹھ کر آپ کو تماشا بنا دے۔" مادرا کا لہجہ طنزیہ اور تیکھا ہو گیا۔
"انسان کی حرکتیں اسے سب کے سامنے تماشا بناتی ہیں نا؟ لیکن مجھے تو محبت تماشا بنا رہی ہے۔ میں نے تو کوئی ایسی ویسی حرکت بھی نہیں کی۔ بس صرف محبت کی ہے۔" فارہ بے بس اور گلوگیر لہجے میں کہتے ہوئے پھوٹ پڑی اور آنسو رخساروں پہ بہہ آئے۔
"ہونہہ۔ بی گل کہتی ہیں کہ محبت سے بڑا مداری تو تمہیں پوری دنیا میں نہیں ملے گا۔ کوئی مر کے بھی اس مداری کے ہاتھ نہ لگے۔ کیونکہ اس کا بنایا ہوا تماشا دس، بیس لوگ نہیں۔ بلکہ پوری دنیا دیکھتی ہے۔ تماشا ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

انسان بنتا ہے اور تماشائی پوری دنیا اور اس تماشا اور تماشائی کے بیچ مداری کون ہوتا ہے؟ محبت اور صرف محبت۔ محبت ایک ایسا مداری ہے جو شیر' بندر' ہاتھی' گھوڑے سب کو نچالیتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کو بھی۔ اور اس کا سب سے پہلا شکار انسان کا دل ہوتا ہے۔ جس کو نکیل ڈال کر وہ اپنے تماشے کے لیے تیار کرتا ہے۔ عجیب عجیب حرکتیں کرواتا ہے۔ طرح طرح کے کرتب سکھاتا ہے۔ شیر کی طرح بہادر' بندر کی طرح چھچھورا اور ہاتھی کی طرح ضدی بھی بنا دیتا ہے۔ رقص کرواتا ہے تو مور کی مانند۔ انسان کا دل اس کی ڈگڈگی کی لے پہ سدھائے ہوئے جانور کی طرح ناچتا ہے اور یہ مداری دل جیسے بے زبان جانور کو ناچتے ناچتے ایک دم سے پلٹا کھالینا بھی سکھا دیتا ہے۔ جس پہ کچھ تماشائی حیران ہوتے ہیں اور کچھ تماشائی خوش ہوتے ہیں اور میں حیران ہونے والے تماشائیوں میں سے ہوں۔ کیونکہ میں اس بات پہ حیران ہوں کہ آفاق یزدانی نے یہ پلٹا کیوں کھایا ہے؟ کیوں ناچتے ناچتے ایک دم سے پلٹ گیا ہے؟"

ماورا کی بات پہ فارہ دم بخود سی رہ گئی تھی۔ کیونکہ اس کی بی گل نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ لفظ لفظ سچ اور حقیقت۔ محبت واقعی کسی مداری سے کم تو نہیں تھی۔

"اور ہاں۔ بی گل نے یہ بھی کہا تھا کہ اس مداری کے کسی اچھے اور دل موہ لینے والے کرتب یا تماشے پہ خوش ہو کر کسی موج میں اپنی رسی اس کے ہاتھ میں مت تھما دینا۔ ورنہ وہ ناچ نچائے گا کہ زمانہ دیکھے گا اور تمہیں اس ناچ اور اس مداری کے سوا کچھ یاد نہیں رہے گا۔ یہ بھی بھول جاؤ گی کہ تم تماشا بن چکی ہو اور دنیا تماشائی۔" ماورا نے کہتے ہوئے فارہ کے چہرے کی سمت دیکھا۔ وہ کسی دکھ کی گہری اور دبیز تہہ تلے دبی گم صم سی پتھر ہوئی بیٹھی تھی۔

"اور میں نے پتا ہے بی گل سے کیا پوچھا؟" ماورا نے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"میں نے پوچھا۔ بی گل۔ اگر کوئی نادانی یا بے دھیانی میں اپنی رسی اس کے ہاتھ میں تھما ہی بیٹھے تو؟" وہ ذرا توقف کے لیے ٹھہری۔

"تو پتا ہے پھر بی گل نے کیا کہا؟" ماورا تو جیسے اسے کوئی قصہ سنا رہی تھی۔

"انہوں نے کہا کہ پھر تو اس کا اللہ ہی حافظ ہے اور آج تمہیں دیکھ کر مجھے لگ رہا ہے کہ انہوں نے واقعی ٹھیک کہا تھا۔ تمہارا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔ کوئی اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ مجھے اب چلنا چاہیے۔ کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔ البتہ تم ابھی یہیں بیٹھو۔ ہو سکتا ہے کوئی اور بھی تماشا دیکھنے کے لیے آجائے۔" ماورا اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی سے ٹائم دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کیونکہ پہلی کلاس شروع ہونے میں بس چند ہی منٹ رہ گئے تھے۔

"اور میں یہ سب مذاق میں نہیں کہہ رہی۔ سیریسلی کہہ رہی ہوں۔ یہ رونی صورت لے کر غم کا اشتہار بنی یوں بیچ راستے میں بیٹھو گی تو تماشا ہی بنو گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ کسی اور جگہ کا انتخاب کر لو۔ اوکے! سی یو لیٹر۔" ماورا طنزیہ لہجے میں کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

فارہ کا دل چاہا کہ چیخ چیخ کر روئے اور پوری دنیا کو اکٹھا کر لے اور اپنی ذات کا خود ہی تماشا بنا دے۔ لیکن افسوس کہ وہ ایسا بھی نہیں کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ایئرپورٹ سے نکل کر ابھی باہر لاؤنج میں آیا ہی تھا کہ حیران رہ گیا تھا۔ اس کے عین سامنے ہی حماد کھڑا تھا۔

تیمور حیران ہوا کہ وہ اسے ریسیو کرنے کے لیے آیا ہے۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں جناب؟" حماد نے قریب آتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"وعلیکم السلام! تم یہاں کیسے؟" تیمور نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"کیوں؟ کیا میں دہشت گرد ہوں' جو یہاں ایئرپورٹ پہ نہیں آسکتا۔" جواباً حماد نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"ارے نہیں یار۔ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میرے یہاں آنے کا تو کسی کو بھی پتا نہیں تھا۔" تیمور نے اپنی حیرانی کی وجہ بتائی تھی۔

"بے شک پتا نہیں تھا۔ لیکن ہماری سورس بھی بہت دور تک ہے جناب۔" حماد معنی خیز اور مبہم سے انداز میں مسکرایا۔

"کیا مطلب ہے؟ کیا سا شا نے۔" تیمور نے بے ساختہ پوچھا۔ جس پہ حماد بھی بے ساختہ ہی قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"ہاہاہا۔ "بالکل کریکٹ پہنچے ہو یار۔ کراچی میں میری سب سے بگ اینڈ فاسٹ سورس وہی تو ہے۔" حماد کافی محظوظ ہوا۔

"امیزنگ یار۔ اتنی شاندار سورس۔" تیمور خاصا متاثر ہوا۔

"تمہیں کیا پتا یار! کتنے فائدے ہیں اس چیز کے۔" وہ تیمور کی حیرانی انجوائے کرتا اس کے ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ کی سمت بڑھا۔

"کس چیز کے؟"

"یہی منگنی اور محبت وغیرہ کے۔" حماد بڑے سکون میں تھا۔

"ہاہاہا۔ منگنی اور محبت وغیرہ کے۔" اب ہنسنے کی باری تیمور کی تھی۔

"کیوں؟ تم کیوں ہنس رہے ہو؟ میں نے کچھ عجیب کہہ دیا کیا؟" حماد کو اس کے ہنسنے پر حیرت ہوئی۔

"عجیب نہیں' بلکہ بہت عجیب۔" تیمور مسکرا رہا تھا۔

"وہ کیسے؟" حماد نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ ایسے کہ منگنی اور محبت وغیرہ کے کتنے فائدے ہیں۔ یہ سب بابا مجھے چند روز پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ بلکہ گنوا چکے ہیں اور میرا ان فوائد وغیرہ سے فیض یاب ہونے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی خواہش ہے۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔

"بہت بورنگ انسان ہو یار۔ اچھے بھلے ہینڈسم اور شاندار پرسنالٹی والے بندے کو کم از کم ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے۔" حماد منہ بناتے ہوئے گاڑی کا لاک کھولنے لگا۔

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔!" تیمور بے حد مطمئن تھا۔

"ہونہہ۔ بورنگ۔" حماد منہ ہی منہ میں کہتا ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔ جبکہ تیمور وہیں کا وہیں کھڑا تھا۔

"اب بیٹھو ناں۔ باہر کیوں کھڑے ہو؟" حماد گاڑی اسٹارٹ کرتے کرتے رک گیا۔

"لیکن یار! میں نے گاڑی بک کروا رکھی تھی۔" تیمور نے اپنا مسئلہ بتایا۔ حماد گاڑی کی بکنگ کا سن کر اچھل کر گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"واٹ؟ تم نے گاڑی بک کروا رکھی ہے؟ ہمارے شہر میں آکر ہمارے ہوتے ہوئے تم گاڑی رینٹ پہ لو گے؟" حماد کو شاک لگا تھا۔

"سوری یار۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میرا خیال تھا کہ شاید آپ لوگ گھر پہ نہ ہوں۔ اس لیے میں خود ہی انتظام کروا لیتا ہوں۔" تیمور نے بات سنبھالی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیوں۔؟ ہم گھر پہ کیوں نہیں ہوں گے؟"
"یہی کام وغیرہ کے سلسلے میں۔" تیمور کو صفائی دینا پڑ گئی۔
"ہونہہ۔! کیا خوب کہی تم نے بھی۔ ہم اگر گھر پہ نہیں ہوں گے تو کیا ممی یا فارہ بھی گھر پہ نہیں ہوں گی؟ تم ممی کو فون کر کے بتا دیتے کہ تم فیصل آباد آرہے ہو۔ وہ تمہیں گاڑی بھیج دیں یا پھر میرے لیے پیغام دے دیتے۔ یہ بھی کوئی طریقہ ہے بھلا۔؟ خود ہی گاڑی بک کروالی۔" حماد کو کافی برا لگا تھا۔ جس پر تیمور نے دوبارہ سوری کیا۔
"او کے او کے سوری یار۔! میں گاڑی کی بکنگ کینسل کروا دیتا ہوں۔" تیمور نے کہتے ہوئے اپنے موبائل سے نمبر ڈائل کیا اور گاڑی کی بکنگ کینسل کروا دی۔ پھر حماد کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ تب جا کے حماد کا موڈ کچھ بہتر ہوا تھا اور اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

☼ ☼ ☼

ماورا کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد سیدھی فارہ کے پاس آئی تھی۔ فارہ کو ہنوز وہیں جوں کا توں بیٹھے دیکھ کر اس نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔
"چلو! اب اٹھو یہاں سے۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" ماورا نے ذرا سا جھکتے ہوئے اس کی کلائی پکڑی اور اسے اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔
"چلو۔!" ماورا نے اسے چلنے کا اشارہ کیا اور وہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ ماورا کا رخ کینٹین کی طرف تھا اور اس کے ساتھ ساتھ فارہ کا بھی۔
"بیٹھو۔!" ماورا نے خود ہی آگے بڑھ کے اس کے لیے کرسی کھینچ کے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور وہ چابی کی گڑیا کی طرح اس کے اشارے پہ ہی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد ماورا ویٹر کو آرڈر دینے کے بعد فارغ ہو کر کافی فرصت سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
"ہاں! اب بولو۔ کیا ہوا ہے؟ کیوں تماشا بنی بیٹھی ہو۔؟" ماورا کی نظریں فارہ کے چہرے پہ تھیں۔
"رات کو اس کا فون آیا تھا۔" فارہ کی آواز بے حد دھیمی تھی۔
"کس کا فون؟" ماورا نے کافی سنجیدگی سے استفسار کیا۔
"اسی کا' جو محبت میں غلام نہیں ہو سکتا۔" فارہ کی کیفیت بہت عجیب سی ہو رہی تھی۔
"کیا کہنے کے لیے؟" ماورا نے بے چینی سے پوچھا۔
"یہی کہ میں معذرت خواہ ہوں۔" فارہ کے لہجے میں تلخی اور نمی کی آمیزش گھل رہی تھی۔
"معذرت خواہ؟ مگر کس لیے؟" ماورا الجھ سی گئی۔
"محبت میں غلام نہ ہونے کے لیے۔" وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔
"مطلب۔؟" ماورا الجھی۔
"مطلب یہ کہ وہ کسی بھی طور میرا غلام نہیں ہو سکتا۔ نہ مجھ سے محبت کر کے۔ نہ مجھ سے شادی کر کے۔ اس لیے وہ فون کر کے معذرت خواہ ہو رہا تھا۔" وہ نجانے کیسے خود پہ ضبط کیے بیٹھی تھی اور اس کی باتوں کے جواب دے رہی تھی۔
"اوہ۔! تو پھر تم نے کیا کیا؟ اس کی معذرت قبول کر لی؟ بخش دیا اسے؟" ماورا کا لہجہ اور انداز بدل چکا تھا۔
"اس نے میری محبت قبول نہیں کی۔ میں اس کی معذرت کیسے قبول کر سکتی ہوں بھلا؟ بخش دینا آسان تو نہیں بخشنے میں بھی کچھ وقت لگتا ہے۔"

فارہ نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے ایک دم پلکیں جھکا لیں۔
"یعنی مستقبل میں بخش دو گی؟" ماورا کا انداز مسخرانہ تھا۔
"تو اور کیا کروں؟ کیا سزا دوں اسے؟ اس نے نہ سہی میں نے تو محبت کی ہے نا؟ دو سال محبت کی ہے اس سے۔ اور اب یہ دو سال کی محبت تیسرے سال میں نظر آنے لگی ہے سب کو۔ اس کے گھر والوں کو بھی اور میرے گھر والوں کو بھی۔ اس دو سال کی محبت میں وہ میرا غلام نہیں بن سکا۔ لیکن میں تو اس کی کنیز بن چکی ہوں نا؟ اور میں تو وہی کروں گی نا' جو وہ کہے گا۔ آخر میں اس کی کنیز جو ٹھہری۔" فارہ روتے روتے جذباتی ہو گئی اور اس جذباتی پن میں اس کی آواز اتنی بلند ہو چکی تھی کہ آس پاس کی میزوں پہ بیٹھے اسٹوڈنٹس بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔
"مزید تماشا مت بنو فارہ۔ سب دیکھ رہے ہیں۔" ماورا نے اسے دبے لہجے میں تنبیہہ کی۔
"تماشا بن چکا ہے ماورا۔ تماشا بن چکا ہے۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ سب دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ ابھی اور بھی بہت سے لوگ دیکھیں گے۔" اب کی بار وہ بمشکل خود پہ قابو پاتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔
"دیکھو فارہ! میرا خیال ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تمہیں اس وقت گھر جانا چاہیے۔" ماورا نے اس کی حالت کے پیش نظر اسے وہاں سے بھیجنا چاہا۔
"نہیں۔! میں ٹھیک ہوں اب۔ بس! تم مجھ سے اس ٹاپک پہ کوئی بھی بات مت کرو۔ مجھے جتنا رونا تھا' رو لیا۔ اب اور نہیں۔" فارہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے رگڑ رگڑ آنسو پونچھتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی اور محض چند لمحوں میں ہی خود کو سنبھالنے کی ایک کامیاب کوشش کی۔
اور پھر واقعی باقی کا پورا دن ان دونوں کے درمیان دوبارہ اس موضوع پہ کوئی اور بات نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے باقی کا دن قدرے اچھا گزر گیا۔ انہیں چار بجے یونیورسٹی سے فارغ ہونا تھا تو وہ دونوں گیٹ سے باہر نکل آئیں۔
"او! میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔" فارہ نے گیٹ سے نکلتے ہی اسے پیش کش کی۔
"نو تھینکس یار! مجھے ابھی مارکیٹ جانا ہے۔" ماورا نے نفی میں سر ہلایا۔
"مارکیٹ؟" فارہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"ہوں۔! وہ دراصل مجھے موبائل سیٹ اور سم کارڈ لینا ہے۔" ماورا نے کافی نارمل سے انداز میں بتایا تھا لیکن فارہ کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔
"ریئلی؟ تم موبائل لے رہی ہو؟"
"آف کورس یار! بتایا تو ہے۔"
"لیکن یار۔! مجھے یقین نہیں آرہا۔ آنٹی نے تمہیں اجازت کیسے دے دی؟" فارہ حد سے زیادہ حیران تھی۔
"میں نے موبائل لینے کے لیے ان سے اجازت نہیں لی۔ بلکہ انہوں نے خود مجھ سے کہا ہے کہ تم موبائل لے لو۔" ماورا نے اسے مزید حیران کیا۔
"حیرت کی بات ہے یار! یہ سب کیسے ہو گیا؟" فارہ کو ماورا کے موبائل لینے کا سن کر جہاں بے حد حیرت ہوئی تھی' وہیں بے انتہا خوشی بھی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کی ایک ہی تو دوست تھی اور اس کے پاس بھی موبائل کی سہولت موجود نہیں تھی۔
"کب ہوا؟ کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ یہ تو نہیں پتا۔ بس ہو گیا ہے۔ اتنا ضرور جانتی ہوں۔" ماورا نے کندھے اچکائے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"او کے او کے۔! جو بھی ہوا ہے اچھا ہوا ہے۔ تم بس جاؤ اور موبائل لے آؤ اور سم کارڈ ایکٹیویٹ کرتے ہی مجھے میسج کر کے بتانا۔" تقارہ نے فوراً اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ اور وہ بے ساختہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

ساڑھے پانچ وہ میٹنگ سے فارغ ہو کر میٹنگ ہال سے باہر نکلا ہی تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔

"ہیلو۔!" کال کرنے والا حماد تھا۔ اس لیے اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"میٹنگ ختم ہوئی؟" حماد کو کسی کام سے جانا پڑ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کا دھیان تیمور کی طرف ہی تھا۔ اسے اسی کی فکر ہو رہی تھی۔ اسی لیے بار بار ایس ایم ایس اور فون کالز کر رہا تھا۔

"ہاں! ابھی فارغ ہوا ہوں۔" تیمور اس سے بات کرتا پارکنگ میں آ گیا۔

"ڈرائیور کو بھیجوں؟" حماد اپنی گاڑی بھی تیمور کے پاس ہی چھوڑ گیا تھا۔

"ارے نہیں یار! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ڈرائیو کر لوں گا۔" تیمور نے اسے منع کیا تھا۔

"تو پھر گھر پہنچ رہے ہو ناں؟"

"ظاہر ہے بھئی۔ اور کہاں جانا ہے؟" تیمور گاڑی کا دروازہ کھول کر بریف کیس فرنٹ سیٹ پہ رکھ کر خود ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔

"او کے۔! تو پھر میں بھی گھر ہی پہنچ رہا ہوں۔" حماد نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ تیمور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے روڈ پہ لے آیا۔

اجنبی شہر کی اجنبی سڑکیں اور اجنبی گاڑی کا اجنبی ماحول۔ اسے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ کیونکہ اس شہر کے باسیوں میں وہ خود بھی ایک اجنبی تھا۔

لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اجنبی شہر چند لمحوں میں ہی اس کے لیے بہت خوب صورت پُرکشش اور اپنے پن کا روپ دھار جائے گا اور اسے اس شہر اس ماحول اس گاڑی اور ان سڑکوں سے بھی رغبت ہو جائے گی۔

اس کی زندگی میں یہ شام سے پہلے کا وقت ٹھہر جائے گا۔

اس کی سوچوں کا جہاں آباد ہو جائے گا اور وہ ان سوچوں سے فرصت کے لیے بھی ترسے گا۔ یا پھر یہ کہ اس حبس زدہ دن کا یہ تنگ اور قلیل وقت اس کی دنیا بدل کے رکھ دے گا۔

بہر حال جو بھی تھا۔ بس چند لمحوں کا دورانیہ اور ایک نظر کی بھول تیمور حیدر سے سب کچھ سمیٹ کر لے گئی۔

برسوں سے قید پنچھی اڑ چکا تھا۔ اور وہ خالی ہاتھ رہ گیا۔

ہوا بس اتنا تھا کہ اس کی گاڑی ٹریفک جام میں پھنس گئی تھی۔ کیونکہ اس روڈ پہ گندم سے لدا ٹرالر الٹ گیا تھا اور روڈ بلاک ہو چکا تھا۔ اس لیے اب اس روڈ پہ گاڑیوں کا ایک اژدحام جمع تھا۔

شہری اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھے راستہ صاف ہونے کے انتظار میں جھنجلا رہے تھے۔ کیونکہ ٹریفک کا اژدحام اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ اب نہ آگے کا راستہ سجھائی دے رہا تھا۔ نہ پیچھے کا۔ بس ہر طرف شور ہی شور سنائی دے رہا تھا۔

ایسے میں تیمور نے باہر کے ماحول سے آگاہ ہونے کے لیے ذرا کی ذرا گاڑی کا شیشہ نیچے کیا تھا اور اس کی نظر شیشے کی قید سے رہا ہوتے ہی آسمان تک جا پہنچی تھی۔ تیمور حیدر کو تو وہ آسمان کی مانند ہی لگی تھی۔

اپنی جگہ پہ قائم دائم ہمکمل اور پُرسکون یوں جیسے دنیا اس کے نیچے اس کے تابع تھی۔ کیونکہ اس کی شخصیت اور اس کی ذات کا غرور اس کے لاتعلق انداز سے ہی جھلک رہا تھا۔

اور تیمور حیدر ذرا فاصلے پہ کھڑی بس کی بڑی سی کھڑکی کی سمت دیکھتا رہ گیا تھا۔!

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی گتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

مادرا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایرپورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔

منزہ ثمینہ تیمو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حسنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اُسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ منزہ رحیم' آفاق کی بدتہذیبی پر اس سے خفا ہو کر واپس لوٹ آتی ہیں۔ آفاق مسلسل کشمکش و بیچ کا شکار ہے۔ وہ فارہ کو فون کر کے اس سے شادی کرنے سے معذرت کر لیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔

تیمور کو پتا چلتا ہے کہ ولید کرائم رپورٹر بن گیا ہے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ عزت ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے۔ عافیہ بیگم نادرا کو موبائل خریدنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ تیمور ایک میٹنگ کے سلسلے میں فیصل آباد جاتا ہے۔ واپسی میں ٹریفک جام میں اس کی نظر بس میں بیٹھی مادرا پر پڑ جاتی ہے۔ وہ اسے دیکھتا رہ جاتا ہے۔

چوتھی قسط

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔
ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
ہر ای ئبک آن لائن پڑھنے کی سہولت
ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
ہر ای ئبک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای ئبک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
ہر کتاب کا الگ سیکشن
ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
We Are Anti Waiting WebSite
واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے
ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں
اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں
WWW.PAKSOCIETY.COM
Online Library For Pakistan
Like us on Facebook
fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اتنے ہنگامہ خیز ماحول میں اتنا پرسکون منظر تیمور حیدر کے لیے اچنبھے کا باعث تھا۔

بس کے تمام شیشے اتنی شدید گرمی اور حبس کی وجہ سے اوپر چڑھا دیے گئے تھے۔ اس لیے بس کے اندر کی صورت حال بھی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ بس لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اتنی کہ تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں تھی۔ لوگ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہے تھے۔

اور وہ تھی کہ کھڑکی کے بالکل ساتھ بیٹھی انتہائی پرسکون اور آس پاس کے ماحول سے بے خبر کوئی میگزین پڑھنے میں مصروف تھی۔ یوں جیسے وہ اس ٹوٹی پھوٹی سی بس میں نہیں 'بلکہ اپنی ذاتی لگژری گاڑی میں براجمان ہو۔

تیمور حیدر کو اس افراتفری کے ماحول میں حقیقتاً "اس لڑکی کے سکون اور لاپروائی نے بہت متاثر کیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ متاثر تو وہ اس کی صورت سے بھی ہو چکا تھا اور اس کی نظریں اسی پہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ پہلے نادانستہ اور اب وہ اسے دانستہ دیکھ رہا تھا۔

بار بار دیکھ رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہوئے تیمور حیدر کو یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ اسے اس کوفت زدہ بے زار کن اور ہنگامہ خیز ماحول میں پھنسے ہوئے کتنی دیر گزر گئی ہے اور وہ کب سے اپنے آس پاس کو فراموش کیے بیٹھا ہے۔

اور شاید اسی فراموشی کے عالم میں اسے اتنی دیر اور گزر جاتی۔ اگر حماد رحیم دوبارہ کال کر کے مداخلت نہ کرتا۔ اس نے ایکدم چونکتے ہوئے کال ریسیو کی۔

"ہیلو...!" تیمور حیدر کی بے دھیانی اس کے ایک "ہیلو" سے ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"ارے یار...! کہاں رہ گئے؟ اتنی دیر ہو چکی ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ بس گھر پہنچ رہے ہو۔" حماد پریشان ہو رہا تھا۔

"بس یار...! ٹریفک جام میں پھنس گیا ہوں۔ راستے میں شاید کوئی ٹرالر الٹ گیا ہے۔ اس لیے ساری سڑک بلاک ہو چکی ہے۔" تیمور نے فون پر حماد کو جواب دیتے ہوئے ایک بار پھر اس بس کی کھڑکی کی سمت دیکھا۔ جس کا پرسکون منظر اب ذرا حرکت میں تھا۔

وہ ہاتھ میں پکڑا میگزین تہہ کر چکی تھی اور اپنی گداز کلائی موڑ کر سرخ چین والی رسٹ واچ سے ٹائم دیکھ رہی تھی۔

گویا اب اسے بھی وقت کا احساس ہو چکا تھا۔ اس کے اس احساس پہ تیمور حیدر کو بے ساختہ اک بے چینی سی ہوئی تھی اور اس کا دھیان حماد کی کال کی طرف سے ہٹ گیا۔

"اوہ نو...! میں آجاؤں تمہیں لینے کے لیے؟" حماد کی پریشانی بڑھ گئی۔

لیکن تیمور حیدر بھلا کب سن رہا تھا... اس کا تو سارا دھیان صرف اس بس کی طرف تھا۔

"تیمور! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔ کہاں ہو؟ سن بھی رہے ہو یا نہیں؟" حماد اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔

"ہوں... ہاں... کہو! کیا کہہ رہے ہو؟" وہ بڑی مشکل سے متوجہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا سارا دھیان تو بس کی طرف تھی۔ وہ بس آہستہ آہستہ سرکتی ہوئی چند انچ آگے بڑھ گئی تھی اور اس لڑکی کا چہرہ تیمور کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اب اسے اس کا سفید اور سرمئی امتزاج کا دوپٹا کھڑکی سے جھانکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

تیمور کی کوشش تھی کہ وہ بھی کسی طرح اپنی گاڑی کو تھوڑا آگے لے جائے۔ تاکہ وہ پھر سے اسے واضح دیکھ سکے۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ کیا میں آجاؤں تمہیں لینے کے لیے؟" حماد کو اب غصہ آنے لگا تھا۔ وہ تیمور کی غائب دماغی اور "ہوں ہاں" سے زچ ہو چکا تھا۔

"نن... نہیں یار...! کوئی فائدہ نہیں ہے تمہارے آنے کا۔ میں ٹریفک کے بالکل سینٹر میں ہوں۔ نہ آگے بڑھنے کا راستہ ہے 'نہ پیچھے ہٹنے کا۔ تم یہاں آکر بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے۔" تیمور نے اسے ساری صورت حال سمجھائی۔

"گویا تم وہاں یوں پھنس گئے ہو کہ جیسے کوئی کسی کی محبت میں پھنس جاتا ہے۔ نہ آگے بڑھنے کا راستہ 'نہ پیچھے ہٹنے کا۔" حماد نے قہقہہ لگا کر کافی برجستہ کہا۔

"ہاں... لگ تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی رہا ہے۔" تیمور کی نظریں پھر سے اس بس کی کھڑکی پہ جا ٹھہریں۔

"تو پھر کیا کرو گے اب؟" حماد نے اب کی بار ذرا ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کوشش...!" تیمور کا جواب کافی مختصر سا تھا۔

"کس چیز کی؟" حماد نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"آگے بڑھنے کی یا پیچھے ہٹنے کی۔" تیمور حیدر کے اس وقت جواب ہی کچھ اور تھے۔ جن کو فی الحال حماد رحیم بالکل نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"مسٹر تیمور حیدر...! مرد وہی ہوتا ہے 'جو آگے بڑھے۔ پیچھے ہٹنا مردوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔ اس لیے جیسے بھی سہی بس جلدی گھر پہنچو۔ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور ممی تو کافی پریشان بھی ہو رہی ہیں تمہارے لیے۔" حماد نے اسے تاکید کی۔

"اوکے...! بس تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا۔ ٹریفک آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ شاید راستہ کھلنے والا ہے۔" تیمور کی نظریں ٹریفک پہ ہی تھیں۔

"اوکے... اللہ حافظ۔" حماد نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

تیمور نے سیل فون ڈیش بورڈ پہ رکھا اور گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھا کر اس بس کے برابر لے آیا۔ اب ذرا قریب آجانے پہ وہ اسے اور بھی واضح دیکھ رہا تھا۔

اور شاید یہ تیمور حیدر کی پرشوق نظروں کی محویت کا اثر تھا کہ وہ لڑکی ذرا سا چونک گئی۔ اس نے بے ساختہ بائیں طرف کھڑی گاڑی کی سمت دیکھا۔

وہ سیاہ لینڈ کروزر تھی۔ جس کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا وہ شاندار پرسنالٹی کا مالک شخص اسے ہی دیکھے جا رہا تھا اس کے اس طرح دیکھنے پہ اس لڑکی کے ماتھے پہ ناگوار سی سلوٹیں پڑ گئیں۔ جن کو دیکھ کر تیمور حیدر کو سخت شرمندگی ہوئی۔ اس نے سر جھکا کر اپنی نظریں اس کی طرف سے ہٹا لیں۔

لیکن وہ زیادہ دیر اس کی طرف سے لاتعلق نہیں رہ سکا۔

کیونکہ اچانک راستہ کھل گیا اور ہر طرف بھگدڑ سی مچ گئی۔ ٹریفک کسی سمندری ریلے کی طرح آگے کو بڑھا۔

اور تیمور حیدر نے وہ حرکت کر ڈالی 'جو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی ایسا بھی کر سکتا ہے۔

حیدر گروپ آف انڈسٹریز کا مالک تیمور حیدر اس وقت بس میں سوار ایک لڑکی کا پیچھا کر رہا تھا۔ کوئی دیکھ لیتا تو ایشو بنا دیتا۔

لیکن تیمور حیدر اس وقت اپنی ساکھ 'اپنی پرسنالٹی اور اپنی عزت 'سب کچھ پس پشت ڈالے بس اس لڑکی کا اتا پتا جاننے کی کوشش میں تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اب اگر اس لڑکی کے بارے میں پتا نہ چلا تو پھر کبھی پتا نہیں چلے گا اور وہ اسے ڈھونڈتا رہ جائے گا۔

لیکن اسے کیا پتا تھا کہ وہ اس کا پیچھا کرنے کے بعد بھی اسے ڈھونڈتا ہی رہ جائے گا۔

ملگجے سے اندھیرے کی وجہ سے تیمور کو پتا ہی نہ چلا کہ وہ لڑکی نجانے کب اور کس بس اسٹاپ پر اتر گئی ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیونکہ بس جہاں جہاں رکتی تھی' وہاں چار پانچ لوگ ضرور اترتے تھے اور وہ بھی کہیں انہی لوگوں کے ساتھ بس سے اتر گئی تھی۔

"او شٹ۔۔۔!" تیمور حیدر کو جب اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تو وہ اسٹیرنگ پہ مکا رسید کر کے رہ گیا۔ اس کی ساری کوشش رائیگاں چلی گئی

☼ ☼ ☼

ماورا اپنی بس کے ساتھ ساتھ آنے والی گاڑی کو دیکھتے ہوئے مشکوک ہو گئی۔ کیونکہ اس نے کافی دیر سے اس گاڑی میں براجمان آدمی کو اپنی سمت دیکھتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ چنانچہ وہ اس آدمی کی کسی اگلی حرکت سے بچنے کے لیے اپنے مطلوبہ بس اسٹاپ پہ اترنے کی بجائے اس سے ایک اسٹاپ پہلے ہی اتر گئی اور پھر وہاں سے باقی کا راستہ پیدل چلتی ہوئی گھر تک آئی تھی' گھر آکر بھی وہ اس آدمی کی حرکت کو ذہن سے محو نہیں کر سکی۔

"السلام علیکم!" اس نے اندر داخل ہوتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کہاں رہ گئی تھیں تم؟ اتنی دیر کیوں لگا دی؟" عافیہ بیگم اس کے لیٹ ہونے پر پریشان تھیں۔

"سوری امی۔۔۔! یونیورسٹی کے بعد مارکیٹ چلی گئی تھی۔ وہاں سے سیل فون اور سم کارڈ لینے میں ہی اتنا ٹائم لگ گیا تھا اور باقی کی رہی سہی کسر راستے میں پوری ہو گئی۔ روڈ پہ گندم سے لوڈ ٹرالا الٹ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اتنی دیر سڑک بلاک رہی۔۔۔ اور وہاں تو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے پورا شہر اسی ایک روڈ پہ ہی جمع ہو گیا ہو۔" ماورا تھکے تھکے انداز میں کہتی ہوئی صحن میں بچھی چارپائی پہ ہی بیٹھ گئی۔

"وہ! ایک تو یہ بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ روز کسی نہ کسی وجہ سے سڑکیں بلاک ہو جاتی ہیں۔" عافیہ بیگم خفگی سے کہتے ہوئے جائے نماز بچھا کر مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑی ہو گئی تھیں۔ اتنے میں پل کل نماز سے فارغ ہو کر ماورا کے پاس ہی آبیٹھیں۔

"لے لیا تم نے سیل فون اور نمبر وغیرہ؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی۔۔۔! لے لی ہے۔ یہ دیکھیں۔" ماورا اپنے بیگ سے موبائل سیٹ کا ڈبا نکالتے ہوئے بولی۔ اس نے پیکنگ کھول کر انہیں وہ سیٹ دکھایا اور اس کے بعد وہ سم ایکٹیویٹ کروانے میں لگ گئی اور یوں تھوڑی دیر کے لیے اس آدمی کی حرکت اس کے ذہن سے محو ہو گئی۔

اس کا ذہن اپنی اس چھوٹی سی خوشی میں مگن ہو چکا تھا۔ جس پہ عافیہ بیگم بھی خوش تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے تیمور بھائی! آپ آج کچھ غیر حاضر سے لگ رہے ہیں؟"

یہ قارہ کا حوصلہ تھا کہ وہ دل پہ پتھر رکھے سب کے سامنے نارمل نظر آنے کی کامیاب کوشش کر رہی تھی۔

"غیر حاضر۔۔۔ مطلب۔۔۔؟" تیمور نے چونک کر پوچھا۔

"غیر حاضر کا مطلب ہے کہ آپ یہاں ہمارے پاس ہو کر بھی ہمارے پاس نہیں لگ رہے۔ کہیں اور ہی پہنچے ہوئے ہیں۔" قارہ کا اندازہ درست تھا۔ تیمور بے ساختہ سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

"ارے نہیں۔۔۔! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس تھوڑا تھک گیا ہوں آج۔" اس نے ذرا مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے بیٹا۔۔۔! تم تھک گئے ہو تو آرام کرو نا۔ یہ بے وقت محفل لگانے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟ حماد! جاؤ بیٹا' تیمور کو بیڈ روم تک چھوڑ آؤ۔ اسے آرام کرنے دو۔ ویسے بھی کافی ٹائم ہو رہا ہے۔" منزہ رحیم' تیمور کی تھکن کا سن

کر فوراً اس کے آرام کے لیے فکر مند ہو گئیں۔

"ارے! نہیں نہیں آنٹی۔۔۔! اب ایسی بھی تھکن نہیں ہے کہ میں سر شام ہی کھانا کھا کر بستر پہ جا کے لیٹ جاؤں۔ ابھی تو مجھے قارہ کے ہاتھ کی چائے بھی پینی ہے۔" تیمور نے کہتے ہوئے قارہ کی سمت دیکھا۔ وہ اس کی فرمائش پہ مسکرا دی۔

"ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔" قارہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔

"ہاں۔۔۔! ایسے مہمان روز روز نہیں آتے۔ بلکہ زبردستی لائے جاتے ہیں۔" حماد بے ساختہ جل کے بولا۔ تیمور اس کے انداز پہ بے ساختہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔ آج واقعی حماد نے اسے مہمان بنانے کے لیے بڑے جتن کیے تھے۔

"ہاں۔۔۔! یہ تو آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ کراچی والے نہ خود کسی کے مہمان بنتے ہیں اور نہ کسی اور کو اپنا مہمان بننے دیتے ہیں۔ بس ان کو کام کے علاوہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔" قارہ جاتے جاتے ٹھہر گئی اور پھر تیمور کی سمت دیکھتے ہوئے کافی خفگی کا اظہار کیا۔

"اف۔۔۔! یہ کس کس کا غصہ مجھ پہ نکالا جا رہا ہے آج۔۔۔ کیا مجھے اسی لیے مہمان بنایا گیا ہے کہ رات بھر شہر والوں کا نام لے لے کر طعنے دیے جائیں؟" تیمور نے مصنوعی بوکھلاہٹ کا اظہار کیا۔ جس پہ وہ تینوں ہنس پڑے۔

"جی ہاں۔۔۔! ایک ہی مچھلی سارے تالاب کو گندا کرتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص کی حرکت پہ پورا شہر بدنام ہو جاتا ہے اور آپ جیسے اچھے لوگ بھی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔" قارہ کی بات تیمور کے دل کو لگی تھی۔

"بالکل۔۔۔! یہ تو تم سو فیصد درست کہہ رہی ہو۔ جیسے ایک شخص کی وجہ سے پورا شہر برا لگنے لگتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی کسی ایک شخص کی وجہ سے پورا شہر اچھا بھی لگنے لگتا ہے۔ ہر چیز اچھائی کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔" تیمور کا دھیان پھر اس لڑکی کی طرف چلا گیا اور اس کے بعد بھی وہ رات بھر اسے ہی سوچتا رہا تھا۔

اس لڑکی میں نجانے کیسی کشش تھی' جو تیمور حیدر کو پوری طرح سے اپنی سمت کھینچ چکی تھی۔ اور وہ چاہ کر بھی اس کی طرف سے دھیان نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

وہ فیصل آباد کی سڑکوں اور بسوں میں بھٹک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں سوز محبت ہوں
میں ایک قیامت ہوں
میں اشک ندامت ہوں
میں گوہر یک دانہ
میں نعرہ مستانہ
میں شوخی رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں؟
پی کر بھی کہاں جانا۔۔۔؟
میں نعرہ مستانہ۔۔۔!

اس کے بیڈ روم میں عابدہ پروین کا "نعرہ مستانہ" آج بھی اونچی آواز میں گونج رہا تھا اور وہ ٹیرس پہ کھڑی اسے سننے میں محو تھی۔ فضا میں اچھی خاصی خوشگواریت محسوس ہو رہی تھی اور اس خوشگواریت کی بڑی وجہ تھی کہ آج

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوا بہت تیز تھی اور سورج کے تن پہ سرمئی بادلوں کا ملگجا سا لباس نظر آرہا تھا۔ جس کی وجہ سے سورج غروب ہونے سے پہلے ہی موسم اور ماحول ٹھنڈے اور خوشگوار سے لگنے لگے تھے۔ موسم سے لطف اٹھانے کے لیے وہ ٹیرس پہ نکل آئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ ریلنگ پہ رکھے سر اٹھائے آسمان کی وسعتوں میں دیکھ رہی تھی جب اچانک اس کی سماعتوں سے قدرے مانوس سی آواز ٹکرائی تھی۔

"تیمور صاحب کہاں ہیں۔۔۔؟" عزت نے اس آواز پہ ایک دم چونک کر نیچے دیکھا۔ ولید رحمان گیٹ کے قریب کھڑا ملازم سے تیمور کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"صاحب۔۔۔! وہ تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ کو نہیں پتا کیا؟" ملازم کو حیرانی ہوئی۔ کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ہمہ وقت باخبر جو رہتے تھے۔

"نہیں۔۔۔ وہ دراصل میرا اس سے کانٹیکٹ نہیں ہو رہا۔ اس لیے مجھے نہیں پتا کہ وہ کہاں ہے۔ شہر میں یا شہر سے باہر۔" ولید نے نفی میں سر ہلایا۔

"اوہ! اچھا اچھا۔۔۔ وہ تو شاید فیصل آباد گئے ہوئے ہیں۔ مگر امید ہے کہ آج یا کل واپس آجائیں گے۔" ملازم نے تفصیل سے بتایا۔

"اوکے۔۔۔! جب وہ آئے تو اسے میرا بتا دینا کہ میں آیا تھا۔" ولید کہہ کر پلٹ گیا۔

"رئیس۔۔۔!" عزت نے بے اختیار ملازم کو پکارا اس کی آواز پر گیٹ کی سمت بڑھتے ہوئے ولید کے قدم بھی رک گئے۔ اس نے ٹھٹک کر ٹیرس کی سمت دیکھا۔ وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔

"جی۔۔۔ بی بی جی۔۔۔!" ملازم نے فوراً تابعداری کا مظاہرہ کیا۔

"ولید صاحب کو اندر ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں آرہی ہوں۔" ملازم کو حکم صادر کر کے وہ اپنے بیڈ روم کی طرف پلٹ گئی۔ ولید اس کے حکم پہ جز بز سا ہو کے رہ گیا۔

عزت نے بیڈ روم میں آکر ڈیک آف کیا۔ پھر اپنا پسندیدہ پرفیوم اسپرے کر کے نازک سے فلیٹ سینڈل پہنے اور بیڈ روم سے باہر نکل آئی۔ اس کا رخ نیچے ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔ وہ سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آگئی۔

"نوری۔۔۔!" اس نے کچن کی طرف جاتی ملازمہ کو آواز دی۔

"جی۔۔۔ بی بی جی۔۔۔" نوری فوراً اس کی طرف پلٹی۔

"ڈرائنگ روم میں کچھ ٹھنڈا وغیرہ بھجواؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔

"جی۔۔۔!" نوری سر ہلا کر پلٹ گئی۔

عزت اطمینان سے قدم اٹھاتی اندر ڈرائنگ روم میں آگئی۔

"السلام علیکم!" ولید اسے دیکھتے ہی صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم السلام! تشریف رکھیے۔" عزت نے صوفے کی طرف اشارہ کیا مجبوراً ولید کو دوبارہ بیٹھنا پڑا۔ لیکن اس کا چہرہ اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

"کیسے ہیں آپ۔۔۔؟" عزت نے خود ہی بات کا آغاز کیا تھا کیونکہ ولید رحمان کی طرف تو ایسے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے۔۔۔! بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" مروتاً ولید کو بھی اس کا حال احوال پوچھنا ہی پڑا۔

"میری طبیعت اس روز سے سنبھلی نہیں ہے ولید صاحب۔۔۔! بلکہ اور بگڑ گئی ہے۔" عزت کا لہجہ عجیب سا تھا۔ جس پہ ولید نے چونک کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیوں؟ کیا ہوا آپ کو؟" ولید کا سوال بے ساختہ تھا۔
"یہی جاننے کے لیے تو آپ کو اندر بلایا ہے۔" عزت کا لہجہ ایک پل میں دھیما پڑ گیا۔
"کیا مطلب؟ کیا جاننے کے لیے۔؟" ولید کے دماغ میں ٹک ٹک سی ہونے لگی تھی۔ جیسے پھر سے کوئی بم بلاسٹ ہونے والا ہو۔
"یہی کہ کیا آپ بھی وہی محسوس کر رہے ہیں جو میں کر رہی ہوں؟"
ٹک ٹک کی آواز ایک دم تیز ہوتے ہوتے پھٹ گئی۔
بم بلاسٹ ہو چکا تھا۔
اور ولید رحمان جہاں کا تہاں دھک سا رہ گیا۔ یعنی وہی ہوا' جس کا اسے ڈر تھا۔ یہ عجب اتفاقاتِ زندگی ہیں کہ عموماً" وہی ہوتا ہے۔ جس کا ڈر ہوتا ہے۔
عزت حیدر بھی اسی حادثے کا شکار ہوئی تھی۔ جس سے وہ نظریں چراتا پھر رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس حادثے میں ملوث نہیں ہونا چاہتا تھا۔
"میں سمجھا نہیں؟" ولید نے انجان بننے کی حد کر دی۔
"سمجھی تو میں بھی نہیں۔ مگر سمجھنے کی کوشش ضرور کر رہی ہوں۔ پلیز! ہو سکے تو میری مدد کریں۔ میں تھک چکی ہوں۔ میں اس حادثے سے نکلنا چاہتی ہوں۔ مگر نکل نہیں پا رہی۔" عزت کے لہجے کی بے چینی اور بے بسی اب اس کے روئیں روئیں میں سرایت کر چکی تھی اور ولید ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا۔
"آپ۔ آپ نہیں جانتے ولید صاحب۔ محبت کے ہاتھوں کا لمس میرے چہرے کا نقش بن چکا ہے۔ ایک ایسا نقش' جو صرف مجھے نظر آتا ہے اور صرف مجھے محسوس ہوتا ہے۔ جسے میں دل کی آنکھ سے دیکھتی ہوں تو صرف وہ ہی وہ نظر آتا ہے۔ اور اس نقش کے سوا اپنے چہرے کا کوئی اور نقش دکھائی بھی نہیں دیتا۔ آپ کو میری بات سن کر یقیناً" معیوب بھی لگے گا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ میں اس احساس سے دامن نہیں چھڑا پا رہی۔ اور یہ سچ میں چھپا بھی نہیں سکتی۔ کیونکہ مجھے چھپانا نہیں آتا۔" عزت حیدر ایک منہ پھٹ اور بولڈ لڑکی تھی۔ وہ کبھی بھی کچھ بھی اپنے دل میں نہیں رکھتی تھی۔ جو بھی بات اس کے دل میں ہوتی تھی' وہ صاف منہ پہ کہہ دیتی تھی۔ جیسے اس وقت کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اپنے جذبات اور احساسات بیان کر ڈالے تھے۔ یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ ولید رحمان کے ساتھ اپنے ہوش و حواس میں یہ اس کی پہلی ملاقات ہے۔ پہلے جو ان کے درمیان ہوا' وہ ملاقات نہیں تھی۔ وہ حادثہ تھا اور حادثوں میں ہمیشہ نقصان ہوتا ہے فائدہ نہیں۔
"ولید صاحب! کیا آپ کو بھی لگتا ہے کہ اس روز ایک حادثہ نہیں۔ بلکہ دو حادثے ہوئے تھے؟" عزت کے لہجے کی بے چینی اور تڑپ پہ ولید گڑبڑا کے ہوش میں آیا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ ماتھے پہ پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ وہ اس صورت حال پہ بوکھلا گیا۔
جس احساس کو وہ اتنے دنوں سے اپنے آپ سے بھی چھپاتا پھر رہا تھا۔ وہی احساس عزت حیدر نے کتاب کی طرح کھول کے اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ وہ بری طرح گھبرا گیا۔ کیونکہ اس کے سامنے کوئی اور نہیں' تیمور حیدر کی بہن تھی۔ اس کی عزت تھی اور وہ اس کی عزت پہ غلط نگاہ ڈالنے کا تو کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ کبھی بھولے سے بھی نہیں۔
"دیکھیے مس عزت! آپ اس حادثے سے نکل ہی آئیں تو اچھا ہے۔ کیونکہ اس حادثے میں تباہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ پلیز! اب مجھے اجازت دیجیے' خدا حافظ۔" ولید دو ٹوک انداز میں کہتے ہوئے ایک دم صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں۔ ابھی نہیں۔ آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔ ابھی مجھے میرے سوالوں کا جواب نہیں ملا۔" عزت بھی ایک دم اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی۔ اس کے یوں قریب آنے اور راستے میں حائل ہونے پہ ولید کے قدم ٹھٹک گئے۔ اس کے محسوسات میں وہی دلفریب سی خوشبو دوبارہ سے کسی جادو' کسی طلسم کی طرح رچ گئی تھی۔ ولید کو اس کے قرب کی مہک مخمور کر گئی۔ وہ جہاں تھا' وہیں کھڑا رہ گیا۔
"دیکھیے مس عزت! مجھے جانے دیجیے' میں لیٹ ہو رہا ہوں۔" ولید نے اپنی کنپٹی سہلاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس کی نظریں عزت کو دیکھنے کی گستاخی نہ کریں۔
"تو پھر مجھ سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کریں۔" عزت نے جیسے ضد کی۔
"کیوں؟ دوبارہ کیوں؟" ولید لاتعلق اور انجان نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"تاکہ میں آپ سے اپنے سوالوں کا جواب لے سکوں۔" اس کا انداز ہنوز ضدی سا تھا۔
"مگر میرے خیال میں نہ آپ کے سوال اتنے ضروری ہیں اور نہ میرے جواب اتنے ضروری ہیں کہ جن کی وجہ سے مجھے دوبارہ ملنے کا وعدہ کرنا پڑے۔ پلیز! آپ یہ بات یہیں ختم کریں اور مجھے جانے دیں۔" ولید اس سرپھری لڑکی سے بہت ہی تحمل اور ٹھہراؤ سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"ٹھیک ہے! آپ جائیں' میں آپ کے پاس آ جاؤں گی۔ کیونکہ یہ سوال' جواب آپ کے لیے نہ سہی۔ مگر میرے لیے بہت ضروری ہیں۔ اس لیے میں ہی کوشش کروں گی کہ ان کو حل کر سکوں۔" عزت لاپروائی اور اطمینان سے کہتی ہوئی اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ ولید جز بز سا ہو کے رہ گیا۔ کیونکہ عزت حیدر سے ملنا اور نہ ملنا' دونوں ہی اسے دشوار لگ رہے تھے۔
"کس سوچ میں پڑ گئے۔ جائیے! آپ لیٹ ہو رہے ہیں۔" عزت نے اسے قدم آگے بڑھانے پہ اکسایا۔ ولید نے گہری سانس کھینچتے ہوئے سر جھکا لیا۔
"اوکے۔ اللہ حافظ!" اور پھر آہستگی سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔ عزت پیچھے کھڑی اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ تیمور حیدر کا فیصل آباد سے واپس آنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کو دوبارہ دیکھنے اور اسے ڈھونڈنے کے لیے ابھی وہیں رکنا چاہتا تھا۔ لیکن آفس میں بھی کام کافی زیادہ تھا۔ اس لیے اسے واپس آنا ہی پڑا۔
یہ بھی سچ تھا کہ وہ تو واپس گیا۔ مگر اس کا دھیان فیصل آباد میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ یہاں آ کر بھی کچھ اور سوچ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں اسی شام کا وہ ہنگامہ خیز منظر ٹھہر گیا تھا اور وہ اس منظر میں قید سا ہو کے رہ گیا تھا۔ اسے اس قید سے رہائی کا کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ان ہی سوچوں سے الجھتے ہوئے اس کا پورا دن گزر گیا تھا۔ لیکن یہ الجھن ابھی نہیں سلجھی تھی اور اسے سب نے نوٹ بھی کیا تھا۔ مگر اس کی سنجیدگی دیکھتے ہوئے کسی نے بھی اس سے استفسار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
اس کی یہ کیفیت پہلے دو روز تک ہی رہی تھی۔ اس کے بعد وہ قدرے نارمل سا ہو گیا۔ آخر وہ کاروباری آدمی تھا۔ کام میں لگ کر ذہن مصروف ہوا تو سب کچھ خود بخود معمول پر آ گیا۔ وہ اپنی روز مرہ زندگی میں دوبارہ سے مگن ہو چکا تھا۔ لیکن ولید سے ملاقات پھر سے سب کچھ تازہ کر گئی۔
وہ اپنے آفس کی پارکنگ میں گاڑی پارک کر کے نیچے اترا اور اپنا بریف کیس اور موبائل وغیرہ لے کر اندر کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

طرف بڑھ آیا تھا۔

"گڈ مارننگ سر!" سحرش زمان اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"گڈ مارننگ! مس سحرش!" تیمور مسکراتے ہوئے کہہ کر دروازہ کھول کے اپنے آفس میں داخل ہو گیا۔ اپنے دھیان میں اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ سحرش زمان اسے کچھ بتانا چاہ رہی ہے۔

اندر آ کر اس کے پانی کی طرح رواں قدم رک گئے۔ کیونکہ سامنے ہی کرسی پہ ولید رحمان براجمان تھا۔

"السلام علیکم!" ولید اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام!" تیمور کے قدموں میں پھر سے روانی آ گئی اور وہ اپنی کرسی کی طرف بڑھ آیا۔

"کیسے ہو؟" ولید نے بولنے میں پہل کی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے اپنا بریف کیس اور موبائل ٹیبل پہ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟" ولید محسوس کر چکا تھا کہ وہ اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"میرے آنے سے پہلے بھی غالباً" تم بیٹھے ہی ہوئے تھے۔" تیمور نے انتہا درجے کی لاتعلقی کا مظاہرہ کیا۔

"اس وقت تم نہیں تھے۔ لیکن اب تم ہو۔ اس لیے اب تمہاری اجازت ضروری ہے۔" ولید نے "اجازت" پہ زور دیا۔

"میں اب بھی نہیں ہوں ولید رحمان! اس لیے اب بھی میری اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم بیٹھ بھی سکتے ہو اور تم جا بھی سکتے ہو۔ اب یہ تمہاری مرضی پہ ڈپینڈ کرتا ہے کہ تمہیں یہاں بیٹھنا ہے یا پھر یہاں سے جانا ہے۔" تیمور خاصا سخت ہو رہا تھا۔ اس کی یہ سختی اس کی ناراضی کا اظہار تھی اور ولید اس کی اسی ناراضی کو ختم کرنے کے لیے ہی تو یہاں آیا تھا۔ اس لیے یہاں سے جانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"میں یہاں بیٹھنے کے لیے آیا ہوں۔ جانے کے لیے نہیں۔" ولید بھی اتنی جلدی ہار ماننے والا نہیں تھا۔

"شیور، بیٹھو میں نے بیٹھنے سے منع تو نہیں کیا۔" تیمور نے کندھے اچکا کر کرسی کی سمت اشارہ کیا۔

"شکریہ! لیکن تم نے بیٹھنے کے لیے کہا بھی تو نہیں ہے۔" ولید شکوہ کناں لہجے میں کہتا دوبارہ بیٹھ گیا۔

"پلیز! میں اس اٹھنے اور بیٹھنے کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم یہاں کس کام سے آئے ہو؟" تیمور دو ٹوک بات کر رہا تھا اور ولید سکون سے اس کے غصے اور ناراضی کی گہرائی بھانپ رہا تھا۔

"میں یہاں یہ پوچھنے کے لیے آیا ہوں کہ تم نے میری کالز ریسیو کیوں نہیں کیں؟ کیا اتنا برا ہو گیا ہوں میں کہ تم میری کال بھی ریسیو نہیں کر سکتے؟ کیا میری آواز سننا بھی گوارا نہیں رہا تمہیں؟" ولید کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"میں بزی تھا۔" تیمور کا جواب انتہائی مختصر تھا۔

"وہ تو تم ہمیشہ ہوتے ہو۔" ولید نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر تم خود ہی سمجھ جاؤ تو بہتر ہے۔" تیمور کا انداز لاپروائی لیے ہوئے تھا۔

"تیمور! پلیز یار۔ مجھے زچ مت کرو۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ جاب میں اپنے شوق کے لیے نہیں، بلکہ مجبوری کے لیے کر رہا ہوں۔" ولید نے ذرا سا جھنجلا کے کہا۔

"تو کرو نا! میں تمہیں کب منع کر رہا ہوں کہ نہ کرو۔ تمہاری مجبوری کو تم ہی بہتر سمجھ سکتے ہو میں نہیں۔ کیونکہ میں دوسرا ہوں اور کوئی بھی دوسرا شخص آپ کی مجبوریوں اور پرابلمز کو اتنے اچھے طریقے سے نہیں سمجھ سکتا، جتنے اچھے طریقے سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے تمہیں جو بہتر لگتا ہے، وہی کرو۔ میں کچھ کہنے والا کون ہوتا ہوں۔" تیمور کے لہجے کی تلخی ہنوز تھی۔ ولید چند ثانیے کے لیے خاموش سا ہو گیا پھر بولا۔

"لیکن اگر تم کہو تو میں یہ جاب چھوڑ بھی سکتا ہوں۔ کیونکہ یہ جاب تم سے زیادہ اہم نہیں ہے۔ جہاں پہلے اتنا

عرصہ بے روزگاری میں گزار دیا ہے۔ وہاں کچھ عرصہ اور بے روزگاری کے دھکے کھا لینے میں کیا حرج ہے بھلا۔ بس یار ناراض نہ رہے۔" ولید بڑے سکون اور بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔ جس پہ تیمور کو مزید تپ چڑھ گئی۔

"یعنی تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہیں بے روزگاری کی حالت میں دھکے کھاتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں؟" اس نے خاصے غصے سے ولید کی سمت دیکھا۔

"بے شک تم مجھے بے روزگاری کی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ لیکن آج کل حالات کچھ ایسے ہیں کہ جن میں یہ جاب نہ کرنا، بے روزگاری کو خود اپنے گلے لگانے کے مترادف ہے۔ میں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اس جاب کے لیے ہاں بھری ہے۔ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ گھر کے حالات مزید خراب ہو رہے تھے۔ کہیں کوئی جاب نہیں مل رہی تھی۔ سو مجبوراً مجھے اس فیلڈ میں آنا پڑا۔ لیکن پلیز یار! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ مجھے جیسے ہی کوئی اچھی جاب ملی۔ میں یہ جاب، یہ فیلڈ چھوڑ دوں گا۔" ولید نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے یقین دلایا تیمور نے ذرا توقف کے بعد کہا۔

"ولید دیکھو! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ فیلڈ ایک رسک ہے اور میں کبھی کسی بھی قیمت پر یہ نہیں چاہ سکتا کہ تم یہ رسک لو۔ کیونکہ اس فیلڈ میں آنے والوں کے گھر بار، ماں، باپ، بہن، بھائی اور یہاں تک کہ ان کی عزت اور ان کی اپنی زندگی بھی داؤ پہ لگ جاتی ہے۔ ادھر تم کسی کی دم پہ پاؤں رکھو گے، ادھر لوگ تمہیں اپنے غصے اور غصے کے زہر کا نشانہ بنا ڈالیں گے اور تم اس زہر سے نیلو نیل ہو جاؤ گے اور تو اور خود اپنی شکل بھی نہیں پہچان پاؤ گے اس لیے میں اس جاب کے حق میں نہ کل تھا، نہ آج ہوں اور نہ ہی آئندہ ہوں گا۔" تیمور نے اپنے خیالات اور خدشات کا برملا اظہار کیا۔ ولید پر سوچ انداز میں سر ہلا کے رہ گیا۔

"ہوں! جانتا ہوں، یار سب جانتا ہوں۔ لیکن مجبوری انسان کو ہر رسک لینے پہ مجبور کر دیتی ہے۔ اگر تمہارے پوائنٹ آف ویو سے دیکھا جائے تو کسی حد تک تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہے ہو، اس لیے ان شاء اللہ میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ یہ جاب جلد سے جلد چھوڑ دوں، کیونکہ میں خود بھی اپنی فیملی کے لیے کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔" ولید کافی حد تک تیمور کے نقطہ نظر سے متفق ہو چکا تھا۔

"یہی بات اگر تم پہلے سوچ لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔" تیمور نے ذرا خفگی سے کہا۔

"نہیں سوچ سکتا تھا۔" ولید نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیوں؟ کیوں نہیں سوچ سکتے تھے؟" تیمور کو اس کی بات پہ اچنبھا ہوا۔

"کیونکہ اس وقت عقل پہ حالات کی کالی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سوائے کام کے کچھ اور نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔" ولید کے جواب پہ تیمور نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا۔

"ہونہہ۔ یہ کالی پٹی اس وقت بھی تو تمہاری عقل پہ بندھ سکتی تھی۔ جب میں نے تمہیں کام کی آفر دی تھی۔" تیمور نے کافی چبا کر کہا۔

"نہیں! اس وقت نہیں بندھ سکتی۔ بلکہ اس وقت تو یہ پٹی کھل جاتی ہے۔" ولید کے لہجے میں شرارت تھی۔

"انتہائی ذلیل انسان ہو تم۔" تیمور نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اس اطلاع کے لیے بہت بہت شکریہ، مگر تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں خود جانتا ہوں کہ میں ایک انتہائی ذلیل انسان ہوں۔ کیونکہ میں تیمور حیدر کا دوست ہوں۔" ولید نے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے سامنے سر خم کیا۔

"کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ تم سے سارے تعلق ختم کر لوں اور تمہیں آزاد چھوڑ دوں۔ تم جو جی چاہے کرتے پھرو، مگر۔" تیمور کہتے کہتے چپ ہو گیا ولید اس کی چپ پہ مسکرا دیا۔ کیونکہ وہ اس "مگر" کے آگے کی مجبوری سمجھتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔

”مگر اپنی محبوبہ اور اپنے دوست سے سارے تعلق ختم کرلینا اور انہیں آزاد چھوڑ دینا کبھی بھی آسان نہیں ہوتا‘ ہے نا؟“ ولید نے الٹا تیمور سے سوال کیا تھا اور تیمور اس کے سوال پہ چونک سا گیا۔

اس کے خیال سے کسی کا سراپا گزرا اور اس کا خیال آباد ہوگیا۔

”محبوبہ؟“ اس نے اس لفظ کو زیر لب دہرایا۔

”کیوں؟ کیا ہوا ہے؟ کوئی یاد آگئی ہے کیا؟“ ولید نے اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کیے تھے۔

”ہاں۔۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”واٹ؟“ ولید ایک دم اوپر اچھلا۔

”تم نے ابھی ابھی کسی لڑکی کو یاد کیا ہے؟ آئی مین محبوبہ کو؟“ ولید نے آنکھیں پھیلا پھیلا کر پوچھا۔

”آف کورس یار! مجھے تو یاد نہیں تھی۔ مگر تم نے یاد دلادی۔“ تیمور گہری سانس کھینچتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”یا اللہ! یہ میں کیا سن رہا ہوں آج۔۔؟ تیمور حیدر کو آج کوئی یاد آئی ہے۔۔“ ولید بے یقینی سے کہتا ہوا اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر دوبارہ کرسی پہ بیٹھ گیا۔

”یاد تو میں نے اسے دو‘ تین روز مسلسل کیا ہے اور اتنا کیا ہے کہ سویا ہی نہیں۔ مگر اتنے رت جگوں کے بعد بھی کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس کی یاد‘ یاد ہی رہی‘ ملاقات نہیں بنی۔“ تیمور مایوسی سے کہتا کمرے کی دیوار گیر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا تھا اور پردے ہٹا دیے۔

”کیوں؟ حاصل کیوں نہیں ہوا؟ کون ہے وہ؟“ ولید کو حیرانی کے ساتھ ساتھ بے چینی نے بھی آگھیرا۔

”یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ کون ہے وہ؟ اگر پتا ہوتا تو میں اس وقت اسے یاد نہ کررہا ہوتا۔ بلکہ اس سے بات کررہا ہوتا۔“ تیمور پلٹ کر چلتا ہوا دوبارہ اپنی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ولید نے اپنی نظریں اس کے چہرے پہ جمادی تھیں۔

”اف۔۔ اتنی خوش بخت ہے وہ کہ تیمور حیدر جیسا بندہ اس سے بات کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے اور اسے یاد کرکرکے راتوں کو سو نہیں پارہا۔ رت جگے منا رہا ہے‘ آہیں بھر رہا ہے‘ امیزنگ یار! امیزنگ۔“ ولید تو حیرت سے پاگل ہورہا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ تیمور ایسی باتیں کررہا ہے۔ جن کا تعلق کسی لڑکی سے تھا۔

”یار۔۔ وہ تھی ہی ایسی کہ تیمور حیدر جیسے بندے کو بھی اس سے بات کرنے کا خواب دیکھنا پڑا اور یہ خواہش سجانا پڑی کہ کاش! وہ میرے سامنے بیٹھی ہو اور اس سے بات کرکے دیکھوں کہ وہ کیسی ہے؟ اس کا لہجہ اس کی باتیں اس کا انداز کیسا ہے۔۔ اس کی آواز کیسی ہے۔۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اگر بولے گی تو میرے دل پہ قیامت کردے گی۔ کیونکہ میں اس کی خاموشی سے ہی اتنا گھائل ہوچکا ہوں کہ اس کے بولنے کا ستم تو سہہ ہی نہیں پاؤں گا۔“

تیمور کے دل و دماغ میں وہ پھر سے آن بسی تھی اور ولید تو جیسے دم سادھے‘ ٹکٹکی باندھے اسے ہی دیکھے جارہا تھا۔

”کیا بات ہے؟ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟“ تیمور نے اسے ہاتھ کے اشارے سے متوجہ کیا۔

”دیکھ رہا ہوں کہ ایسی باتیں تیمور حیدر کررہا ہے؟ خواب‘ خواہش اور لہجوں کی باتیں۔۔ حیرت کا مقام ہے یار۔“ ولید حیرت سے مرجانے کو تھا۔

”مجھے پتا تھا تم یہی کہو گے۔“ تیمور نے سر جھکا۔

”کیونکہ تمہیں یہ بھی پتا تھا کہ تم اپنی گزشتہ زندگی میں ایسی باتوں کے بارے میں کیا کیا بیان ریکارڈ کرواچکے ہو؟“ ولید کے طنزیہ انداز پہ تیمور بے ساختہ ہنس پڑا۔

”ہاں! پتا تھا۔“ اس نے اعتراف کیا تھا۔

”چلو! شکر ہے تم نے اعتراف تو کیا۔ خیر! اب یہ بھی بتادو کہ یہ سارا معاملہ کیا ہے؟ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسی ہے؟ کچھ پتا تو چلے۔“ ولید نے ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال کرڈالے۔ وہ سب کچھ جاننے کے لیے بہت بے چین ہورہا تھا۔ تیمور ہلکے سے مسکرایا۔

”یار! اب کیا بتاؤں۔ یہ سارا معاملہ محض اک نظر دیکھنے کا معاملہ ہے۔“

”وہ کون ہے؟“

”یہ میں نہیں جانتا۔“

”کہاں ہے؟“

”فیصل آباد میں۔۔“

”کیسی ہے؟“

”یہ بھی میرے بیان سے باہر کا سوال ہے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کیسی ہے۔۔ اسے دیکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے کہ وہ کیسی ہے۔ تم اسے دیکھو گے تو تب ہی سمجھ سکو گے کہ میں ایسا کیوں کہہ رہا ہوں۔ یوں میرے سمجھانے سے تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔“ تیمور نے نفی میں سر ہلایا۔

”ارے یار! وہ لڑکی ہے یا الجبرا؟“ ولید نے آنکھیں پھیلائیں۔

”مجھے تو الجبرا سے بھی زیادہ مشکل لگی تھی وہ۔“ تیمور اسے سوچ کے رہ گیا۔

”اوہ۔۔ یعنی اونچی جگہ ہاتھ مارا ہے۔ بائی دا وے دیکھی کہاں ہے؟ کسی آفس میں؟ کسی پارٹی میں؟ یا کسی ریسٹورنٹ وغیرہ میں۔“ ولید کا ایک اور سوال تیمور کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھیر گیا۔

”نہ کسی آفس میں‘ نہ کسی پارٹی میں اور نہ ہی کسی ریسٹورنٹ وغیرہ میں۔“ ولید کو بار بار حیرت کے جھٹکے لگ رہے تھے۔

”تو پھر کہاں؟“ اس نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

”ایک بس میں۔“ تیمور نے سکون سے بتایا۔

”کیا؟ بس میں؟“ ولید اب کی بار تو حیرت کے جھٹکے سے اچھل بھی نہیں سکا تھا۔

”ہاں! بس میں۔۔ فیصل آباد کی ایک لوکل بس میں۔۔ میں پچھلے دنوں کام کے سلسلے میں فیصل آباد گیا تھا۔ تمہیں پتا ہوگا شاید۔“ تیمور نے اپنی مختصر سی لو اسٹوری کی تمہید باندھی۔

”پھر۔۔؟“ وہ اسے مزید بولنے پہ اکسا رہا تھا۔

”پھر کیا یار؟ اس روز میری میٹنگ تھی اور میں میٹنگ کی وجہ سے لیٹ ہوگیا تھا۔ اس لیے رات وہیں فیصل آباد میں ہی اپنی آنٹی کے گھر رکنا پڑ گیا تھا میٹنگ سے فری ہوکر میں اپنی آنٹی کے گھر جارہا تھا کہ راستے میں روڈ بلاک ملا جس کی وجہ سے وہاں بہت زیادہ رش تھا اور اسی رش میں ایک بس ایسی بھی تھی‘ جو میری گاڑی کے بالکل ساتھ ہی کھڑی تھی۔ بس چند انچ کا فاصلہ تھا۔ اسی فاصلے سے میں نے اسے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ یار! میں نے سنا تھا کہ لڑکیاں لڑکوں کی پرسنالٹی پہ فدا ہوتی ہیں‘ لیکن میرے ساتھ تو سارا معاملہ ہی الٹ ہوا ہے۔ الٹا میں اس لڑکی کی پرسنالٹی پہ فدا ہوگیا ہوں۔ مجھے اس کی صورت سے بھی زیادہ اس کی شخصیت کی تمکنت نے متاثر کیا ہے۔ میں دیکھتا رہ گیا کہ کوئی لڑکی اتنی باوقار بھی ہوسکتی ہے۔ حالانکہ میں اس سے ملا نہیں۔ اس سے بات نہیں کی‘ اسے قریب سے دیکھا نہیں۔ لیکن پھر بھی اسے دور سے ہی پرکھ لیا تھا اور اسی دیکھنے اور اسی پرکھنے میں میرے دل کو یقین ہوگیا تھا کہ اس لڑکی میں کچھ خاص ہے۔ کچھ ایسا جو اسے سب سے منفرد بنا رہا ہے اور میرے دل کو اپنی طرف مائل کررہا ہے۔ لیکن افسوس کہ میں نے اسے وہیں دیکھا‘ وہیں پرکھا اور وہیں کھودیا۔ دوبارہ اس کی جھلک بھی دیکھنے کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نہیں ملی۔ حالانکہ میں نے اس بس کو فالو بھی کیا تھا۔" تیمور کے لہجے میں حد درجہ افسوس تھا۔ ولید اس کے جذبات سے بے نیاز ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔

"تم نے۔۔۔ تم نے۔۔۔ ایک لڑکی کو بس میں دیکھا اور۔۔۔ اور اس پہ فدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کا پیچھا کرنے لگے۔ اف! کتنی انٹرسٹنگ نیوز ہے یار! کل کے اخبار میں یہ نیوز فرنٹ پیج پہ ہونی چاہیے۔ حیدر گروپ آف انڈسٹریز کا مالک تیمور حیدر فیصل آباد کی ایک بس میں کسی لڑکی کو دیکھ کر مر مٹا۔" ولید نے اس خبر کی سرخی بھی ترتیب دے ڈالی۔ تیمور نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"تمہارا کوئی اعتبار نہیں ہے میرے دوست! پلیز ایسا کرمت دینا۔"

"اعتبار تو تمہارا بھی نہیں رہا میرے دوست! سڑکوں پہ آتے جاتے لڑکیوں پہ فدا ہونے لگے ہو' نظر باز ہو گئے ہو' کیا بھروسا رہ گیا ہے تمہارا؟ نہ جانے کب تمہیں کوئی اچھی لگ جائے اور تم اس کا پیچھا کرنے کھڑے ہو جاؤ۔" ولید نے اس کا مذاق اڑایا۔

"یار! پہلی بار۔۔۔ زندگی میں پہلی بار مجھے کوئی لڑکی اچھی لگی ہے اور تم میری فیلنگز کا مذاق اڑا رہے ہو؟" تیمور کو افسوس ہوا۔ لیکن ولید کو کوئی پروا نہیں تھی۔ کیونکہ اب اس کا سنجیدہ ہونا ذرا مشکل ہی تھا۔

"ارے واہ۔۔۔ ایسی شان دار سی لو اسٹوری سن کر مذاق نہیں اڑاؤں گا تو اور کیا شاباش دوں گا تمہیں؟ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ وہ لڑکی اگر پانچ منٹ اور وہاں رکتی تو تم یقیناً" اس سے کورٹ میرج کر کے اسے گھر لے آتے۔" ولید نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

"آف کورس یار! آف کورس۔ میں یقیناً" لے آتا۔ مگر وہ اتنی آسانی سے آنے والی نہیں تھی۔" تیمور کا جواب بے بس سا تھا۔

"ہائیں! تو تم پانچ منٹ میں اسے اتنا جان گئے تھے کہ تمہیں اس کے مزاج کا بھی پتا چل گیا؟" ولید نے شدید تعجب کا اظہار کیا۔

"کبھی کبھی کسی کو جاننے کے لیے پانچ سیکنڈ بھی بہت ہوتے ہیں میرے دوست۔۔۔ اور یہ بات تم بھی یقیناً" اچھی طرح جانتے ہو گے کہ محبت جب دل پہ حملہ کرتی ہے تو وہ وقت' موسم' مقام اور حلیہ نہیں دیکھتی۔ وہ بس حملہ آور ہوتی ہے اور انسان کی نس نس میں اپنے پنجے گاڑھ دیتی ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے اور اس اندھی محبت کے شکنجے میں آکر تمہارے اور میرے جیسے بڑی بڑی باتیں اور بڑے بڑے دعوے کرنے والے لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ سوچتے رہ جاتے ہیں کہ اتنی سی دیر میں یہ سب بھی ہو گیا۔" تیمور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے اور بے حد گہرائی سے کہا۔

اور نہ جانے کیوں ولید کے من میں چھپے چور نے اسے تیمور کے سامنے نظریں چرانے پہ مجبور کر دیا تھا اسے دل ہی دل میں یہ اعتراف کرنا پڑا تھا کہ واقعی محبت جب دل پہ حملہ کرتی ہے تو وہ وقت' موسم' مقام اور حلیہ نہیں دیکھتی۔

بالکل ایسے جیسے اس نے ولید کے یا پھر عزت کے دل پہ حملہ کرتے ہوئے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا اور ان کی نس نس میں اپنے پنجے گاڑھ دیے تھے اور وہ دیکھتے رہ گئے تھے۔

اور اب تیمور حیدر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

ولید ایک ہنگامہ خیز صبح کا شکار ہوا تھا اور تیمور ایک ہنگامہ خیز شام کی لپیٹ میں آگیا تھا۔

اور اسی بات کو محسوس کرتے ہوئے ولید نے دوبارہ اس کے ساتھ کوئی مذاق نہیں کیا۔ کیونکہ وہ خود بھی تو کچھ ایسی ہی صورت حال کا اسیر تھا۔ اس کے وجود سے' اس کے حواس سے اور اس کے ملبوس سے تو وہ خوشبو ہی نہیں

جا رہی تھی' جو عزت حیدر اپنی بے ہوشی میں ہی اس کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ وہ ابھی تک اسی خوشبو کے حصار میں مہکا ہوا پھر رہا تھا۔ حالانکہ عزت حیدر کی پیش رفت کو اس نے جھٹلا دیا تھا۔ مگر اپنے اندر کے پاگل پن کو کیسے جھٹلاتا؟

"ولید۔۔۔ کیا ہوا؟ تم کہاں کھو گئے ہو؟" تیمور اس کے خود بخود خاموش ہو جانے پہ حیران ہوا۔

"نن نہیں۔۔۔ کہیں نہیں۔" اس نے بے ساختہ چونکتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"لگتا ہے' ادھر بھی کوئی حملہ ہوا ہے۔" تیمور نے ولید کے سینے کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے نہیں یار! ادھر تو روز کوئی نہ کوئی حملہ ہوتا ہے۔ روز کوئی نہ کوئی چہرہ اچھا لگتا ہے اور روز کسی نہ کسی کا پیچھا کرتا ہوں۔ یہ تو صرف تم ہو جس کے ساتھ پہلی بار ایسا ہوا ہے۔ ورنہ ہم تو جناب! ازلی لوفر ہیں۔" ولید نے اپنے آپ کو سنبھالنے میں محض چند لمحوں کا وقت لیا تھا اور دوبارہ سے اپنے موڈ پہ آگیا تھا۔

"کچھ کچھ تو اب میں بھی ہو گیا ہوں۔ تمہارے جیسی لوفرانہ حرکتیں مجھ میں بھی آگئی ہیں۔" تیمور اپنے بال سہلاتے ہوئے خجل سے لہجے میں کہتا بے اختیار ہنس پڑا۔ جس پہ ولید کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اب ان دونوں کے ذہن اپنی اپنی سوچوں سے آباد ہو چکے تھے۔ اس لیے نشست جلدی برخاست ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ کافی دیر سے ایک ہی حالت میں بیٹھا مسلسل سامنے ٹی وی اسکرین کی سمت دیکھ رہا تھا اور یوں ہی دیکھتے دیکھتے اس کے دل سے نہ جانے کیا خیال گزرا تھا کہ اس کی پیشانی اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود ٹھنڈے پسینے سے شرابور ہو گئی۔

"راجو۔۔۔ راجو۔۔۔" اس نے فوراً" ملازم کو آواز دی۔

"جی صاحب جی۔" اس کے پکارنے پہ راجو جن کی طرح حاضر ہوا تھا۔

"میرے لیے پانی لے کر آؤ۔"

اس کو بڑی شدت سے پانی کی طلب محسوس ہوئی۔ راجو اپنے صاحب کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر بڑی تیزی سے الٹے قدموں کچن کی طرف بھاگا اور اگلے چند لمحوں میں وہ ٹھنڈے پانی کا گلاس لیے اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ جسے اس نے ایک سانس میں ہی ختم کر دیا اور پھر ایک گہری سانس خارج کی۔

"کیا بات ہے صاحب! کیا ہوا ہے آپ کو؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" راجو کو اسے دیکھ کر تشویش ہوئی۔

"ہوں! ٹھیک ہوں میں۔" اس نے تسلی دی۔

"لیکن پھر بھی صاحب! اچانک ہوا کیا ہے آپ کو؟" راجو کو حیرانی بھی ہو رہی تھی۔

"بس یار! کسی کا خیال دل سے گزرا ہے اور دل ناتواں کا حشر ہو گیا۔" اس نے جیسے آہ بھری۔

"فارحہ بی بی کا خیال تھا؟" راجو بنا کہے ہی جان گیا۔ آفاق نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

تو گویا اس کے دل سے گزرنے والے خیال اس کے گھر کے ملازموں کو بھی نظر آتے تھے؟ اس کے دل کی حالت کو اور اس کے جذبات کو عام لوگ بھی جانتے تھے؟

تو پھر۔۔۔ تو پھر وہ چھپ کس سے رہا تھا؟ اپنے ماں' باپ سے؟ اپنے آپ سے یا پھر فارحہ سے؟

مگر وہ کرتا بھی تو کیا کرتا۔۔۔ نہ سب سے چھپ سکتا تھا اور نہ ہی سب پہ ظاہر ہو سکتا تھا۔

اس کی حالت تو بے بسی کی سی حالت تھی اور دیکھنے والے اس سے پوچھتے تھے کہ اسے ہوا کیا ہے۔

"معافی چاہتا ہوں صاحب! میں شاید غلط بول گیا ہوں۔" راجو نے اسے یوں خاموش اور گم صم سا دیکھ کر فوراً"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

معذرت کی۔ آفاق نے چونک کر متوجہ ہوتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اٹس اوکے۔" وہ کہہ کر تیزی سے لاؤنج سے نکل کر باہر لان میں آگیا۔

لان میں ملگجا سا اندھیرا تھا۔ کیونکہ لان سے ذرا فاصلے پہ لیمپ پوسٹ روشن تھے۔ جن کی روشنی لان کے اس حصے تک آتے آتے خاصی مدھم سی ہو رہی تھی۔ وہ اس مدھم روشنی میں ٹہلتا اپنے دل کو اور اپنے اعصاب کو سکون دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے اپنے دل و دماغ میں اک تھکن سی اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اک ایسی تھکن جو اس کی کوشش کے باوجود بھی نہیں اتر رہی تھی اور وہ اس تھکن سے اندر ہی اندر نڈھال سا ہو رہا تھا اسی نڈھال سی کیفیت میں اسے نہ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی کہ اچانک وہ گیٹ کھلنے کی آواز پہ چونک گیا۔ اس نے پلٹ کر گیٹ کی سمت دیکھا۔ جہاں سے اشتیاق یزدانی کی گاڑی سبک رفتاری سے چلتی اندر ڈرائیوے پر آرکی۔

اور اگلے دو منٹ میں اشتیاق یزدانی اور ثمینہ یزدانی گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ آفاق لان کے جس حصے میں کھڑا تھا وہاں قدرے اندھیرا تھا۔ اس لیے وہ مطمئن تھا کہ وہ اسے نہیں دیکھ پائیں گے اور اندر چلے جائیں گے۔ مگر ثمینہ یزدانی اندر کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئیں۔

"آفاق۔۔۔" انہوں نے ملگجے سے اندھیرے میں بھی اس کا ہیولا پہچان لیا تھا۔ ان کی آواز پہ اشتیاق یزدانی کے قدم بھی رک گئے۔ آفاق کو ان کی سمت قدم بڑھانے ہی پڑے۔

"السلام علیکم!" اس نے قریب آکر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! ابھی تک جاگ رہے ہو؟" اشتیاق یزدانی نے اسے سر سے پاؤں تک خاصی گہری اور جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"ہوں۔۔۔ بس آج کل موسم ہی کچھ ایسا ہے۔ نیند نہیں آرہی تھی۔ عجیب بے چینی سی ہو رہی ہے۔ اسی لیے ذرا فریش ہونے کے لیے لان میں نکل آیا تھا۔۔۔ خیر۔۔۔ آپ سنائیں آپ لوگ کہاں گئے ہوئے تھے؟" آفاق نے ذرا نارمل طریقے سے جواب دینے کی کوشش کی۔

"ہم لوگ نیو (ساشا کی امی) کی طرف گئے ہوئے تھے۔ اس کی طبیعت خراب تھی۔ وہیں حیدر بھائی اور رابعہ بھابھی بھی آگئے تھے۔ اس لیے باتوں باتوں میں ٹائم گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔" اشتیاق یزدانی نے اسے تفصیل سے جواب دیا۔

"چلیں۔۔۔ اچھی بات ہے' آپ لوگوں کا ٹائم تو اچھا گزر گیا نا۔" اس نے ہلکے سے سر ہلایا۔

"لیکن تمہارا ٹائم کیوں اچھا نہیں گزر رہا؟ نیند کیوں نہیں آرہی تمہیں؟" ثمینہ یزدانی نے سوال کیا۔

"بس۔۔۔ بتایا تو ہے۔ آج کل موسم ہی کچھ ایسا ہے؟" آفاق نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"چلو۔۔۔ اگر موسم ہی کچھ ایسا ہے تو ہم بھی تھوڑی دیر باہر کے تازہ ماحول میں ذرا فریش ہو لیتے ہیں۔ آؤ بیٹھتے ہیں یہاں۔" اشتیاق یزدانی اندر جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے لان چیئرز کی طرف بڑھ گئے تھے مجبوراً آفاق کو ان کے پیچھے قدم بڑھانے پڑے۔

"بیٹھو۔" انہوں نے اپنے مقابل والی کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ وہ ان کے اشارے پہ چپ چاپ کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"بے وجہ کی مصروفیت انسان کو اسی طرح تھکا دیتی ہے۔ جیسے تم تھک چکے ہو۔" ان کی بات پہ آفاق نے سر اٹھا کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"میں تھک چکا ہوں؟" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں! تم تھک چکے ہو اور اب تم ہمیں تھکا رہے ہو۔۔۔ ستا رہے ہو ہمیں۔" اشتیاق یزدانی کا شکوہ زبان پر آہی

گیا تھا۔

"ایسا مت کہیں۔ میں ایسا کچھ نہیں کر رہا ہے' بس جو کچھ ہو رہا ہے' اس پہ میرا کوئی اختیار نہیں۔" آفاق کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔

"تمہارا کوئی اختیار نہیں ہے تو پھر کس کا اختیار ہے؟" انہوں نے بے ساختہ سوال کیا۔ مگر آفاق جواباً خاموش ہی رہا۔ کیونکہ اس کے پاس ان کے سوال کا کوئی بھی جواب نہیں تھا۔

"آفاق۔۔۔ میں تم سے مخاطب ہوں۔" انہوں نے تحمل سے کہا۔

"ایم سوری۔۔۔ میرے پاس آپ کے کسی سوال کا کوئی بھی جواب نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو یوں کہنا چاہیے کہ میرے پاس تو اپنے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔" اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا وہ دونوں میاں' بیوی تڑپ اٹھے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"جی ہاں۔۔۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" اس نے ان کی تڑپ کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

"آفاق۔۔۔ آخر بات کیا ہے؟ تم ہمیں بتاتے کیوں نہیں ہو؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" ثمینہ یزدانی کہتے ہوئے روہانسی سی ہو گئیں۔

"میں نے کہا نا' میرے پاس آپ کے کسی سوال کا کوئی بھی جواب نہیں ہے۔" آفاق تو جیسے ہر طرح سے اپنے آپ کو پتھر کیے بیٹھا تھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ تمہارے پاس نہ ہمارے سوالوں کا جواب ہے۔ نہ فارہ کے سوالوں کا۔ تو پھر۔ تو پھر کس کے سوالوں کا جواب ہے تمہارے پاس؟" وہ روتے ہوئے بپھر گئیں۔

"میں فارہ کو جواب دے چکا ہوں۔" اس نے بے حد سپاٹ سے انداز میں انکشاف کیا۔

"فارہ کو جواب دے چکے ہو؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیسا جواب؟" اشتیاق یزدانی بری طرح چونکے۔

"میں نے اس سے معذرت کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ اس نے پوچھا۔ کس چیز کی معذرت۔۔۔ تو پھر میں نے اسے جواب دیا کہ تم سے شادی نہ کرنے کی معذرت۔" آفاق نے انہیں ششدر کر ڈالا تھا۔ وہ دم بخود سی اسے دیکھ رہی تھیں اور ایسا ہی کچھ حال اشتیاق یزدانی کا بھی تھا۔

"تم نے فارہ کو جواب دے دیا؟ انکار کر دیا شادی سے؟" وہ بمشکل بول پائی تھیں۔

"جی۔۔۔ میں نے اس سے معذرت کر لی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"معذرت؟" یہ لفظ ان کی زبان پہ آکے دم توڑ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا پورا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ ان کی غیر ہوتی حالت پہ وہ دونوں باپ' بیٹا ہی چونک گئے۔ آفاق بے ساختہ ہی انہیں تھامنے کے لیے اپنی کرسی سے اٹھا تھا۔

"خبردار! اسے ہاتھ مت لگانا۔۔۔ ہمیں تمہارے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اشتیاق یزدانی کا رنگ بدل چکا تھا۔ وہ خود ان کی طرف بڑھے اور آفاق اپنی جگہ پہ جیسے جم سا گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

مادرا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ' ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حسنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اُسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

عمیس سوچنے لگتی ہے۔ عافیہ بیگم' مادرا کو موبائل خریدنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ تیمور ایک میٹنگ کے سلسلے میں فیصل آباد جاتا ہے۔ واپسی میں ٹریفک جام میں اس کی نظر بس میں بیٹھی مادرا پر پڑ جاتی ہے۔ وہ اسے دیکھتا رہ جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

—۵—

پانچویں قسط

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے
ہم خاص کیوں ہیں:۔
✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
✧ مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
We Are Anti Waiting WebSite
واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے
ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں
ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں
اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں
WWW.PAKSOCIETY.COM
Online Library For Pakistan
Like us on Facebook fb.com/paksociety
twitter.com/paksociety1

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے قدم پتھرا گئے تھے اور چہرے پہ اک طمانچہ سا پڑا تھا۔
آخر اس کے ماں باپ نے اس کے ہاتھ کے لمس کو اور اس کے بازو کے سہارے کو دھتکار دیا۔ اس کے لیے اس سے بڑی ذلالت اور اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو سکتی تھی بھلا؟ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور کانوں میں سائیں سائیں سی ہونے لگی۔
"اٹھو ثمینہ! اندر چلو۔" انہوں نے خود آگے بڑھ کے ثمینہ یزدانی کو سہارا دے کر اٹھایا اور اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ آفاق وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

اشتیاق یزدانی خاصی گہری نیند سو رہے تھے۔ جب کسی کے کراہنے کی آواز پہ ان کی نیند کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا اور کراہنے کی آواز باتھ روم کی طرف سے آ رہی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے اور فوراً ہاتھ بڑھا کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا لیمپ جلا دیا۔
"ثمینہ!" انہوں نے بیڈ کی طرف دیکھا۔ بیڈ خالی تھا۔ اشتیاق یزدانی کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ وہ ایک دم اٹھ کر باتھ روم کی طرف بھاگے۔
"ثمینہ! ثمینہ!" وہ باتھ روم کے باس ہی قالین پہ اوندھے منہ گری ہوئی تھیں۔ انہوں نے ان کے قریب دوزانو بیٹھتے ہوئے بمشکل انہیں سیدھا کیا۔ لیکن ان کے پکارنے کے باوجود ثمینہ یزدانی کے منہ سے کراہنے کی آواز کے سوا اور کوئی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔
"ثمینہ! کیا ہوا ہے تمہیں؟ آنکھیں کھولو۔ ثمینہ۔" اشتیاق یزدانی حد سے زیادہ پریشان ہو گئے۔ ثمینہ یزدانی کی اس تشویشناک حالت پہ ان کے ہاتھ پیر پھول گئے اور چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔
"ثمینہ!" انہیں بار بار پکارنے کے بعد جب کچھ نہ سوجھا تو وہ انہیں وہیں چھوڑ کر بوکھلائے ہوئے باہر کی طرف لپکے اور ملازموں کو زور زور سے آوازیں دیتے ہوئے سیڑھیاں اتر آئے۔
"ساجدہ! ساجدہ! راجو! راجو! کہاں ہو تم لوگ؟" انہوں نے باہر لان میں نکلتے ہی ملازموں کو اور بھی زور سے پکارا تھا اور جیسے جیسے ان کی آواز کانوں میں پڑتی گئی تھی۔ سب کے سب ملازم گہری نیند سے اٹھنے کے باوجود بھی بھاگے آئے تھے۔
"غفور! تم جلدی سے گاڑی نکالو۔ بیگم صاحبہ کو لے کر اسپتال جانا ہے۔" وہ ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہہ کر دوبارہ اپنے بیڈ روم کی طرف بھاگے اور پھر بڑی مشکل سے ملازموں کی مدد سے ثمینہ یزدانی کو اٹھا کر گاڑی تک لے آئے اور ابھی انہیں گاڑی میں ڈال ہی رہے تھے کہ باہر شور کی آواز سن کر گہری نیند سویا آفاق بھی اٹھ کر باہر نکل آیا۔
"ساجدہ! کیا ہوا ہے؟ یہ شور کیسا ہے؟" آفاق نے باہر سے سنائی دینے والی ملازموں کی اور اشتیاق یزدانی کی آوازوں کے متعلق پوچھا۔
"ارے صاحب جی! آپ کو نہیں پتا؟ بیگم صاحبہ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ کچھ ہوش نہیں ہے۔ اسی لیے بڑے صاحب جی ان کو لے کر اسپتال جا رہے ہیں۔" ساجدہ نے عجلت میں بتایا اور ثمینہ یزدانی کا دوپٹا لے کر باہر چلی گئی۔
آفاق دم بخود سا رہ گیا۔ اس کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی۔ اس کی ماں بیمار تھی' بے ہوش تھی اور اسے کسی نے خبر ہی نہیں دی۔ وہ مطمئن بے خبر سوتا رہا۔ ماں کی طبیعت کا احساس ہوتے ہی وہ ایک دم سرپٹ بھاگا۔

لیکن تب تک اشتیاق یزدانی گاڑی میں سوار ہو چکے تھے۔
"پاپا! پلیز رکیے۔ کہاں جا رہے ہیں آپ؟ کیا ہوا ہے مما کو؟ آپ۔ آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں؟" وہ گیٹ کی طرف سرکتی گاڑی کی کھڑکی میں جھکتے ہوئے خاصے روہانسے لہجے میں بولا۔
"ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے لیے مر چکے ہیں۔" انہوں نے انتہائی سخت اور تلخ انداز میں کہتے ہوئے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ڈرائیور ان کے اشارے پہ رفتار بڑھاتے ہوئے گاڑی نکال لے گیا۔
آفاق اپنے باپ کی اتنی بے گانگی اور لاتعلقی پہ ششدر سا ہو گیا۔ انہوں نے کتنی آسانی سے اسے پرایا اور خود سے الگ کر دیا تھا۔ کچھ بتائے بغیر ہی چلے گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"بھائی! بھائی! اٹھیں پلیز۔ مجھے اسکول ڈراپ کر دیں۔ میں لیٹ ہو رہی ہوں۔" ککو نے انتہائی گہری نیند سوئے ولید کو کندھے سے پکڑ کے جھنجھوڑ دیا اور وہ جو تقریباً صبح چار بجے آ کر بستر پہ گرتے ہی نیند سے بے سدھ ہو گیا تھا اس اچانک حملے پہ ہڑبڑا گیا۔
"کیا بات ہے ککو! کیوں جگا رہی ہو؟" ولید نے کافی بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔
"مجھے اسکول جانا ہے۔ میں لیٹ ہو رہی ہوں۔ پلیز! مجھے ڈراپ کر دیں۔" ککو نے ایک بار پھر جیسے التجا کی۔
"میں ڈراپ کر دوں؟ تو وحید کہاں ہے؟" اس نے چھوٹے بھائی کا پوچھا۔
"بیمار ہے۔ بخار ہے اسے۔" ککو جھنجلائی۔
"اوہ! تو یہ مسئلہ ہے۔" وہ سنتے ہی اٹھ کے بیٹھ گیا اور اپنے سوئے ہوئے اعصاب کو ٹھکانے پہ لانے کی کوشش کی۔
"اچھا! ٹھیک ہے۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" وہ اپنے اوپر سے چادر پرے ہٹا کر بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"بھائی! میں آل ریڈی تیار ہوں۔ بس آپ کے تیار ہونے کا انتظار ہے۔" ککو اس کی غائب دماغی پہ خفگی سے بولی۔
"اوہ! سوری سویٹ ہارٹ۔ مجھے بھی بس تیار ہی سمجھو۔ تم چلو۔ میں آیا۔" اس نے ککو کے خفگی بھرے انداز پہ مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپکا۔ وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔ اس کے پیچھے دو منٹ بعد اپنا تولیہ کندھے پہ ڈالے وہ بھی اپنے کمرے سے باہر آیا اور انتہائی ڈھیلے ڈھالے اور سست سے انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔
"ارے! اس نے تمہیں جگا دیا؟" زبیدہ بیگم دوسرے کمرے سے وحید اور ککو کے کپڑے دھونے کے لیے لے کر ابھی باہر ہی نکل رہی تھیں کہ ولید کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ کیونکہ انہیں پتا تھا کہ ولید رات بھر کام کرنے کے بعد صبح منہ اندھیرے تھکا ہوا آیا تھا۔
"ظاہر ہے جگانا تو تھا ہی۔ وہ بے چاری اور کیا کرتی؟" ولید نے کندھے اچکائے۔
"لیکن میں نے اسے کہا بھی تھا کہ اسے میں چھوڑ آتی ہوں۔ پھر بھی وہ باز نہیں آئی۔" زبیدہ بیگم کو بیٹی پہ غصہ آیا۔
"تو اچھا کیا نا اس نے کہ مجھے جگا دیا۔ آپ اتنی دور کیسے جاتیں اور کیسے آتیں۔ اس نے تو آپ کا بھلا ہی سوچا ہے نا؟" ولید نے نرمی سے سر جھٹک کر دوبارہ باتھ روم کی طرف قدم بڑھا دیے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میرے بھلے کو چھوڑو۔ مجھے تو تمہاری فکر ہو رہی ہے۔ تمہاری نیند بھی پوری نہیں ہو سکی۔" وہ متفکر ہونے لگیں۔

"ارے ڈونٹ وری امی۔۔۔! نیند پوری نہ ہونا تو اب روٹین کا حصہ ہے اور روٹین کے ساتھ انسان خود بخود ایڈجسٹ ہو جاتا ہے۔ اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے بھلا؟"

وہ لاپروائی سے کہتا نہانے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔ زبیدہ بیگم افسوس سے سر ہلاتی ہوئی اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ وہ ان تینوں بہن بھائیوں کے بغیر دھلے کپڑے الگ الگ کر کے رکھنے لگیں۔ کیونکہ وہ پہلے ولید اور وحید کے کپڑے دھو کر رکھتی تھیں اور بعد میں ککو کی اور اپنی باری آتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایسا ہی کر رہی تھیں کہ اتنے میں ولید نہا کر باتھ روم سے نکل بھی آیا اور بالوں میں تولیہ رگڑتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک چارپائی پہ رکھے کپڑوں کے ڈھیر پہ نظر پڑتے ہی وہ ایک دم ٹھٹک گیا اور بے ساختہ پکار اٹھا۔

"امی۔۔۔!" اس نے اتنے دل دہلا دینے والے انداز میں پکارا کہ زبیدہ بیگم کے ہاتھ سے سرف کا پیکٹ چھوٹ کر پورے زور و شور سے گھومتی واشنگ مشین میں جا گرا۔

"ہائے میرے اللہ۔۔۔! کیا ہو گیا؟" وہ دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی طرف پلٹیں۔

"میری بلیو شرٹ۔۔۔" وہ تیر کی سی تیزی سے لپک کے کپڑوں کے ڈھیر کے پاس آیا اور اس میں سے اپنی بلیو اور بلیک لائننگ والی شرٹ کھینچ کے نکال لی۔

"ارے۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہاری بلیو شرٹ کو؟" زبیدہ بیگم کا دل ابھی تک ٹھکانے پر نہیں آیا تھا۔

"ہوا نہیں ہے۔۔۔ مگر ہونے ہی والا تھا کہ میری نظر پڑ گئی اور یہ شرٹ بال بال بچ گئی۔ وہ تو بھلا ہو ککو کا جس نے آج مجھے زبردستی جگا دیا۔ ورنہ آپ نے تو میرے کف افسوس ملنے کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت تو بس بہانہ تلاش کرتی ہے۔" ولید اس شرٹ کو بڑی چاہ سے جھاڑ پونچھ کے پلٹ گیا۔

"مگر یہ شرٹ تو ابھی دھلی کہاں۔۔۔ اتنے دنوں سے کھونٹی سے لٹکی ہوئی تھی۔" وہ حیران ہوئیں۔

"یہ شرٹ دھل چکی ہے امی۔۔۔ اور اتنے دنوں سے کھونٹی سے نہیں، میرے دل سے لٹکی ہوئی تھی۔" وہ آہستگی سے زیر لب کہتا ہوا ذرا سا مسکرایا۔

"کیا۔۔۔؟ کیا کہا تم نے۔۔۔؟" وہ اس کی بات سن نہیں سکی تھیں۔

"کچھ نہیں۔۔۔! میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ اس شرٹ کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے میں اب اسے الماری میں رکھ رہا ہوں۔" وہ ذرا سا رکنے کے بعد پھر کمرے کی طرف بڑھا۔

"کیوں۔۔۔؟ ایسی کیا بات ہے اس شرٹ میں کہ اسے دھونے کی بھی ضرورت نہیں ہے؟" وہ مسلسل حیرانی کی زد میں تھیں کیونکہ ولید کا لہجہ کچھ اور ہی ہو رہا تھا۔

"امی۔۔۔! یوں سمجھ لیں کہ ساری بات ہی اسی ایک شرٹ میں ہے۔" وہ جاتے جاتے پھر ٹھہرا۔

"اچھا۔۔۔! تو یہ بات ہے۔" وہ جیسے کچھ کچھ سمجھ گئی تھیں۔

"ہوں۔۔۔ یہی بات ہے۔" اس نے مبہم سا اقرار کیا۔

"کون ہے وہ۔۔۔؟" زبیدہ بیگم کا انداز دوستانہ ہو گیا۔

"میرے نزدیک۔۔۔ خوشبو کا پیکر۔۔۔" اس نے ایسے مسحور لہجے میں بتایا جیسے اس کے لہجے میں اس کی خوشبو بس گئی ہو۔

"بھائی۔۔۔!" ککو اسے ابھی تک کندھے پہ تولیہ ڈالے کھڑے دیکھ کر ایک دم چیخ اٹھی۔ ولید اس کی چیخ پہ گڑبڑا کے اس خوشبو کے حصار سے باہر آیا۔

"وہ نو۔۔۔!" اس نے سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے برآمدے میں لگے وال کلاک کی سمت دیکھا۔

"بس یار بس۔۔۔! میں دو منٹ میں آیا۔" وہ ککو سے کہتا اپنے کمرے کی طرف بھاگا اور اپنی شرٹ الماری میں رکھنے کے بعد دوسری شرٹ پہن کر بٹن بند کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

"چلو۔۔۔! آ جاؤ اب۔۔۔" وہ ککو کو اشارہ کرتے ہوئے بائیک نکالنے لگا۔

"او کے امی۔۔۔! خدا حافظ۔۔۔" اور پھر وہ بہن بھائی آگے پیچھے خدا حافظ کہتے گھر سے باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

صبح کا وقت تھا اور کراچی کی سڑکیں تھیں۔ جن پہ اس وقت ٹریفک کا اتنا ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں تھی۔ جب روڈ پہ کوئی سگنل سرخ ہوتا تو آگے پیچھے ایک دوسرے کے تعاقب میں بھاگتی دوڑتی گاڑیاں ایک ہی جگہ پہ چابی والے کھلونے کی طرح اسٹاپ ہو جاتیں اور ان رکی ہوئی گاڑیوں میں بیٹھے لوگ بے چینی کے مارے حرکت میں آ جاتے۔

اور ولید رحمان گاڑیوں میں بیٹھے لوگوں کی بے چینی سے لطف اندوز ہوتا اپنی بائیک پہ بیٹھا گنگناتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے ذرا فاصلے پہ کھڑی گاڑی میں بیٹھی ایک خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔ جواباً وہ لڑکی بھی مسکرائی۔ جس پہ ولید نے دوبارہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"بھائی۔۔۔!" ککو نے اسے پیچھے سے کافی آہستگی سے پکارا۔

"ہوں۔۔۔؟" اس نے فوراً گردن موڑ کر ککو کو دیکھنے کی کوشش کی۔

"لیفٹ سائیڈ پہ بھی ایک گاڑی ہے۔ وہ لڑکی بھی آپ کو ہی دیکھ رہی ہے۔ اس کی طرف بھی دیکھیں نا۔ کتنی پیاری ہے وہ۔۔۔" ککو نے اسے کسی اور طرف متوجہ کرنا چاہا۔

"ککو۔۔۔!" ولید نے اسے سرزنش کرتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھنا چاہا۔ مگر ککو کو دیکھنے کی کوشش میں اس کی نظر بائیں طرف کھڑی اس گاڑی پہ جا پڑی۔ جس میں بیٹھی لڑکی بقول ککو کے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"عزت۔۔۔" ولید کے ہونٹوں پہ اک غیر محسوس سی جنبش ہوئی۔

اور وہ لڑکی اس غیر محسوس سی جنبش سے بھی پہچان گئی تھی کہ اس کے ہونٹوں نے کس کا نام چھوا ہے۔ وہ بہت دیر سے اسے ہی تو دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ نجانے کہاں کہاں اور کس کس کو دیکھ رہا تھا۔ مگر عزت حیدر کی طرف دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گیا اور اس کے ہونٹوں کی گنگناہٹ ایک دم تھم سی گئی۔ پھر وہ آہستگی سے نظریں پھیر کر دوبارہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

بے ساختہ عزت نے اسے پکار کر متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن پھر اس کی بائیک کے پیچھے بیٹھی یونیفارم میں ملبوس انتہائی نوعمر سی لڑکی کو دیکھ کر اسے خود پہ قابو پانا پڑا اور وہ اسے پکارتے پکارتے رک گئی۔ اتنے میں سگنل بھی گرین ہو گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ گاڑی بڑھا کے اس کی بائیک کے آگے لے آتی وہ ایک دم اپنی بائیک اڑا لے گیا اور دوبارہ پلٹ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی عزت لب بھینچتے ہوئے اسٹیئرنگ پہ مکا رسید کر کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اتنے سارے لوگوں میں آفاق یزدانی مجرم بنا کھڑا تھا۔

کیونکہ ثمینہ یزدانی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور تقریباً سب ہی اس ہارٹ اٹیک کا ذمہ دار آفاق یزدانی کو ہی سمجھ رہے تھے۔ آخر رات کو ہی تو ثمینہ یزدانی کو پتا چلا تھا کہ آفاق نے فاریہ کو فون کال کی تھی اور اس فون کال میں اس نے فاریہ سے جو کچھ کہا تھا اسے جان کر وہ دل پہ صدمہ نہیں سہار پائی تھیں اور رات کے تین بجے انہیں دل کا دورہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پڑا تھا۔ حالانکہ وہ اپنے بستر سے ٹھیک ٹھاک اٹھی تھیں اور واش روم سے واپس آتے ہوئے اچانک سینے میں اٹھنے والے درد سے دوہری ہو کر نیچے فرش پہ جا گری تھیں۔ تب سے اب تک بے ہوش پڑی تھیں۔ وہ سب ان کے ہوش میں آنے کے منتظر بیٹھے ان کی زندگی کے لیے دعا کر رہے تھے۔

جبکہ وہ دونوں باپ بیٹا اپنی اپنی جگہ پہ چپ' خاموش اور گم صم سے بیٹھے تھے۔ کیونکہ چار سال پہلے بھی ان کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہو چکا تھا اور اس نقصان کے بعد وہ دوبارہ کسی ایسے نقصان کا حوصلہ اور ہمت نہیں رکھتے تھے' جو انہیں ایک بار پھر خالی کر کے رکھ دیتا۔ اسی نقصان کو سوچتے ہوئے وہ اندر سے خوف زدہ سے بیٹھے تھے۔ لیکن زبان سے اظہار نہیں کر پا رہے تھے۔

البتہ وہاں موجود سب جانتے تھے کہ وہ دونوں باپ بیٹا کیوں چپ ہیں۔ اور کس خوف نے ان کی قوت گویائی سلب کر رکھی ہے۔

اسی لیے رضا حیدر نے اپنے برابر بیٹھے اشتیاق یزدانی کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی' مگر وہ کہاں جانتے تھے کہ وہ کس کیفیت کی زد میں ہیں۔

"دیکھو۔۔۔! تم لوگ پریشان نہ ہو ان شاء اللہ۔۔۔! ثمینہ جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔ اللہ سے ہمیشہ بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔ ابھی تو اسے اپنے بیٹے کی شادی کرنی ہے۔ اس کی خوشیاں دیکھنی ہیں۔ اپنے ارمان پورے کرنے ہیں۔" رضا حیدر نے ان کا کندھا تھپکا۔

"ہونہہ۔۔۔! کیسی شادی۔۔۔؟ کیسی خوشیاں۔۔۔؟ اور کیسے ارمان حیدر بھائی۔۔۔؟ ہمارا کوئی بیٹا نہیں ہے جس کی شادی جس کی خوشیاں اور جس کے ارمان ہم پورے کریں گے۔ ہمارا صرف ایک ہی بیٹا تھا اور وہ چار سال پہلے مر چکا ہے۔" اشتیاق یزدانی کے ایسے سفاک الفاظ پہ رابعہ بیگم' منزہ رحیم اور نیو احمد کے دل مٹھی میں آ گئے۔

آفاق نے بھی اپنے باپ کی ایسی سفاک اور دل چیر دینے والی بات پہ گردن موڑ کر ان کے چہرے کی سمت دیکھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات بہت پتھریلے سے محسوس ہو رہے تھے۔ آفاق ان کے ایسے رویے پہ لب بھینچ کے رہ گیا۔ وہ اندر ہی اندر دوہری اذیت کا شکار تھا۔ لیکن اپنی اس اذیت کو بیان نہیں کر پا رہا تھا اور کوئی اسے یا اس کی اذیت کو سمجھ نہیں سکتا تھا۔

اس کے سگے ماں باپ بھی نہیں۔۔۔

بلکہ وہ بھی نہیں' جو اس کے بہت قریب' اس کے سینے کے اندر' اس کے دل میں رہتی تھی اور دل میں رہ کر بھی دل کی حرکات و سکنات سے انجان اور بے خبر ہی تھی۔

آفاق ایک دم وہاں سے اٹھ کر باہر نکل آیا اور طویل راہداری عبور کر کے باہر سیڑھیوں پر آ کھڑا ہوا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ اس کے پاس اپنی اور اپنے ماں باپ کی اذیت کا کوئی حل نہیں تھا۔

اور جو حل تھا۔۔۔ وہ اسے کر نہیں سکتا تھا۔

مگر اب اس کے اردگرد بے بسی کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت ہتھیار ڈال دے گا اور اس بے بسی کے ہاتھوں مجبور ہو جائے گا۔ آخر کب تک۔۔۔ وہ اکیلا اس بے بسی کی جنگ کو لڑ سکتا تھا؟

"آفاق۔۔۔!" اس کے بالکل برابر سے تیمور حیدر کی آواز سنائی دی اس نے چونک کر اپنے ہاتھ نیچے گرا لیے۔

"کیا پرابلم ہے۔۔۔؟" تیمور اس کے برابر کھڑا سامنے مین گیٹ سے لوگوں کی آمد و رفت دیکھ رہا تھا۔ البتہ مخاطب وہ اسی سے تھا۔

"نتھنگ۔۔۔!" آفاق نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا اور گہری سانس کھینچتے ہوئے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں پھنسا کر وہ بھی سامنے مین گیٹ کی طرف ہی دیکھنے لگا۔

"کسی کو پسند کرتے ہو۔۔۔؟" تیمور نے انتہائی سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"ہاں۔۔۔!" اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے سے لہجے میں اعتراف کیا۔

"کس کو۔۔۔؟" تیمور حیدر کا سوال بہت ہی فطری تھا۔

"فارہ رحیم کو۔۔۔" آفاق کا جواب بہت ہی چونکا دینے والا تھا۔

"واٹ۔۔۔ فارہ کو۔۔۔؟ تو پھر۔۔۔ تو پھر تم اس سے شادی سے انکار کیوں کر رہے ہو۔۔۔؟" تیمور کو اچنبھا ہوا۔

"ہونہہ۔۔۔! کب کر رہا ہوں یار۔۔۔؟" اس نے تلخی سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟ تم کہہ کیا رہے ہو؟" تیمور کو الجھن ہوئی۔

"میرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ میں فارہ سے شادی سے انکار نہیں کر رہا۔ اگر میرے ماں باپ اس طرح خوش ہوتے ہیں۔۔۔ تو ایسے ہی سہی۔ وہ اپنی خوشی اپنے ارمان پورے کر لیں۔ وہ جب کہیں گے میں فارہ کو لے آؤں گا۔ میری طرف سے کوئی انکار نہیں ہے۔" آفاق بے تاثر سے انداز میں کہہ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

اور تیمور اس کے ایسے اقرار پر مزید الجھن کا شکار ہو گیا (یعنی وہ یہ سب ماں باپ کے لیے کر رہا تھا۔۔۔ اپنے لیے نہیں؟

☆ ☆ ☆

"بال دیکھے ہیں اپنے۔۔۔ کتنے خشک اور بے رونق ہو رہے ہیں؟" بی گل نے اپنے قدموں کے قریب نیچے فرش پہ بیٹھی ماورا کے بالوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے خفگی کا اظہار کیا۔

"بالکل ہماری زندگی کی طرح۔۔۔ خشک اور بے رونق۔" ماورا نے لقمہ دیا۔ سلائی مشین پہ جھکی بی گل کا کرتا سلائی کرتی عافیہ بیگم کے ہاتھ ٹھٹکے۔ انہوں نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر ماورا کو دیکھا' لیکن وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل کی طرف متوجہ تھی۔

"میرا بچہ۔۔۔! اپنے بالوں کو بھی خشک اور بے رونق انسان خود بناتا ہے اور اپنی زندگی کو بھی خشک اور بے رونق خود ہی کرتا ہے۔ انسان کے بال اور زندگی انسان سے اس کی توجہ مانگتے ہیں۔ توجہ نہ دو تو بال اور زندگی ——— اجاڑ' ویران اور بے رنگ ہو جاتے ہیں۔ الجھتے ہیں تو پھر الجھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ لاکھ سنوارو۔ پھر نہیں سنورتے بلکہ ان کو سنوارنے میں الٹا تکلیف ہوتی ہے اور جب انسان اس تکلیف سے گزرتا ہے۔۔۔ تو پھر سوچتا ہے کہ وہ پہلے ہی توجہ دے لیتا تو اچھا ہوتا۔ کیونکہ بالوں کو اور زندگی کو چمک دار بنانے کے لیے بڑے بڑے طریقے اور بڑے بڑے جتن آزمانے پڑتے ہیں۔" بی گل تیل کی شیشی اٹھا کر ماورا کے بالوں میں مساج کرنے لگیں۔

"لیکن بی گل۔۔۔! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں' جو توجہ نہیں دیتے۔ میں طریقے بھی آزماؤں گی اور جتن بھی اور دیکھیے گا' زندگی کیسے چمک دار ہوتی ہے" ماورا نے نظر اٹھا کر عافیہ بیگم کو دیکھا۔ لیکن وہ سلائی مشین کے سامنے بیٹھی بی گل کا کرتا سلائی کرنے میں مصروف تھیں۔ ماورا کی بات پہ انہوں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ یوں جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"ان شاء اللہ۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔" بی گل نے صدق دل سے کہا۔ عافیہ بیگم اندر ہی اندر ان کی بات پہ کڑھ کے رہ گئیں' لیکن کہا پھر بھی کچھ نہیں۔

"آمین۔۔۔" ماورا نے بھی جواباً بڑے دل سے آمین کہا۔

اور بی گل ابھی اس کے بالوں میں تیل سے مساج کر ہی رہی تھیں کہ اچانک ماورا کا موبائل بج اٹھا موبائل

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چونکہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے فارہ کا نمبر اس نے پہلی نظر میں ہی پہچان لیا۔
"کس کا فون ہے۔۔۔؟" بی گل نے ہاتھ روک کر پوچھا۔
"فارہ کا۔۔۔!" وہ کہتے ہوئے فرش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ عافیہ بیگم نے چونک کر دیکھا۔ ماورا موبائل لے کر سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔
"اب موبائل لے کر دیا ہے تو پھر فون تو آئیں گے نا۔۔۔ صرف پاس رکھنے کے لیے، گیم کھیلنے کے لیے یا محض دیکھنے کے لیے تو نہیں لیا نا اس نے۔۔۔؟" بی گل نے تیل کی شیشی کا ڈھکن بند کرتے ہوئے کہا اور گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عافیہ بیگم ایک بار پھر چپ چاپ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئیں، لیکن اس کے باوجود ان کا دھیان ماورا کی آواز کی طرف ہی تھا، جو نیٹ ورک اور سگنلز پرابلم کی وجہ سے فون سننے کے لیے چھت پہ چلی گئی تھی۔
"ہاں، ہاں کہو۔۔۔ میں سن رہی ہوں۔" ماورا ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے فون سن رہی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اپنے تیل لگے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"ماورا۔۔۔! وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ شادی کے لیے مان گیا ہے۔" فارہ کے لہجے میں دکھ کی لرزش تھی۔
"کون۔۔۔؟" ماورا کا دھیان اپنے گھر کے ساتھ والی چھت کی طرف چلا گیا تھا۔ اس لیے بے دھیانی سے پوچھ بیٹھی۔
"وہی جو معذرت خواہ ہو رہا تھا۔" فارہ کے اندر کی تلخی لہجے میں اتری۔
"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ وہی جو محبت میں غلام نہیں ہوا۔ مگر معذرت خواہ ہو گیا تھا؟" ماورا کو جیسے یاد آ گیا۔
"ہاں۔۔۔! وہی۔۔۔" اب کی بار فارہ کا لہجہ دھیما ہو گیا۔
"تو کیا اب وہ غلام ہونے کے لیے تیار ہے؟" ماورا کے لہجے کی کاٹ کبھی کبھی بہت نمایاں ہو جاتی تھی اور وہ اسے چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتی تھی۔
"یہ تو مجھے نہیں پتا۔۔۔! بس اتنی خبر پہنچی ہے کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے۔" فارہ کے لہجے میں کسی خوشی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔
"ویسے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر وہ تیار کیسے ہو گیا؟" ماورا نے وجہ جاننی چاہی۔
"دو روز پہلے ثمینہ آنٹی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔" فارہ نے آہستگی سے بتایا۔
"اوہ۔۔۔ اچھا اچھا۔۔۔ تو اس غلام کی رضامندی کے پیچھے وجہ ہارٹ اٹیک ہے؟" ماورا نے پرسوچ اور سمجھنے والے انداز میں کہتے ہوئے سر ہلایا۔
"ہوں۔۔۔! بالکل۔۔۔" فارہ نے اعتراف کیا۔
"صدقے جاؤں اس ہارٹ اٹیک کے۔۔۔" ماورا کی طرف سے طنز کا ایک اور نشتر چلایا گیا۔ فارہ خاموش ہی رہی۔

"تو پھر اب آپ جناب کا کیا ارادہ ہے۔۔۔" ماورا نے آگے کا پوچھا۔
"میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" فارہ کا جواب انکار میں تھا۔
"مطلب۔۔۔؟" ماورا کا سوال نا سمجھی لیے ہوئے تھا۔
"مطلب یہ کہ میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" فارہ نے اسے صاف صاف اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔
"ہونہہ۔۔۔! کون کہتا ہے کہ تم یہ شادی نہیں کرو گی؟" ماورا کے لہجے میں استہزا اترا ہوا تھا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟" فارہ چونکی۔

"میرا مطلب ہے کہ تم یہ شادی کرو گی اور ضرور کرو گی۔ کیونکہ تمہاری رسی تو پہلے ہی محبت جیسے مداری کے ہاتھ میں ہے۔ مداری نچائے گا اور تم ناچو گی۔۔۔ اقرار کرو تب بھی۔۔۔ انکار کرو تب بھی۔۔۔ ناچنا تو تمہاری قسمت میں لکھا ہے۔ اس لیے ناچنا تو پڑے گا ہر صورت میں اور ہر حال میں۔۔۔ کیونکہ زندگی میں انسان کو صرف دو ہی چیزیں نچاتی ہیں۔ ایک اس کی مجبوری اور دوسری اس کی محبت۔۔۔ یہاں بھی یہ معاملہ صاف ظاہر ہے۔ آفاق یزدانی مجبوری میں ناچ رہا ہے اور فارہ رحیم محبت میں۔۔۔ اس لیے انکار کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔" ماورا نے کہتے ہوئے کندھے اچکائے۔
"لیکن ماورا۔۔۔! میں اس کی مجبوری سے شادی نہیں کروں گی۔ وہ میری محبت کو بیاہنے کے لیے تیار نہیں ہوا تو میں اس کی مجبوری کو بیاہنے کے لیے کیسے مان جاؤں؟ کیا اس کی مجبوری بڑی ہے میری محبت سے۔۔۔؟" آج لگ رہا تھا کہ فارہ کا دل بہت ٹوٹا ہوا تھا۔ جس کی نوکیلی کرچیاں اس کے لہجے اور اس کے لفظوں سے ہی محسوس ہو رہی تھیں۔
"بڑی تو ہے نا۔۔۔! آخر ہارٹ اٹیک ہوا ہے اس کی مدر کو۔۔۔"
"ان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے ماورا۔۔۔! لیکن میرا ہارٹ فیل ہو سکتا تھا۔ جب اس نے معذرت کی تھی۔" فارہ بپھر گئی۔
"تمہارا ہارٹ فیل ہوتا۔۔۔ تو ہو سکتا تھا کہ وہ بھی تمہاری محبت کو بیاہنے کے تیار ہو جاتا۔ مگر تمہارا ہارٹ فیل نہیں ہوا۔ اس لیے وہ بھی تیار نہیں ہوا۔ لیکن اب اس کی مدر کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے تو وہ مجبوری کو بیاہنے کے لیے مان گیا ہے اور تمہیں کیا ہے؟ بیاہنے دو۔۔۔ بیاہ اچھا ہوتا ہے اور ویسے بھی محبت کو بیاہے یا مجبوری کو، بات تو ایک ہی ہے نا۔۔۔؟" ماورا نے اسے سکون سے مشورہ دیا فارہ حیرت زدہ سی رہ گئی۔
"یہ تم کہہ رہی ہو ماورا۔۔۔؟"
"جی ہاں۔۔۔ یہ میں کہہ رہی ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ دوسرا ہارٹ اٹیک تمہاری مدر کو آئے اور دو روز بعد تم مجھے کال کر کے کہو کہ میں شادی کے لیے مان گئی ہوں ماورا! کیونکہ دو روز پہلے میری ممی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔" ماورا نے اس کی ممکنہ رضامندی کا نقشہ ابھی سے کھینچ دیا۔ فارہ ایک دم چپ ہو گئی۔ کیونکہ ماورا کچھ غلط بھی تو نہیں کہہ رہی تھی۔ آخر آفاق یزدانی کے انکار سے اتنی بڑی مصیبت آ سکتی تھی تو پھر اس کے انکار سے بھی کوئی طوفان اٹھ سکتا تھا۔ جس کو محض سوچ کر ہی فارہ کا دل لرز گیا۔
"بہتر ہے کہ تم دونوں ایک ہی ہارٹ اٹیک سے مان جاؤ۔ تاکہ دوسرے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ دیکھو میں تمہاری دوست ہوں۔ میں کبھی بھی تمہیں غلط مشورہ نہیں دوں گی، لیکن اس مشورے پہ عمل کرنا تمہاری اپنی مرضی پہ ڈپینڈ کرتا ہے۔ تم خود سمجھ دار ہو۔ اپنے انکار کا ارادہ اقرار میں بدل دو۔ کیونکہ زندگی کے اس موڑ پہ اس کی مجبوری اور تمہاری محبت کو تمہارے اقرار کی ضرورت ہے۔ اب قسمت میں آگے کیا لکھا ہے۔ یہ تم آگے جا کر دیکھنا۔" ماورا نے بات ختم کرتے ہوئے فیصلہ قسمت پہ اور فارہ کی مرضی پہ چھوڑ دیا تھا۔
لیکن فارہ اس وقت کچھ بھی کہنے کی حالت میں نہیں رہی تھی۔ اس نے کچھ بھی کہے بغیر آہستگی سے فون بند کر ڈالا۔ ماورا ایک دم سے ساکت ہو جانے والے موبائل کو دیکھتی رہ گئی اور پھر فارہ کی حرکت پہ خفگی سے سر جھٹک کر قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھا دیے۔ کیونکہ سامنے والے گھر کی چھت پر کھڑا لڑکا مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس لڑکے کو گھورتی ہوئی نیچے اتر آئی۔
وہ لڑکا یقیناً کوئی اجنبی تھا۔ کیونکہ اگر اس محلے کا رہنے والا ہوتا تو اسے پتا ہوتا کہ وہ کس مزاج کی اور کس ٹائپ کی لڑکی ہے۔ اس لیے اسے تاڑنے کی جرات کبھی بھی نہ کرتا۔ جیسے محلے کے باقی لڑکے نہیں کرتے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

☼ ☼ ☼

"مجھے... مجھے... ایک بار... صرف ایک بار اس سے پوچھنا تو چاہیے تھا کہ وہ عزت حیدر کے جذبات اور احساسات کو اگر جھٹک کر گیا ہے تو وجہ کیا تھی؟ کیا میں اسے اچھی نہیں لگی؟ یا اسے کوئی اور اچھی لگتی ہے؟ یوں بغیر کسی وجہ کے اور بغیر کسی دلیل کے تو تم میری ذات کی نفی نہیں کرسکتے نا ولید رحمان... اور نہ ہی مجھ سے اس طرح منہ موڑ سکتے ہو... تمہیں کچھ تو کہنا ہوگا... تمہیں کچھ تو بتانا ہوگا۔"

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ جب اس کا دھیان خود بخود ہی ولید رحمان کی طرف چلا گیا اور وہ بے چینی سے ٹی وی کے چینل بدلنے لگی۔ اسے ولید رحمان سے بات کرنے کا طریقہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور دماغ مسلسل حل سوچنے میں لگا ہوا تھا اور مختلف آئیڈیاز اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ جن کی وہ مسلسل نفی کیے جارہی تھی۔

اس کے گھر کا ایڈریس کیا ہے؟ یہ بھی نہیں معلوم...

وہ کہاں اور کیا جاب کرتا ہے؟ یہ بھی نہیں معلوم...

یہاں تک کہ اس کا نمبر کیا ہے؟ یہ بھی نہیں معلوم...

"نمبر...؟"

وہ سوچتے سوچتے نمبر پہ آکر اٹک گئی۔ کیونکہ اگر اسے نمبر مل جاتا تو وہ آسانی سے اس سے بات کرسکتی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ نمبر ملتا کہاں سے؟ اس کے ذہن نے خود ہی سوال اٹھایا۔

"تیمور بھائی...!" اور جواب میں ذہن خود ہی تیمور کی طرف چل نکلا۔ لیکن دوسرا سوال ذرا مشکل میں ڈالنے والا تھا۔

"مگر میں تیمور بھائی سے ان کے دوست کا نمبر کیسے مانگ سکتی ہوں بھلا؟ کیسے کہہ سکتی ہوں کہ تیمور بھائی مجھے ولید رحمان کا نمبر چاہیے... میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں... مجھے اس سے کچھ پوچھنا ہے۔"

تیمور کی طرف چلتے چلتے اس کے سوچ کے قدم ٹھٹک گئے... وہ راستے سے پلٹ آئی۔

بے شک ان دونوں بہن بھائی کے درمیان بہت زیادہ انڈراسٹینڈنگ تھی۔ لیکن ایسے معاملے پہ آکر تو ہر بھائی کی طرح اس کی غیرت بھی اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوسکتی تھی۔ وہ اس کی غیرت کو آزمانے اور چھیڑنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔

مگر مسئلہ یہ بھی تھا کہ تیمور کے سوا ولید رحمان کا نمبر یا ایڈریس بھی تو کہیں اور سے نہیں مل سکتا تھا۔ ولید کا نمبر تیمور کے موبائل میں محفوظ تھا اور موبائل تیمور کے پاس تھا۔

"موبائل...؟" پہلے نمبر اور اب موبائل پہ اس کی سوئی اٹک گئی تھی۔ اچانک وہ کچھ سوچتے سوچتے ٹی وی کا ریموٹ بیڈ پہ اچھال کر بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے چہرے کے تمام تاثرات پر قابو پاتے ہوئے سلیپر پہن کر باہر نکل آئی۔ اس کا رخ تیمور کے بیڈ روم کی طرف تھا۔

لیکن بیڈ روم کے دروازے کے قریب پہنچ کر اس کے قدم رک گئے۔ چند لمحے دروازے کے باہر ٹھہر کر اسے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرنی پڑیں اور اس کے بعد کہیں اس نے تیمور کے بیڈ روم کے دروازے پہ دستک دینے کی جرات کی تھی۔

"ہوں... کون...؟" اندر سے اس کی مصروف سی آواز سنائی دی۔ عزت نے دروازہ ذرا سا دھکیل کر اندر جھانکا۔

"مے آئی کم ان سر...؟" عزت نے خاصے خوشگوار موڈ میں پوچھا۔ تیمور ایک دم چونک گیا۔

"او یس ڈارلنگ... کم ان... کم ان... آخر تمہیں اجازت کی کیا ضرورت؟" تیمور نے اسے دیکھتے ہی بے اختیار اپنے سامنے بیڈ پہ رکھے لیپ ٹاپ کو پیچھے سرکا دیا اور اپنی پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ دروازے کو ذرا اور دھکیلتی ہوئی اندر آگئی۔

"ہائے...! کیا ہو رہا ہے اس وقت؟" وہ متوازن قدموں سے چلتی اس کے بیڈ کے کنارے پہ آکے ٹک گئی۔

"بس...! وہی جو روز ہوتا ہے۔ کام، کام اور کام..." تیمور نے کندھے اچکاتے ہوئے بیڈ پہ بکھرے کاغذات، فائلز اور لیپ ٹاپ کی سمت اشارہ کیا۔

"مگر مجھے تو اس کام کی کچھ سمجھ نہیں آرہی۔" عزت نے حیرت سے کہا۔

"وہ کیوں...؟" تیمور کو اس کی حیرت پہ حیرت ہوئی۔

"وہ اس لیے کہ ٹی وی بھی چل رہا ہے، لیپ ٹاپ بھی آن ہے اور فائلز بھی کھلی پڑی ہیں۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کیا اور کس نوعیت کا کام کر رہے ہیں؟" عزت کی مصنوعی حیرت ہنوز تھی۔ تیمور اس کی حیرت کا مفہوم جان کر بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"بس یار...! میرا کام کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں کئی کام کرنے پڑتے ہیں اور اس وقت بھی یہی ہو رہا ہے۔ کام بھی کر رہا ہوں اور ساتھ ساتھ نیوز بھی سن رہا ہوں۔ کیونکہ اتنی فرصت تو ملے گی نہیں کہ میں یہ دونوں کام الگ الگ وقت پہ کرسکوں۔ اس لیے مجھ جیسے آدمی کو سب کچھ ساتھ ساتھ کرنا پڑتا ہے اور ابھی تو شکر ہے کہ فون بند ہے۔ ورنہ وہ بھی کام کے دوران بھی کان سے لگا ہوتا۔" تیمور بے چارگی سے بتاتے ہوئے مسکرایا اور عزت کو سن کر افسوس ہونے لگا۔

"ہوں...! کافی ٹف روٹین ہے آپ کی بھی... اتنا کام کرتے ہیں آپ... میں نے خوامخواہ آپ کو ڈسٹرب کردیا آکر..." عزت معذرت خواہانہ سے لہجے میں بولی۔

"ارے نہیں نہیں میری جان...! مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے تمہیں یہاں دیکھ کر... البتہ یہ اور بات ہے کہ تم یہاں کسی کام سے آئی ہو۔" تیمور نے پرشفقت لہجے میں کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے تھپکا عزت ایک دم ٹھٹک گئی۔

"کیا مطلب...؟ آپ کو کیسے پتا کہ میں یہاں کسی کام سے آئی ہوں؟" عزت نے تیمور کے ہاتھ میں تھمے اپنے ہاتھ کو بمشکل لرزنے سے روکا۔ کیونکہ تیمور کی بات پہ اس کے اندر کا چور بدک گیا۔ تیمور مسکرا دیا۔

"ٹائم دیکھو..." اس نے وال کلاک کی سمت اشارہ کیا۔ جہاں اس وقت رات کے ایک بجنے میں محض چار منٹ باقی تھے۔

"جی...! وہ میں بھی جاگ رہی تھی۔ اس لیے چلی آئی۔" اس نے وال کلاک سے نظر ہٹا کر چہرہ جھکا لیا۔

"جاگ کیوں رہی تھیں...؟" تیمور نے نرمی سے پوچھا۔

"بس ایسے ہی ایک فرینڈ سے ٹیکسٹ چیٹ ہو رہی تھی۔ لیکن میسج سینڈ کرتے کرتے اچانک نیٹ ورک میں کوئی پرابلم آگیا ہے اور میسج سینڈ نہیں ہو رہا۔ نہ ہی کال مل رہی ہے۔ اس لیے..." اس نے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی اور تیمور اس کا کام سمجھ گیا۔

"اس لیے تمہیں میرا موبائل چاہیے... ہے نا...؟" تیمور نے اس کی ادھوری بات کو مکمل کیا۔

"جی...! بس تھوڑی دیر کے لیے..." اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"پاگل...! جب ضرورت ہے تو پھر تھوڑی دیر کیا اور زیادہ دیر کیا... وہ چارجنگ پہ لگا ہے، لے جاؤ۔" تیمور نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے سر پہ چپت لگاتے ہوئے کہا اور بیڈ کی دوسری سائیڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

"تھینک یو بھائی۔ ! تھینک یو سو مچ۔" وہ تیزی سے اٹھی اور اس کا موبائل چارجنگ سے ہٹا کر باہر نکل آئی اپنے بیڈ روم کی طرف واپس آتے ہوئے اپنے ہاتھ میں تھمے تیمور کے موبائل کو دیکھ کر اس کے من کی کلی کھل اٹھی تھی۔

پھر اپنے بیڈ روم میں آکر دروازہ مقفل کیا اور پھر اپنے بیڈ پہ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد اس نے تیمور کے موبائل میں محفوظ تمام کانٹیکٹ نمبرز سے ڈبلیو تلاش کیا۔ ولید کا نمبر ٹاپ پر آگیا۔ جس کو بڑی احتیاط سے اپنے موبائل میں محفوظ کرتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے مطمئن ہو گئی۔ کیونکہ اب اسے ولید رحمان سے بات کرنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔

✡ ✡ ✡

ولید اپنی کسی رپورٹ کی تیاری کے سلسلے میں نیوز چینل کے آفس میں مسلسل بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ جب اچانک اس کا موبائل بجنے لگا۔ پہلے تو وہ نظر انداز کیے اپنے کام میں لگا رہا۔ لیکن جب موبائل کی گھنٹی متواتر بجتی رہی تو مجبوراً اسے موبائل نکال کر دیکھنا ہی پڑا۔ اسے موبائل کی اسکرین پہ ایک انجان نمبر نظر آیا تجسس کے باعث اس نے فوراً فون ریسیو کیا۔

"ہیلو۔ !" عجلت کے باوجود اس نے اپنے لہجے میں سکون اور ٹھہراؤ رکھا۔

"ولید رحمان۔۔۔؟" دوسری طرف نسوانی آواز تھی اور آواز بھی وہ جس کو سن کر ولید اپنے اندر تک ٹھٹک گیا۔ حالانکہ یہ آواز فون پہ وہ پہلی بار سن رہا تھا۔ لیکن پہچانی ایسے تھی۔ جیسے صدیوں سے سنتا آرہا ہو۔

"آپ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ آپ ولید رحمان ہی ہیں۔۔۔؟" اس کے لہجے کا سکون ولید کے سکون سے بھی زیادہ دبیز تھا۔

"جی۔ ! میں ولید رحمان ہی ہوں اور آپ۔۔۔؟" اس نے اجنبی ہو جانا چاہا۔

"آپ کی خاموشی یہ بھی بتا رہی ہے کہ آپ مجھے پہچان کر ہی خاموش ہوئے ہیں۔" اس کا جواب استہزائیہ سا تھا۔

"آپ نے فون کیوں کیا۔۔۔؟" ولید نے دوٹوک انداز اپنایا۔

"آپ کو خاموش کرنے کے لیے۔" اس کا لہجہ پل بھر میں بدلا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ الجھا۔

"ولید صاحب۔ ! مطلب پوچھنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن مطلب سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آپ اگر مطلب سمجھنے کا وعدہ کریں تو مطلب بتاتی ہوں۔ ورنہ رہنے دیں۔" وہ بھی اپنی طرز کی ایک ہی لڑکی تھی۔

"میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"مصروف تھے تو مطلب کیوں پوچھا؟ اور اگر پوچھ ہی لیا ہے تو ذرا سا حوصلہ پیدا کریں خود میں۔۔۔ ساری بات کہہ دوں گی۔ بس آپ کی مصروفیت سے چند پل درکار ہیں۔ پھر آپ کو میرے فون کا مطلب بھی سمجھ میں آجائے گا اور اپنی خاموشی کی وجہ بھی پتا چل جائے گی۔" اس کا لہجہ مبہم سا انداز لیے ہوئے تھا۔

ولید تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اسے واقعی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے اور دوسری طرف وہ خفگی سے جھنجلانے لگی۔

"ولید رحمان۔ ! آپ کو بات نہیں کرنی تو فون بند کر دیں یوں چپ ہو جانے کا کیا مطلب۔۔۔؟" اس کی خفگی اور جھنجلاہٹ اس کے لہجے سے ہی نمایاں ہو رہی تھی۔

"نہیں۔ ! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں واقعی بہت مصروف ہوں۔" ولید نے اپنے لہجے اور انداز کی اجنبیت پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"آپ فارغ کب ہوں گے۔۔۔؟ وقت بتا دیں۔۔۔ میں کال کر لوں گی۔" اس نے اس کی مصروفیت کا حل نکالا۔

"میری فراغت کا ٹائم مقرر نہیں ہے۔ ایم سوری۔" ولید نے معذرت کی۔

"اوکے۔ ! ایز یو وش۔۔۔ آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔۔۔ میں کال نہیں کروں گی۔ مگر اس وقت آخری بات یہ بتا دیں کہ آپ تیمور حیدر کی بہن کو اگنور کیوں کر رہے ہیں؟" اب وہ دوٹوک ہوئی تھی۔

"کیونکہ وہ تیمور حیدر کی بہن ہے۔" ولید کا جواب برجستہ آیا۔

"اور اگر وہ تیمور حیدر کی بہن نہ ہوتی تو۔۔۔؟" اس کی برجستگی بھی کمال کی تھی۔

"تو سچویشن کچھ اور ہوتی۔" وہ بھی بے ساختہ کہہ گیا۔

"سچویشن کچھ اور ہوتی۔۔۔ مطلب۔۔۔؟" وہ الجھی۔

"مطلب یہ کہ شاید پھر میں اپنی مصروفیت سے ٹائم نکال ہی لیتا۔" اس نے اپنی مجبوری بتائی۔

"اوف۔ ! تو پھر یوں کہیں نا کہ آپ صرف تیمور حیدر کی بہن کے لیے مصروف ہیں۔ ورنہ آپ کے پاس سب کے لیے فراغت ہے۔۔۔ سب کے لیے ٹائم ہے۔" دوسری طرف اس کا لہجہ بجھ گیا اور ولید کو ایک بار پھر سنبھلنا پڑا۔

"نہیں۔۔۔ ! میں نے یہ تو نہیں کہا۔" اس نے اس کی بات کی نفی کی۔

"آپ نے جو کہا میں نے سن لیا۔ کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ کی مصروفیت میں خلل نہ ڈالوں۔۔۔ البتہ اس کوشش میں میں کہاں تک کامیاب ہوتی ہوں۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ مگر پھر بھی کوشش ضرور کروں گی۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔" اگلے ہی پل اس نے بات ختم کر کے فون بند کر دیا۔ اپنی ٹیبل کے قریب کھڑا ولید اپنے موبائل کو دیکھتا رہ گیا۔

"عزت حیدر۔۔۔ !" وہ زیر لب بڑبڑایا اور پھر بے ساختہ لب بھینچ لیے۔

"تم نہیں جانتیں۔۔۔ تم کچھ بھی نہیں جانتیں عزت حیدر۔۔۔ زندگی میں سب کچھ بتانے کے لیے نہیں ہوتا۔ کچھ خاموش ہو جانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ محسوس ہو جانے کے لیے بھی ہوتا ہے اور بھول جانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں بولا اور پلٹ گیا۔

میرے جسم سے اس کی خوشبو آج بھی آتی ہے
میں نے فرصت میں کبھی خود سے لگایا تھا اسے

✡ ✡ ✡

ثمینہ یزدانی کے اسپتال سے فارغ ہو کر گھر آتے ہی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ اشتیاق یزدانی اور ثمینہ یزدانی اتنے خوش تھے آج کل کہ کوئی بھی ان کی خوشی کی انتہا کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ آفاق ان کی اس قدر خوشی دیکھ کر اندر سے اور بھی افسردہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

اس کے ماں باپ کب سے اس مسرت کے انتظار میں جی رہے تھے اور وہ انہیں یہ خوشی دے ہی نہیں پا رہا تھا' لیکن اب جب انہیں اس خوشی کا پروانہ دے دیا تھا تو اسے اپنا دل بھی کچھ ہلکا پھلکا سا محسوس ہو رہا تھا۔ دل کے بوجھ میں ذرا کمی محسوس ہوئی دل کی دھڑکن بھی بڑی سبک رفتاری سے دھڑکنے کا کام کرنے لگی۔ وہ شادی کے تمام

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہنگاموں اور تیاریوں کو کافی دلچسپی سے انجوائے کر رہا تھا۔
ہر پریشانی اور ہر اذیت کو بھول کر وہ دو سال پہلے والا آفاق یزدانی بن چکا تھا۔ جس کے خواب و خیال کی دنیا سے لے کر حقیقت کی دنیا تک صرف اور صرف فارہ رحیم کا راج تھا۔ اور اس دنیا میں وہ اس کے تابع رہتا تھا۔ اس کا غلام بن کے۔۔۔
جہاں وہ اس کی پلکوں کی جنبش پہ حرکت کرتا تھا اور اس کی آنکھ کے اشاروں پہ سر جھکاتا تھا اور اگر وہ ابرو اچکا کر دیکھ لیتی تو جان پہ بن آتی تھی۔
اور ایسا ہی اس کے ساتھ آج کل بھی ہو رہا تھا۔ دل غلامی پہ آمادہ اور دماغ دلیلوں پہ بضد تھا۔
لیکن کامیابی آج کل دل کو ہی حاصل تھی۔ کیونکہ دل نے دماغ کی طرف سے کان بند کر لیے تھے۔ وہ کچھ بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بس اپنی ہی موج میں رواں تھا اور زندگی کو انتہائی قریب سے محسوس کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم بابا۔۔۔! کیسے ہیں آپ۔۔۔؟" تیمور تیار ہو کر آفس کے لیے نکل رہا تھا۔ جب اسے رضا حیدر کے بلاوے پہ ان کے بیڈ روم میں آنا پڑا تھا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔! جیتے رہو' خوش رہو۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کیسے ہو۔۔۔؟" وہ بیڈ پہ لیٹے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر تکیے کا سہارا لیتے ہوئے اٹھ بیٹھے اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔
"اللہ کا شکر ہے۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔ بس آفس کے لیے نکل ہی رہا تھا کہ آپ کا پیغام پہنچ گیا۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔
"ہاں۔۔۔! وہ دراصل تمہیں یہ بتانا تھا کہ تمہیں فیصل آباد جانا ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق کے ساتھ۔۔۔" رضا حیدر نے اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی طبیعت کو ذرا فریش کرنا چاہا۔
"فیصل آباد۔۔۔ ثمینہ آنٹی اور اشتیاق انکل کے ساتھ۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔؟" اس نے حیرانی سے سوال کیا۔
"وہ لوگ آفاق اور فارہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا' مگر تم جانتے ہو کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آج شام چھ بجے ڈاکٹر کے ساتھ اپائنٹمنٹ بھی ہے اس لیے میں نے ثمینہ سے کہہ دیا تھا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرے بجائے تیمور چلا جائے گا اور تمہارے جانے کا سن کر وہ بہت خوش بھی ہے کیونکہ اسے پتا ہے کہ تم مجھ سے بھی زیادہ اچھے طریقے سے سارے معاملات طے کر لو گے۔" انہوں نے اسے آمادہ کرنا چاہا۔
"معاملات۔۔۔! کیسے معاملات بابا جان۔۔۔؟ آپ کو پتا بھی ہے کہ میں صرف بزنس کے معاملات ہی طے کر سکتا ہوں اس کے علاوہ مجھے کسی اور چیز کی کوئی خبر نہیں ہے اور یہ شادی بیاہ کی تو بالکل بھی نہیں۔۔۔" تیمور بدک گیا۔
"خبر رکھو گے تو خبر ہو گی نا۔۔۔؟ اور ویسے بھی یہ کون سا مشکل کام ہے۔ صرف ایک دوسرے سے مشورے کے ساتھ ڈیٹ فکس کرنی ہے اور مہندی' مایوں' بارات اور رخصتی کی ٹائمنگ طے کرنی ہے۔ باقی کوئی چھوٹا موٹا مسئلہ ہوا تو وہ بھی ڈسکس کر لینا۔ بس اتنا سا تو کام ہے۔" انہوں نے بڑی سہولت سے اس سارے کام کو اتنا سا کام کہہ کر بات ہی ختم کروا لی تھی۔
"مگر بابا۔۔۔! مجھے یہاں کام ہے۔ میں آفس چھوڑ کے کیسے جا سکتا ہوں بھلا۔۔۔؟" وہ جھنجلانے لگا۔
"جیسے اپنے کسی کام سے جاتے ہو۔۔۔؟" رضا حیدر سکون میں تھے۔
"مگر میں فیصل آباد۔۔۔" تیمور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اسے فیصل آباد کی سڑکوں پہ ڈھلنے والی ایک ہنگامہ خیز شام

یاد آ گئی اور فیصل آباد کے لیے ناپسندیدگی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔
"جانتا ہوں' تمہیں فیصل آباد پسند نہیں ہے۔ مگر پھر بھی دعا ہے کہ تمہیں فیصل آباد پسند آجائے اور ایسا پسند آئے کہ تمہارا بار بار وہیں جاؤ اور بھاگ بھاگ کر جاؤ۔" وہ کہتے ہوئے مسکرائے۔
"نہیں۔۔۔! ایسی بات نہیں ہے' فیصل آباد اتنا برا بھی نہیں ہے۔ بس کسی شہر' کسی جگہ پہ دل لگنے کی بات ہوتی ہے۔ دل لگ جائے تو سب کچھ پسند آجاتا ہے۔" وہ بہت آہستگی سے بولا۔
"اوہ۔۔۔! یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ کرے تمہارا فیصل آباد میں دل لگ جائے؟" وہ معنی خیزی سے گویا ہوئے۔
"دعا تو بہت اچھی ہے' کریں گے تو اور اچھی ہو جائے گی۔ فیصل آباد میں آنا جانا آسان ہو جائے گا میرا۔۔۔" تیمور اپنے خیال کی بیچ پہ کسی کا پیکر سجا کے مسکرایا۔
"ہائیں۔۔۔؟ یہ تم کہہ رہے ہو۔۔۔؟" نہیں حیرت کا جھٹکا لگا۔
"جی۔۔۔! یہ میں ہی کہہ رہا ہوں۔ آپ بس دعا کیجیے۔ میں فیصل آباد میں دل لگانے کے لیے تیار ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ فیصل آباد جانے کے لیے تیار ہوں۔ آپ ثمینہ آنٹی کو بتا دیجیے۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔
اور رضا حیدر حیران پریشان رہ گئے کہ تیمور کے منہ سے ایسی بات۔۔۔؟ حیرت ہی تو تھی۔

☆ ☆ ☆

"فارہ۔۔۔! میں نہیں آسکتی۔۔۔ تمہیں پتا تو ہے کہ میرا تمہارے گھر آنا کتنا مشکل ہے؟ امی اجازت نہیں دیں گی۔" ماورا نے اسے ٹالنا چاہا۔
"مگر ماورا۔۔۔! تم پہلے بھی تو ایک دو بار میرے گھر آچکی ہو نا۔ وہ بھی آنٹی کی اجازت کے بغیر۔۔۔ تو پھر اب کیوں نہیں۔۔۔؟" فارہ آفاق کی وجہ سے پہلے ہی ایک عجیب سی کشمکش کا شکار تھی' اب ماورا کے انکار پہ مزید روہانسی سی ہونے لگی۔
"فارہ۔۔۔! فارہ۔۔۔! پلیز۔۔۔ پہلے کے آنے میں اور اب کے آنے میں بہت فرق ہے یار۔۔۔ پہلے میں دن کے وقت آئی تھی۔ وہ بھی صرف دس پندرہ منٹ کے لیے اور اب تم رات کے وقت آنے کا کہہ رہی ہو۔ وہ بھی دو تین گھنٹوں کے لیے۔۔۔ تو پھر تم خود سوچو کہ ایسے ٹائم میں' میں امی کی اجازت کے بغیر گھر سے کیسے باہر نکل سکتی ہوں۔۔۔؟" ماورا نے الٹا اس سے سوال کیا۔
"مگر میں اور کیا کروں۔۔۔؟ کس سے کہوں کہ میں اکیلی ہوں۔۔۔ اور مجھے کسی کی ہیلپ کی ضرورت ہے۔ یہاں میری کوئی کزن نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے سوا اور کوئی دوست ہے۔" فارہ تو جیسے رو دینے کو تھی۔
اور ماورا چند ثانیے کے لیے خاموش ہو گئی۔ اسے فارہ کے بارے میں سوچ کر اس پہ ترس آیا۔
"ماورا۔۔۔! بتاؤ نا اور کس سے کہوں۔۔۔؟" کس سے التجا کروں کہ میری شادی ہے اور مجھے کسی دوست کے سہارے اور اپنائیت کی ضرورت ہے؟ میں اتنی خوشی کے باوجود اندر سے بہت پریشان ہوں اور مجھے اس پریشانی میں کوئی تسلی دینے والا چاہیے۔ کوئی ایسا جو مجھے۔۔۔ میری تکلیف اور میری اذیت سمیت سمجھ سکے۔"
فارہ کہتے کہتے رو پڑی اور پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ ماورا کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ کوئی طنز اور کوئی چوٹ نہیں کر سکی اور نہ ہی اس نے کوئی سخت سست الفاظ کہے۔ بلکہ چپ کی چپ رہ گئی۔ فارہ نے آہستگی سے فون بند کر دیا۔
"ارے۔۔۔! چپ کیوں ہو گئی ہو بچے۔۔۔؟ سہیلی ناراض ہو گئی کیا؟" بی گل کے سوال پہ وہ چونک گئی اور پھر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سیڑھیوں سے اٹھ کر صحن میں بچھی ان کی چارپائی پہ آبیٹھی۔

"سہیلی ناراض ہوجائے تو کیا کرنا چاہیے۔۔۔؟" اس نے حد درجہ سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"تو سہیلی کو سہیلی بن کر منانا چاہیے۔" بی گل کا جواب پر سکون سا تھا۔

"اگر منانا مشکل ہو تو۔۔۔؟"

"تو پھر سہیلی آسانی سے کھو جاتی ہے۔ اور جو آسانی سے کھو جاتے ہیں وہ بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔" بی گل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے تھپکا۔

"مگر بی گل میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔" ماورا نے بے حد آہستگی سے نفی میں گردن ہلائی۔

"تو پھر منالو۔۔۔" ان کا وہی مشورہ تھا۔

"ہوں۔۔۔! اب یہی سوچ رہی ہوں کہ منانا تو پڑے گا ہی۔۔۔ مگر اس کو منانے سے پہلے امی کو منانا زیادہ ضروری ہے۔" ماورا کا انداز کافی پر سوچ سا تھا۔

"تو ٹھیک ہے نا۔۔۔ جو زیادہ ضروری ہے پہلے وہ کرلو۔" وہ تو ہر بات پہ متفق اور پر سکون ہی تھیں۔

"لیکن امی آئیں گی تو تب نا۔۔۔؟ پہلے تو کبھی اتنی دیر نہیں لگائی انہوں نے۔۔۔" ماورا نے موبائل اسکرین پہ ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا۔۔۔! بازار میں دیر ہو ہی جاتی ہے۔ ابھی آجائے گی۔ فکر نہ کر۔۔۔" بی گل اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

اور ماورا عافیہ بیگم کا انتظار کرنے لگی۔ کیونکہ اسے فارہ کے پاس پہنچنا تھا اور وہ لیٹ ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

عافیہ بیگم کو ماورا کے جانے کا سن کر یوں لگا۔ جیسے کرنٹ چھو گیا ہو۔ وہ بدک گئیں۔ انہوں نے ماورا کو خاصی سخت نظروں سے دیکھا۔

"امی پلیز۔۔۔! میری اور کوئی دوست نہیں ہے اور نہ ہی میرا کسی کے گھر آنا جانا ہے۔ بس صرف یہی ایک دوست ہے اور اب وہ بھی چار دن کی مہمان ہے۔ شادی ہوگئی تو کراچی چلی جائے گی۔ بعد میں پھر کب ملاقات ہوگی یہ تو ہمیں بھی نہیں پتا۔۔۔؟ لیکن پلیز جتنا عرصہ وہ یہاں ہے اور جب تک اس کی شادی کا فنکشن ہے۔ تب تک ہمیں ایک دوسرے سے ملنے کی اور فنکشن اٹینڈ کرنے کی اجازت دے دیں۔۔۔ صرف اس بات پہ بھروسا رکھ کے کہ اللہ کے کرم سے اگر پہلے کبھی کچھ نہیں ہوا تو ان شاء اللہ اب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کی بیٹی ماورا مرتضیٰ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دے گی۔" ماورا نے بڑے مضبوط لہجے میں انہیں یقین دلایا۔ جس پہ انہوں نے بی گل کی سمت دیکھا۔ وہ تو ازل سے اسی کی طرف دار تھیں اور اسی کی حمایت میں بولتی تھیں۔ اس وقت بھی انہوں نے اسی کی حمایت میں سر ہلایا۔

"جانے دو عافیہ۔۔۔! اللہ پہ بھروسا رکھو۔۔۔ اپنے خوف کو اپنی بیٹی کی خوشیوں کے آڑے مت آنے دو' اسے زندگی جی لینے دو اپنی۔۔۔" انہوں نے آگے بڑھ کے عافیہ بیگم کے سر پہ ہاتھ رکھ کے ان کی ہمت بندھائی اور انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"امی۔۔۔! میں آپ کے جسم کا۔۔۔ آپ کی ذات کا حصہ ہوں۔ میں آپ کا اپنا آپ ہوں۔ کیا آپ کو اپنے آپ پہ بھی یقین نہیں ہے۔۔۔؟" ماورا کا لہجہ اور سوال دونوں ہی بہت عجیب سے ہو رہے تھے۔

اور وقتی طور پر عافیہ بیگم کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پہ جوں کی توں چپ چاپ بیٹھی رہ گئیں۔

"عافیہ۔۔۔!" بی گل کی آواز پہ وہ کسی گہرے خیال اور کسی گہری دلیل سے چونک گئیں اور پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے ان دونوں کی سمت دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔! تم جاسکتی ہو۔۔۔ مگر اتنا یاد رکھنا کہ تم میری زندگی بھر کی جمع پونجی ہو۔ اگر اس جمع پونجی کو ذرا سا بھی نقصان پہنچا تو زندہ میں بھی نہیں رہوں گی۔ کیونکہ میں پہلے بھی یہ نقصان اٹھا چکی ہوں۔ اب اور حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔۔۔" عافیہ بیگم بھیگے لہجے میں کہہ کر وہاں رکی نہیں تھیں۔ وہ "فوراً" ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور وہ دونوں دیکھتی رہ گئیں۔

"بی گل!" ماورا نے خاصی بے بسی سے ان کے چہرے کی سمت دیکھا۔

"بس۔۔۔ بس۔۔۔" تم جانے کی تیاری کرو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے ماورا کو پریشان ہونے سے روکا۔

اور پھر وہ بی گل کے کہنے پہ دل پہ افسردگی اور بدمزگی کا بوجھ لیے اٹھ گئی تھی۔ لیکن پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو تب بھی اس کا یہی حال تھا۔

"بی گل۔۔۔" میرا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ میں کیا کروں؟ کیا کروں آخر؟ ماورا خاصی بددل ہو رہی تھی۔ لیکن بی گل نے اس کا حوصلہ گرنے نہیں دیا۔

"دیکھو بیٹا! تم اس وقت کچھ مت سوچو۔ صرف یہ سوچو کہ تمہاری سہیلی تم سے ناراض ہے اور تمہیں اسے کسی بھی طریقے منانا ہے۔ اس کی ناراضی کا مان رکھنا ہے۔ اگر نہ رکھا تو وہ تم سے کھو جائے گی اور تم کو ہمیشہ پشیمانی رہے گی۔ جبکہ عافیہ تمہاری ماں ہے۔ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ تم اپنی ماں کو منا سکتی ہو۔ جب چاہے اسے راضی کرلو۔ ماں کو راضی کرنا اور رب کو راضی کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ سچے دل سے ایک بار بھی توبہ کرلو تو فوراً" مان جاتے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ تم اس وقت کشمکش کا شکار ہو۔۔۔ مگر بیٹا! میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم خوشی خوشی جاؤ۔۔۔ تمہاری نیت اچھی ہے۔ اللہ رحم کرے گا۔ شاباش۔۔۔ جاؤ' جلدی جاؤ۔" بی گل نے اسے بھرپور تسلی سے نوازا۔ ماورا کو بالآخر دل مضبوط کر کے قدم اٹھانا ہی پڑا۔ وہ ان کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکل آئی۔

آخر ایک دن تو ایسا ہونا ہی تھا کہ اسے اپنی ماں کی مخالفت کے باوجود بھی کوئی قدم اٹھانا تھا۔ سو اس نے آج ہی اٹھالیا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہوگئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

ماورا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اُسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی، آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت، تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔

چھٹی قسط

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  پریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"فارہ..... !تم اتنی اداس کیوں ہو؟" تیمور نے چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اپنے سامنے کرسی پہ سر جھکائے بیٹھی فارہ سے ۔ نرمی اور اپنائیت سے استفسار کیا۔

"کیا آپ نہیں جانتے؟" فارہ کا لہجہ شکوہ کناں تھا۔

"شاید ۔۔۔!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہونہہ..... !مجھے پتا ہے تیمور بھائی! آپ شاید نہیں یقیناً" جانتے ہیں۔" فارہ کے انداز میں بھرپور یقین تھا اور تیمور اس کے یقین پہ چپ ہو گیا۔

"لیکن اب تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اب تو وہ خوش ہے۔" تیمور نے ذرا توقف سے جواب دیا۔

"لیکن اب، مسئلہ یہ ہے کہ اب میں خوش نہیں ہوں۔" فارہ کے دل میں آفاق کی طرف سے اک گرہ سی پڑ گئی تھی اور وہ کوشش کے باوجود اس گرہ کو کھول نہیں پا رہی تھی۔

"یہ تمہاری ایکشن ہے۔" تیمور ہنوز نرمی سے بات کر رہا تھا۔

"یہ میری ایکشن نہیں ہے تیمور بھائی! یہ میری فیلنگز ہیں اس کے لیے اور میری فیلنگز کو اس حد تک لانے والا بھی وہ خود ہی ہے' ورنہ میرا دل تو اس کے حوالے سے شیشے کی طرح صاف تھا۔ اتنا صاف کہ میرے گھر والوں کو اور میرے جاننے والوں کو بھی اس کا عکس میرے دل میں صاف نظر آتا تھا۔"

فارہ نے اپنی بات پہ زور دے کر کہا۔ تیمور نے اس کے اتنے پُرزور انداز پہ بے ساختہ اس کے چہرے کی سمت دیکھا۔

"تو کیا آپ اس کا عکس نہیں ہے؟"

"شاید ۔۔۔!" اس نے عجب انداز میں کہا۔

"ہاں تو یہ محض فیلنگز ہیں نا' جو کبھی ہوتی ہیں' کبھی نہیں ہوتیں جبکہ محبت تو ہمیشہ رہتی ہے اور محبت میں دل پہ نقش ہونے والا عکس کبھی نہیں مٹا کرتا۔ چاہے انسان خود مٹ جائے' چاہے اس کا دل مٹ جائے مگر.... محبت کا عکس نہیں مٹتا۔"

تیمور نے فارہ ۔۔۔ کو ایک اور دلیل دی تھی لیکن اس وقت فارہ کا دل کوئی بھی دلیل ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"دل ٹوٹ جائے تو دل میں موجود عکس بھی ٹوٹ جاتے ہیں تیمور بھائی! آپ کا ابھی دل سے اور دل کے کسی معاملے سے واسطہ نہیں پڑا' جب پڑا تو' پوچھوں گی آپ سے کہ ایسے معاملوں میں دل کی برداشت کتنی کم ہوتی ہے؟" فارہ کا انداز استہزائیہ سا ہوا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میرا دل سے اور دل کے کسی معاملے سے واسطہ نہیں پڑا؟"

تیمور نے مسکراتے ہوئے فارہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیا.... ؟کیا کہا آپ نے؟" فارہ بے ساختہ چونکی۔

"فارہ بی بی! وہ آپ کی دوست آئی ہیں" آپ سے ملنے۔" فارہ اور تیمور دونوں لان میں بیٹھے ہوئے تھے جب ملازمہ نے آ کر اسے اطلاع دی تھی اور فارہ ایک بار پھر چونک اٹھی۔

"کون ماورا؟ ماورا آئی ہے؟" فارہ بے یقینی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"جی بی بی جی! وہی آئی ہیں۔" ملازمہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو تم نے اسے وہاں کیوں کھڑا کر رکھا ہے؟ اسے اندر لے کر کیوں نہیں آئیں؟" فارہ ملازمہ کو سرزنش کرتی ہوئی تیزی سے گیٹ کی سمت لپکی۔

مجبوراً" وہ بھی وہاں سے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ماورا! تم یہاں؟ مجھے ۔۔۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔" فارہ گرم جوشی سے کہتی ہوئی ماورا سے لپٹ گئی۔

"میں ہمیشہ وہی کام کرتی ہوں جس پہ کسی کو اتنی آسانی سے یقین نہیں آتا۔" تیمور ٹیبل پہ رکھا اپنا موبائل اٹھا کر اندر جانے کے لیے پلٹ ہی رہا تھا' جب وہ اس لڑکی کے پراعتماد لہجے اور آواز پہ ٹھہر گیا۔

"میں جانتی ہوں! یہی تو تمہاری کوالٹی ہے۔" فارہ کا لہجہ خوشی سے کھنک رہا تھا اور تیمور کو حیرت ہوئی تھی کہ فارہ کو اتنی خوشی تو اپنی سسرال سے آنے والے مہمانوں کی نہیں ہوئی' جتنی اپنی دوست کی ہو رہی ہے۔

"میری کوالٹی جانتی بھی ہو پھر بھی مجھ سے مایوس ہو جاتی ہو؟" اس لڑکی نے فارہ پہ خفگی ظاہر کی۔

"جب ہر طرف سے انسان کو نفی کا سائن بورڈ دیکھنے کو ملے تو انسان مایوس ہو ہی جاتا ہے ڈیر!"

فارہ بہت فریش انداز میں بات کر رہی تھی اور تیمور وہیں لان میں کھڑے کھڑے ان دونوں کی طرف دیکھنے پہ مجبور ہو گیا تھا مگر شام کا ملگجا سا اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ انہیں واضح نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

"لیکن پھر بھی دیکھ لو میں نے اور آفاق یزدانی نے تمہیں مایوس نہیں رہنے دیا۔ آخر کار تمہاری ہی خوشی کا خیال رکھا ہے۔" ماورا نے اسے جتایا۔ فارہ آہستگی سے مسکرا دی۔

"آفاق یزدانی کا تو پتا نہیں..... لیکن تمہارا تھینکس۔" فارہ نے کہا۔

"یو ویلکم! مگر شاید اب مجھے چلنا چاہیے؟" ماورا نے ابھی تک ٹینٹ کے پاس کھڑے ہونے پہ چوٹ کی اور فارہ اپنے سر پہ ہاتھ مار کے رہ گئی۔

"اوہ سوری یار..... !تمہارے آنے کی خوشی میں ایسی پاگل ہوئی ہوں کہ سارے مینرز ہی بھول گئی۔ دیکھو! تیمور بھائی بھی میرے انتظار میں وہیں کھڑے ہیں۔ آؤ تمہیں ان سے ملواؤں۔" فارہ تیزی سے کہتی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑے لان کی طرف آ گئی۔

"سوری تیمور بھائی! مجھے اپنی دوست کے آنے کا سن کر اتنی خوشی ہوئی تھی کہ میں آپ سے ایکسکیوز کیے بغیر ہی اٹھ گئی۔" فارہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہوئے وضاحت پیش کی۔

"اٹس اوکے مائی ڈیر کزن..... !تمہاری خوشی کا اندازہ تو مجھے تمہارے اس طرح اٹھ کر جانے سے ہی ہو گیا ہے لیکن کوئی بات نہیں دوست اسپیشل ہو تو فیلنگز بھی اسپیشل ہی ہوتی ہیں۔" تیمور نے مسکرا کر کہا اور فارہ نے بھی جواباً" مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہاں..... !دوست تو واقعی بہت اسپیشل ہے اسی لیے تو آپ کو بھی اس سے ملوا رہی ہوں۔ یہ میری اکیلی اور اکلوتی فرینڈ ہے۔ بیسٹ فرینڈ ماورا مرتضیٰ۔"

فارہ نے اپنے دائیں طرف کھڑی ماورا کے گرد اپنا بازو لپیٹتے ہوئے اسے ذرا اور سامنے کیا۔ اور اس کے سامنے آنے پر تیمور کی نظریں اس پہ ٹھہر گئی تھیں اور ان نظروں میں یہ چہرہ اور اس شام کا منظر پوری آب و تاب کے ساتھ گھوم گیا۔

"السلام علیکم ۔۔۔!" ماورا نے کافی پراعتماد انداز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام ۔۔۔! کیسی ہیں آپ؟" جواباً" تیمور نے بھی آداب نبھائے۔

"اور ماورا! یہ ہیں میرے ماموں زاد کزن تیمور حیدر..... انکل رضا حیدر کے بیٹے اور حیدر گروپ آف انڈسٹریز کے مالک بھی..... " فارہ نے کافی بھرپور طریقے سے تیمور کا تعارف کروایا تھا۔

اور تیمور حیدر کے اتنے بھرپور تعارف پہ ماورا بھی اسے سر اٹھا کر دیکھنے پہ مجبور ہو گئی تھی اور اس کی نظریں بھی تیمور کے چہرے پہ جم کے رہ گئی تھیں۔

"تیمور حیدر!" اس کے ہونٹوں پہ تیمور کا نام ذرا سا مچلا تھا لیکن وہ ہونٹ بھینچ گئی۔ اس کے ذہن کے پردے پہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تیمور کا کچھ دن پہلے والا عکس لہرا گیا تھا جس سے یہ ثابت ہوا تھا کہ ان دونوں کا حافظہ کافی اچھا ہے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی سرسری سی جھلک کو بھی نہیں بھولے تھے۔

"ماورا.....!" فارہ نے اسے ٹھوکا دیا تو ماورا چونک گئی۔

"ہوں.....! ہیلو مسٹر تیمور حیدر..... بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر اور یہ جان کر بھی کہ آپ فارہ کے کزن ہیں۔" ماورا کا ازلی اعتماد ہنوز تھا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ تیمور حیدر اسے بہت گہری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

"سیم ٹو یو مس ماورا.....!" تیمور جواباً بڑی خوش دلی سے بولا۔

"ماورا مرتضیٰ.....!" ماورا نے اپنے پورے نام پہ زور دیا۔

"اوہ سوری..... ماورا مرتضیٰ۔" تیمور نے فوراً معذرت کی۔

"تمہارے انکل اور آنٹی کہاں ہیں؟ تم نے تیار نہیں ہونا یا اسی طرح کھڑے رہنا ہے؟" دوسرے ہی پل اس نے تیمور حیدر کو یکسر نظر انداز کر ڈالا۔ یوں جیسے وہ ان کے پاس کھڑا ہی نہ ہو۔ اس کی یہ نظر اندازی تیمور کو بھی ایک پل میں ہی کھٹک گئی تھی کیونکہ اسے ـــ آج تک کسی لڑکی نے اس طرح نظر انداز نہیں کیا تھا۔

"انکل اور آنٹی بس آدھے گھنٹے میں پہنچنے ہی والے ہیں۔ انہیں کوئی ضروری کام آن پڑا تھا۔ اس لیے انہوں نے تیمور بھائی، تیمو آنٹی اور احمد انکل کو پہلے بھیج دیا ہے وہ خود بھی بس پہنچنے ہی والے ہیں۔"

فارہ نے اسے بڑی خوشی اور روانی سے بتایا۔ تیمور بار بار اس کی خوشی دیکھ کر حیران پریشان ہو رہا تھا کہ کیا واقعی یہ تھوڑی دیر پہلے والی فارہ ہے، جو حد سے زیادہ مایوس اور اداس نظر آ رہی تھی اور وہ اسے سمجھانے اور بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور تم ابھی تک جوں کی توں کھڑی ہو۔" ماورا نے اسے خفگی سے سر تا پا دیکھا۔

"اوکے..... اوکے ابھی تیار ہو جاتی ہوں۔ تم اندر تو چلو ناں..... تیمور بھائی! آپ بھی اندر آ جائیے۔"

فارہ ان دونوں سے مخاطب ہوئی تھی اور تیمور نے اک نظر ماورا کی سمت دیکھتے ہوئے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے اور اس کے پیچھے ماورا اور فارہ نے بھی قدم آگے بڑھا دیے۔

✡ ✡ ✡

"اب دیکھو..... کیسی لگ رہی ہوں میں؟" فارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے آپ پہ ایک آخری تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے ماورا کی سمت پلٹی تھی۔

اس نے بے بی پنک کلر کی فینسی فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا اور باریک سا دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا اور اس پہ میچنگ جیولری اور ہلکا سا میک اپ فارہ کو دیکھتے ہی دیکھتے باربی ڈول کے روپ میں بدل گیا تھا۔

ماورا نے بے ساختہ ماشاءاللہ کہا۔

"ماشاءاللہ..... ماشاءاللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔ اتنی پیاری کہ تمہیں دیکھ کر تم پہ پیار آ رہا ہے۔" ماورا میگزین وہیں بیڈ پہ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ قدموں سے چلتی فارہ کے سامنے آ رکی۔ فارہ اس کے اس طرح دیکھنے پہ کنفیوز سی ہوئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے اپنا دوپٹا درست کیا۔

"دیکھ رہی ہوں کہ اس وقت اگر آفاق یزدانی بھی تمہیں دیکھے تو کیا اسے بھی تم اتنی ہی پیاری لگو گی یا اسے کچھ کمی محسوس ہوگی تم میں.....؟"

ماورا نے اسے ـــ گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور فارہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"کمی تو وہ تب محسوس کرے گا جب مجھے دیکھے گا اور مجھے دیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس ٹائم ہو جو کہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے ظاہری سی بات ہے کہ اسے مجھ پہ پیار نہیں آئے گا۔" فارہ نے فوراً ہی خود کو کمپوز کرتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"کاش..... ! آج تمہارے کزن تیمور حیدر کے بجائے آفاق یزدانی یہاں آیا ہوتا اور میری ملاقات اس سے ہوتی۔" ماورا نے اپنی خواہش بیان کی۔

"تو پھر کیا ہوتا.....؟" فارہ نے اگلا سوال کیا۔

"تو پھر وہی ہوتا، جو تم کبھی نہیں کر سکتیں۔" اس نے آہ بھری۔

"ایسا بہت کچھ ہے جو میں نہیں کر سکتی، مگر تم کر سکتی ہو..... کیونکہ تم ماورا مرتضیٰ ہو اور میں فارہ رحیم....." فارہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"فارہ بیٹا! آجاؤ نیچے..... تمہارے انکل اور آنٹی آ چکے ہیں۔ انتظار کر رہے ہیں تمہارا۔" منزہ رحیم نے دروازے پہ دستک دے کر فارہ کو اطلاع دی۔

"اوکے ممی..... ! ہم آ رہے ہیں۔" فارہ دروازے کی دستک پہ دروازے کی طرف مڑی۔

"ماورا کو بھی ساتھ لے آؤ۔" انہوں نے ماورا کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے ماورا بھی ساتھ ہی آئے گی۔" فارہ نے خوش دلی سے کہا۔

"اوکے تو پھر جلدی سے آجاؤ....." وہ کہہ کے پلٹ گئیں۔

فارہ اسے لے کر آگے بڑھی اور اس کے پیچھے ماورا نے قدم بڑھاتے ہوئے سوچا۔ اب ایک بار پھر تیمور حیدر کی نظروں کے سامنے جانا پڑے گا بلکہ اب تو صرف اسی کے سامنے ہی نہیں باقی سب کے سامنے بھی جانا ہے۔ جس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہر طرح سے کمپوز کر لیتی اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

"ماورا! مجھے بہت شرم آ رہی ہے۔" سیڑھیاں اترتے اترتے فارہ اچانک رک گئی۔

"کیوں..... آفاق یزدانی تو یہاں نہیں ہے۔" وہ بہت نارمل سے لہجے میں بولی۔

"لیکن باقی سب تو ہیں نا؟"

"تو پھر..... یہ باقی سب تو ہمیشہ ہی ہوتے ہیں؟" ماورا نے کندھے اچکائے۔

"مگر آج کی بات اور ہے یار! آج میری شادی کی ڈیٹ فکس ہو رہی ہے۔ آج تو موضوع ہی میں ہوں۔" فارہ نے خفگی سے اپنی شرم کی وجہ بتائی۔

"ٹھیک ہے! تم نہ جاؤ میں ہی چلی جاتی ہوں۔ جو بھی طے ہوا تمہیں بتا دوں گی۔" ماورا بہت لاپروا سے انداز میں بولی اور فارہ دانت کچکچا کے رہ گئی۔

"ماورا.....!" وہ جھنجلا کے بولی۔

"اف..... ! تو اور کیا کروں یار.....؟ تمہیں جانے میں مشکل پیش آ رہی ہے تو میں تمہاری مشکل حل کر دیتی ہوں، آخر میں یہاں آئی کس لیے ہوں، تمہاری ہیلپ کے لیے نا؟" ماورا نے بھی جھنجلا کر جواب دیا۔

"یہ ہیلپ ہے تمہاری؟" فارہ گھور کے بولی۔

"تو اور کیا ہے.....؟" ماورا اب بھی لاپروا تھی۔

"یہ جھنجلاہٹ ہے تمہاری ورنہ تم نے میری ہیلپ کرنی ہو تو مجھے تسلی اور دلاسا بھی دے سکتی ہو۔ میری ہمت بھی بندھا سکتی ہو۔ میری حوصلہ افزائی بھی کر سکتی ہو لیکن نہیں..... تم بس وہ کام کرو گی جو کبھی کسی نے نہ کیا ہو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے ہے نا؟"
فارہ آج اس کے آنے پہ اتنی خوش تھی کہ اس سے بات بھی بڑے دعوے سے کر رہی تھی۔
"جب یہاں سے بیاہ کر کراچی جاؤ گی تو تب کون ہمت اور حوصلہ بندھائے گا تمہارا؟" ماورا نے اسے آنے والے وقت کا حوالہ دیا۔۔۔
"کاش۔۔۔! میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتی۔" فارہ نے سرد آہ بھری۔
"اتنی سرد آہیں نہ بھرو اللہ سن بھی لیتا ہے۔" ماورا نے اسے آہیں بھرنے سے روکا تھا۔
"اللہ سنتا تو سب کی ہے لیکن قبول کسی کسی کی کرتا ہے۔ کاش! میری سنے اور قبول بھی کرے۔"
"آمین۔۔۔!" ماورا نے اس کی آہ اور اس کی دعا کے فوراً بعد آمین کہا تھا۔
"فارہ۔۔۔! ثمینہ آنٹی کتنی دفعہ تمہارا پوچھ چکی ہیں۔ اب آ بھی جاؤ۔" حماد اچانک ڈرائنگ روم سے باہر نکلا اور فارہ اور ماورا کو سیڑھیوں پہ کھڑے دیکھ کر خفا بھی ہوا۔
"سوری بھائی۔۔۔! ہم بس آ ہی رہے تھے۔" فارہ نے معذرت کی۔
"تو راستے میں ایک دوسرے کو کون سی کہانیاں سنانے کے لیے رک گئی ہو؟" حماد کی خفگی ہنوز تھی اور اس کی خفگی پہ وہ دونوں بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔
"اوکے۔۔۔! اب کوئی کہانی نہیں سناتے، چلیے اندر چلتے ہیں۔"
فارہ کہتی ہوئی ماورا کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"ماورا۔۔۔ ماورا مرتضیٰ۔۔۔ ماورا۔۔۔ ماورا مرتضیٰ۔۔۔ ماورا۔۔۔ ماورا مرتضیٰ۔"
تیمور حیدر کے ذہن میں بس ایک ہی نام کی تکرار ہو رہی تھی اور اس تکرار کے ساتھ ساتھ لاشعوری طور پہ دل کی ہر دھڑکن میں ماورا مرتضیٰ کو دوبارہ دیکھنے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔
ہر دھڑکتی دھڑکن اس کے ڈرائنگ روم میں آنے کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔ اور انتظار بھی ایسا جو روئیں روئیں میں بے چینی سی بھر رہا تھا وہ غائب دماغی سے سب بڑوں کی گفتگو میں بس ہوں ہاں سے ہی کام چلا رہا تھا۔
"لیجیے ثمینہ آنٹی! آپ کی فارہ آ گئی ہے۔۔۔" حماد نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اونچی آواز میں اطلاع دی۔ تیمور یکدم چونک کر متوجہ ہوا۔ اس کی نظریں فارہ اور حماد پہ نہیں بلکہ فارہ اور حماد کے درمیان کھڑی ماورا مرتضیٰ پہ اٹھی تھیں۔
اور پھر جھکنا اور جھپکنا بھول گئی تھیں۔ کیونکہ اس وقت وہ پہلی بار اسے اتنا واضح دیکھ پایا تھا ورنہ اس روز بھی ملگجی سی شام تھی اور تھوڑی دیر پہلے بھی ملگجا سا اندھیرا تھا۔
لیکن اس وقت تو ڈرائنگ روم کی تمام فینسی لائٹس بھی روشن تھیں اور اب اس کا اک اک نقش بہت صاف اور واضح نظر آ رہا تھا۔
"السلام علیکم۔۔۔!" ماورا کے ٹھوکے پہ ہی فارہ حواسوں میں آئی اور اس نے وہاں موجود سب کو سلام کیا۔
"وعلیکم السلام! آؤ، آؤ میری جان! تمہارا ہی تو انتظار تھا۔ تمہیں دیکھنے کے لیے تو آنکھیں ترس گئی ہیں۔"
ثمینہ یزدانی بے تابی سے اٹھ کر اس کی سمت بڑھیں اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے اسے گلے لگا لیا۔
"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" فارہ جو اتنے دنوں سے کٹھور سی ہو رہی تھی ان کے اتنی محبت اور اتنے چاؤ سے گلے سے لگانے پہ پل میں نرم پڑ گئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بس تمہیں دیکھ لیا ہے تو سمجھو ٹھیک ہوگئی ہوں' بلکہ جوان ہوگئی ہوں.... روح میں تازگی آگئی ہے۔" ثمینہ یزدانی فارہ کو دیکھ کر حقیقتاً "بہت خوش ہوئی تھیں اور ان کی خوشی اشتیاق یزدانی کے علاوہ باقی سب سے بھی چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" فارہ مسکرائی۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔" انہوں نے کہتے ہوئے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری تھی۔

"تھینک یو آنٹی.... !اس سے ملیے یہ ہے میری اکلوتی بیسٹ فرینڈ ماورا مرتضیٰ۔ میں نے اسے اسپیشلی آپ لوگوں سے ملنے کے لیے یہاں بلایا ہے اور ماورا! یہ ہیں ثمینہ آنٹی.... ان کے بارے میں تو تم اچھی طرح جانتی ہو۔" فارہ نے ان دونوں کا آپس میں تعارف کروایا۔

"السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟" ماورا نے بھی سلام کرتے ہوئے ان سے حال پوچھ لیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا.... !میں بالکل ٹھیک ہوں' ماشاءاللہ جتنی فارہ پیاری ہے' اس کی دوست بھی اتنی ہی پیاری ہے۔" انہوں نے ماورا کو بھی گلے لگا کر پیار کیا اور ماورا چاہ کر بھی ان سے دور نہیں ہٹ سکی تھی۔

"تھینکس آنٹی.... !" آخر اسے بھی تو جواباً "کچھ کہنا ہی تھا۔

"آؤ بیٹا! اندر آؤ میرے ساتھ آکر بیٹھو۔" ثمینہ یزدانی کہتے ہوئے آگے بڑھیں۔ لیکن ماورا نے حماد اور فارہ کے ہمراہ قدم آگے نہیں بڑھائے تھے بلکہ آگے بڑھتی فارہ کا بازو تھام کر اسے بھی ذرا سا رکنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"پلیز یار.... یہ ایک خالصتاً "فیملی میٹنگ ہے۔ میں یہاں ریلیکس فیل نہیں کروں گی' اس لیے تم فی الحال اپنے انکل اور آنٹی کے پاس بیٹھو میں تب تک لان میں انجوائے کرتی ہوں.... او کے بائے۔" ماورا آہستہ آواز میں کہتی تیزی سے باہر آگئی اور فارہ اسے روک ہی نہ سکی۔

"ماورا.... !" حماد نے پلٹ کر اسے آواز دی تھی۔

"سوری! آپ لوگ باتیں کریں۔ میں کچھ دیر باہر بیٹھتی ہوں۔" اس نے حماد سے بھی معذرت کر لی تو وہ بھی اصرار نہیں کر سکا تھا جبکہ تیمور حیدر کا وہاں بیٹھنا بھی محال ہو گیا تھا۔ محض یہ سوچ کر کہ شاید وہ واپس اپنے گھر جا رہی ہے وہ بڑی بے اختیاری سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ایکسکیوزمی! میں ایک ضروری کال کر لوں' تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔" وہ عجلت میں کہتا ہوا باہر نکل آیا تھا اور اس کے پیچھے حماد اس کا انداز نوٹ کرتا رہ گیا۔

کافی دیر سے اسے کچھ کچھ غائب دماغ سا لگ رہا تھا۔ اور اب اچانک ہی بیٹھے بیٹھے اس میں پھرتی سی آگئی۔

"کمال ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑاتا کندھے اچکا کر احمد انکل کے برابر میں صوفے پہ بیٹھ گیا۔

ادھر تیمور بڑی تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا راہداری عبور کر کے باہر آیا۔ اس کی نظریں گیٹ اور ڈرائیوے کی سمت جمی تھیں۔

"کیا بات ہے صاحب....؟ کس کو دیکھ رہے ہیں۔" دائیں طرف سے مرکزی حصے کی سیڑھیاں طے کرتی ہوئی ملازمہ اس کے سامنے آئی۔

"نن.... نہیں! کسی کو نہیں دیکھ رہا۔" اس نے فوراً "نفی میں سر ہلایا۔

"اچھا! تو کیا چوکیدار کو بلانا ہے؟" ملازمہ اس کی متلاشی نظریں گیٹ کی طرف بھٹکتے ہوئے دیکھ کر یہی سمجھی تھی کہ وہ چوکیدار کو دیکھ رہا ہے اور بلانا چاہ رہا ہے۔

"نہیں! میں نے کسی کو بھی نہیں بلانا تم جاؤ اپنا کام کرو۔" تیمور خفگی سے کہتا مرکزی حصے کی سیڑھیاں اتر آیا

اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ڈرائیوے کی طرف بڑھا تھا اور یونہی آگے بڑھتے ہوئے اس کی نظر بائیں طرف والے لان کی طرف اٹھی اور پھر وہیں ٹھہر گئی۔

کیونکہ ماورا مرتضیٰ وہاں لان چیئر پہ بیٹھی اپنے موبائل کی طرف متوجہ تھی۔ موبائل کی مدھم سی روشنی سیدھی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

تیمور حیدر کے ڈرائیوے اور گیٹ کی طرف بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ اس نے بے ساختہ اک سکون بھری سانس کھینچتے ہوئے اپنے قدموں کا رخ اس کی سمت موڑا۔

اور جیسے جیسے وہ اس کی سمت قدم بڑھا رہا تھا اس کا.... دل اک عجیب سے احساس کے تحت دھڑک رہا تھا مگر کیا کرتا اس کے سامنے جا کر کچھ تو کہنا ہی تھا۔ کچھ کہے بغیر تو چارہ بھی نہیں تھا.... اس لیے اسے اس کے سامنے آنا ہی پڑا۔

"ہیلو.... !" اس نے ماورا کے بالکل سامنے آتے ہوئے اسے متوجہ کیا اور اپنے دھیان میں مصروف ماورا چونک کر متوجہ ہوئی۔

"ہائے.... !" مجبوراً "اسے بھی اس کے ہیلو کا جواب دینا پڑا اور اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ....؟" تیمور نے بات کو بڑھائی۔

"دیکھ لیں.... !کیا کر رہی ہوں؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"مجھے تو لگ رہا ہے کہ آپ بور ہو رہی ہیں۔" تیمور نے اندازا "کہا۔

"اس میں لگنے کی کیا بات ہے بھلا؟" وہ استہزائیہ سا بولی۔

"اوہ.... !یعنی آپ سچ مچ بور ہو رہی ہیں؟" تیمور دلچسپی سے مسکرایا۔

"آف کورس.... !" وہ بات کو گھمانے پھرانے کی عادی نہیں تھی۔

"تو پھر آپ کی بوریت کیسے دور ہو سکتی ہے؟" تیمور نے حل پوچھنا چاہا۔

"اپنے گھر جا کر...." اس نے بھی فوراً "حل بتایا۔

"اوہ سیڈ.... !یہ کام تو صرف فارہ ہی کر سکتی ہے' وہی آپ کو اپنے گھر چھوڑنے جا سکتی ہے۔" اب کی بار تیمور نے کندھے اچکائے۔

"ہونہہ.... !اب ایسی بات بھی نہیں ہے کہ میں یہ انتظار کروں کہ فارہ مجھے میرے گھر چھوڑ کے آئے گی۔ مجھے جانا ہو تو میں اکیلی بھی جا سکتی ہوں۔"

ماورا نے بڑی خود اعتمادی سے جواب دیا تھا اور تیمور نے اس کے اعتماد کو بڑی گہرائی سے نوٹ کیا تھا۔ جو اسے اس کی شخصیت میں پہلے روز پہلی جھلک اور پہلی نظر میں ہی محسوس ہو گیا تھا۔ اور یہی وہ چیز تھی جس نے تیمور کو متاثر بھی کیا تھا۔

"ہوں! یہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے کہ آپ کو جانا ہو تو آپ اکیلی بھی جا سکتی ہیں' مگر میرا خیال ہے کہ آپ جانے کے بجائے اگر تھوڑی دیر اور بیٹھ جائیں گی تو آپ کو مزید بوریت کا شکار نہیں ہونا پڑے گا۔" تیمور نے اسے وہ مشورہ دیا تھا جو اس کا اپنا دل چاہ رہا تھا۔

"وہ کیسے؟" ماورا اس کی بات کا مطلب سمجھ چکی تھی مگر پھر بھی انجان بن گئی۔ تیمور نے بڑے اطمینان سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"لیکن.... !" ماورا نے کچھ کہنا چاہا۔

"پلیز مس ماورا مرتضیٰ! تھوڑی دیر بیٹھ جانے سے اور بات کر لینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" تیمور نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اصرار کیا تھا اور ماورا نے اب کی بار پلکیں اٹھا کر بغور اسے دیکھا اور چند سیکنڈز کے لیے اپنے ذہن میں کچھ سوچا اور پھر چپ چاپ دوبارہ اپنی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

"آپ بھی بیٹھیے۔" اب اس نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی تھی۔ جس پر تیمور حیدر کو بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔

"تھینک یو" تیمور بخوشی آگے بڑھا اور اس کے مقابل والی کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا۔

"کراچی کے رہنے والے ہیں آپ؟" سوال تیمور کرنا چاہ رہا تھا مگر پہل ماورا نے کر ڈالی تھی۔

"بالکل کراچی کا ہی رہنے والا ہوں۔" اس نے نارمل سے انداز میں جواب دیا۔

"کیسا شہر ہے کراچی؟"

"جیسے اس شہر کے لوگ ہیں۔" تیمور مزید دلچسپی سے گویا ہوا۔

"اور اس شہر کے لوگ کیسے ہیں؟" ماورا نے بڑے تیکھے اور بڑے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ دیکھ لیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"تو کیا شہر کے سارے لوگ آپ جیسے ہیں؟" ماورا نے تیمور کو جانچتی ہوئی نظر سے دیکھا۔

"سارے نہ سہی کوئی ایک آدھ تو ہو گا ہی۔" تیمور کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ کا عکس لہرا رہا تھا۔

"اوہ! یعنی اتنے عام ہیں آپ؟" ماورا نے ابرو اچکا کر کہا۔

"عام؟" تیمور کو اس کی بات پہ اچنبھا ہوا۔

"آف کورس۔ خاص ہوتے تو صرف ایک ہی ہوتے۔ ایک شہر میں صرف ایک ہی شخص خاص ہونا چاہیے' جیسے یہی سوال کوئی مجھ سے کرے تو میرا جواب یہی ہو گا کہ فیصل آباد میں صرف میں ہی ہوں جو خاص ہوں' میرے جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔"

اس کے ایسے پر اعتماد جواب پہ تیمور کو ایک بار پھر اس کی طرف غور سے دیکھنا پڑا تھا اور اسے دیکھ کر دل ہی دل میں سراہا بھی تھا۔

"آپ کی اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔" تیمور نے برملا اعتراف کیا۔

"آپ کو کیسے پتا؟" ماورا نے تیکھے چتون سے پوچھا۔

"میں بہت عام سہی لیکن اللہ کے کرم سے صاحب نظر بھی ہوں اور صاحب عقل بھی' دیکھ بھی سکتا ہوں اور سمجھ بھی سکتا ہوں۔" تیمور نے بڑے سکون سے کہا تھا۔

"لیکن یوں ہی کسی کو دیکھ کر اسے سمجھ لینے کا دعوا نہیں کرنا چاہیے۔ ظاہر اور باطن میں بہت فرق ہوتا ہے مسٹر تیمور حیدر!" ماورا نے اسے سمجھانا چاہا۔

"لیکن کچھ لوگوں کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہی ہوتا ہے' اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔" تیمور نے اسے اپنی دلیل دی۔

"وہ کچھ لوگ جو ہوتے ہیں نا' وہ ولی اور پیغمبر ہوتے ہیں' جن کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہوتا ہے اور آج کل کا دور ولی اور پیغمبروں کا نہیں ہے۔ یہ محض انسانوں کا دور ہے' جہاں ہزاروں ظاہر اور ہزاروں باطن پائے جاتے ہیں۔ مجھے دیکھ کر مجھے سمجھنے کا دعوا نہ کریں' میں اندر سے کچھ اور ہوں۔ اپنے ظاہر سے بھی زیادہ گہری۔"

ماورا نے اسے ڈگمگانا چاہا۔

"یعنی آپ کے اندر کچھ پوشیدہ ہے؟" تیمور نے اسے سرتاپا گہری نظر سے دیکھا۔

"بہت کچھ؟" اس نے لاپروائی سے کہا۔

اور اس سے پہلے کہ تیمور مزید کچھ کہتا' فارہ اسے ڈھونڈتی ہوئی باہر آ گئی۔

"اف ماورا! تم یہاں بیٹھی ہو' وہاں میں اکیلی سب کی باتیں سن رہی تھی۔" فارہ نے چھوٹتے ہی خفگی کا اظہار کیا اور ماورا۔۔۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"صرف باتیں ہی سنی ہیں یا کچھ اور بھی سنا ہے؟"

"کیا مطلب۔۔۔ کچھ اور؟" فارہ نے اسے گھورا۔

"شادی کی ڈیٹ وغیرہ اور کیا بھلا۔؟" وہ ہنوز لاپروا تھی۔

"ہوں۔ ہو گئی فکس۔" فارہ نے آہستگی سے کہتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"اچھا! کون سی ڈیٹ فکس ہوئی ہے؟" اب اسے ذرا تجسس ہوا تھا۔

"اس مہینے کی بیس تاریخ۔" فارہ کو تیمور کے سامنے بتاتے ہوئے کافی شرم محسوس ہوئی تھی مگر کیا کرتی بتانا تو تھا ہی۔

"بہت بہت مبارک ہو پھر تو۔" ماورا نے اسے گلے لگا کر مبارک دی تھی۔ تیمور بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ایسی ہی ایک مبارک باد میری طرف سے بھی۔" اس نے آگے بڑھ کے فارہ کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"تھینک یو سو مچ تیمور بھائی!" فارہ نے بڑے خوش باش لہجے میں اس کا شکریہ ادا کیا۔

"یو ویلکم۔" وہ مسکرایا۔

"آپ کو حماد بھائی اندر بلا رہے ہیں اور ہاں اشتیاق انکل بھی آپ کا پوچھ رہے تھے' کہہ رہے تھے کہ کچھ اور ڈسکشن بھی باقی ہے' جس میں آپ کا شامل ہونا ضروری ہے۔" فارہ نے اسے پیغام دیا تھا۔

"اوکے۔ آپ لوگ ایک دوسرے کی کمپنی انجوائے کریں' میں اندر چلتا ہوں۔"

تیمور بظاہر اچٹتی سی نظر ماورا کی سمت دیکھتے ہوئے اندر کی سمت بڑھ گیا۔

"چلو یار! تم کیوں باہر بیٹھی ہو' تم بھی اندر چلو' سب کے ساتھ مل کر بیٹھو۔" تیمور کے اندر جاتے ہی فارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سوری یار! اب اتنا ٹائم نہیں ہے کہ میں اندر جا کر بیٹھوں۔ میں کافی لیٹ ہو چکی ہوں۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی' پلیز مجھے اجازت دو۔ میں چلتی ہوں اب۔"

ماورا نے اس سے اجازت چاہی تھی جس پہ فارہ تو حقیقتاً" اچھل پڑی۔

"واٹ؟ تم اتنی جلدی جانے کی تیاری میں ہو' کسی سے ملیں بھی نہیں' بلکہ کھانا بھی نہیں کھایا اور کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ میں چلتی ہوں اب۔ فارہ تو جل بھن گئی تھی۔

"فارہ پلیز یار! سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اگر مزید لیٹ ہوئی تو امی کا پریشانی سے برا حال ہو جائے گا اور وہ آئندہ کبھی کہیں آنے جانے کی اجازت بھی نہیں دیں گی مجھے۔ اس لیے اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہاری شادی میں شریک ہو سکوں تو پھر فی الحال مجھے جانے دو' ابھی تو تمہاری شادی کے بہت سارے فنکشنز باقی ہیں جو میں نے اٹینڈ کرنے ہیں' اس لیے پلیز ابھی رکاوٹ مت ڈالو۔ ابھی مجھے جانے دو۔" ماورا نے جو بات کہی تھی وہ واقعی فارہ کے دل کو لگی تھی' اس لیے مجبوراً" اسے چپ ہونا ہی پڑا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں رکنے پہ مجبور نہیں کرتی مگر صرف اس شرط پہ کہ تم شادی کے باقی فنکشنز میں بھی شریک ہو گی۔ تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا۔" فارہ نے اسے یقین چاہا۔

"فارہ! تم جانتی ہو میرا صرف کہہ دینا ہی وعدہ ہوتا ہے۔" ماورا نے اسے اپنے مزاج کے بارے میں یاد دلایا۔ اسی لیے فارہ کو اثبات میں سر ہلانا پڑا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

”اوکے! میں ڈرائیور سے کہتی ہوں‘ تمہیں گھر ڈراپ کر آئے۔“ فارہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی ڈرائیوے کی طرف آگئی پھر ماورا کو ملازمہ اور ڈرائیور کے ساتھ رخصت کرکے اس نے اندر کا رخ کیا۔

تب تک اندر کھانا لگ چکا تھا اور سب ڈائننگ روم کا رخ کر رہے تھے۔

”فارہ! تمہاری فرینڈ کہاں ہے بیٹا! اسے بھی بلا لو۔“ منزہ رحیم نے فارہ کو آواز دی۔

”وہ چلی گئی ہے ممی! اسے دیر ہو رہی تھی۔“

”وہ چلی گئی؟“ تیمور اپنے لیے کرسی کھینچتے ہوئے بے ساختہ رک گیا تھا۔ اسے تو جیسے اندر سے دھچکا لگا تھا۔

”تم نے اسے روکنا تھا‘ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔؟“ منزہ رحیم نے خفگی سے کہا۔

”میں نے روکا تھا اسے مگر وہ اپنی امی کی طرف سے پریشان تھی۔ وہ لوگ گھر میں اکیلی ہوتی ہیں اور رات کو گھر سے نکلنے کی وجہ سے کافی پریشانی ہو جاتی ہے ان کو۔“

فارہ سنجیدگی سے بتاتے ہوئے خود بھی کرسی کھینچ کے بیٹھ گئی‘ لیکن تیمور کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ اسے تاسف ہو رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

ماورا نے گھر کے دروازے کے سامنے پہنچ کر بڑے سست سے انداز میں دروازے پہ دستک دی تھی لیکن جتنی اس نے دروازے پر دستک دینے میں سستی دکھائی تھی دوسری طرف سے دروازہ کھولنے میں اتنی ہی پھرتی دکھائی گئی تھی۔ بی گل کہیں دروازے کے بالکل پاس ہی ٹہل رہی تھیں اور دستک ہوتے ہی جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

”السلام علیکم!“ ماورا انہیں سلام کرتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

”وعلیکم السلام! کیا کوئی اور بھی ہے پیچھے؟“ بی گل نے دروازہ بند کرنے سے پہلے پوچھا۔

”نہیں! کوئی بھی نہیں ہے۔ بس فارہ کی ملازمہ اور ڈرائیور تھے ساتھ‘ دروازے تک چھوڑ کر چلے گئے۔“ ماورا کہتے ہوئے برآمدے تک آچکی تھی اور بی گل سرہلاتے ہوئے دروازہ بند کرکے اس کے پیچھے آرہی تھیں۔

”امی کہاں ہیں؟“ ماورا جانتی بھی تھی پھر بھی عادتاً پوچھ لیا۔

”جہاں چھوڑ کر گئی تھیں۔“ بی گل کا اشارہ کمرے کی طرف تھا۔

”ان سے کہیں‘ میں آگئی ہوں اور میرے ساتھ میرے اعضا بھی پورے ہیں اور دل ودماغ بھی ٹھکانے پر ہیں۔“ ماورا نے ان کے لیے پیغام دیا۔

”عافیہ! باہر آؤ اور دیکھ لو۔ بچی میں کوئی کمی بیشی تو نہیں آئی ہوئی۔ تسلی کرلو اپنی‘ ورنہ مجھے ہی الزام دو گی —— کہ میں نے اسے بھیجا تھا اور میں نے ہی شہہ دی تھی۔“ بی گل بھی سیر کو سوا سیر تھیں۔ انہوں نے بھی اونچی آواز میں عافیہ بیگم کو مخاطب کیا۔ لیکن افسوس انہوں نے پھر بھی کوئی نوٹس نہیں لیا تھا وہ جوں کی توں منہ سر لپیٹے پڑی رہی تھیں اس لیے مجبوراً ماورا کو ہی اٹھ کر ان کے پاس جانا پڑا تھا۔ اس نے ان کے چہرے پہ رکھی ان کی کلائی پیچھے ہٹائی۔

”امی! میں جانتی ہوں آپ سو نہیں رہیں‘ بلکہ رو رہی ہیں مگر پلیز! اس طرح رونے سے پہلے مجھے یہ تو بتا دیں کہ آخر آپ کو مجھ پہ یقین کیوں نہیں ہے؟“ ماورا بڑی تکلیف اور بڑی اذیت سے بولی تھی جس پہ عافیہ بیگم تڑپ کے اٹھ بیٹھی تھیں۔

”کون کہتا ہے کہ مجھے تم پہ یقین نہیں ہے؟ کون کہتا ہے کہ مجھے تم پہ بھروسا نہیں ہے؟ کون کہتا ہے کہ مجھے تم پہ

مان نہیں ہے؟ میری زندگی کی ساری امیدیں اور سارے خواب صرف تم سے ہی تو جڑے ہوئے ہیں۔ بس میں۔۔۔ میں ڈرتی ہوں۔ مجھے ڈر لگتا ہے اس۔۔۔ اس ظالم معاشرے سے۔ اس اندھی دنیا سے۔ اس اندھیر نگری سے۔ مجھے خوف آتا ہے۔ میں سوچ سوچ کر ہی مرنے لگتی ہوں‘ مجھے۔ مجھے احساس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی تمہیں مجھ سے چھین لے گا اور میں۔ خالی ہاتھ ہو جاؤں گی۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا‘ میرے پاس ایک بار پھر مفلسی کے سوا اور کچھ نہیں رہے گا۔ میں پھر سے فقیر ہو جاؤں گی۔۔۔ میں پھر سے فقیر ہو جاؤں گی۔“

وہ کہتے کہتے دھواں دھار رو پڑی تھیں اور ماورا ان کی ایسی حالت پہ ششدر سی رہ گئی۔ ان کا ڈر اور ان کا خوف ان کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہو رہا تھا جس کی شدت کا ماورا کو پہلے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔

”امی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ کیوں ایسا سوچتی ہیں؟ اس طرح تو آپ کبھی بھی سکون کی زندگی نہیں جی سکیں گی۔ جبکہ ادھر میں ہوں‘ جب بھی‘ جو بھی سوچتی ہوں‘ ہمیشہ آپ کی زندگی اور آپ کے دلی سکون کے لیے ہی سوچتی ہوں۔ میں نے ہمیشہ جو بھی کرنا چاہا ہے آپ کے لیے ہی کرنا چاہا ہے لیکن اگر آپ اس طرح ڈر اور خوف کا شکار رہیں گی تو میں کبھی کچھ بھی نہیں کرسکوں گی۔ میں آپ کی طرح بس ٹھیک کروں گی اور زندگی گزار دوں گی۔ اس کے علاوہ زندگی میں اور رکھا بھی کیا ہے ہمارے لیے۔ بس یہ دو کمروں کا گھر اور اس گھر کی یہ چار دیواری اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہم اس چار دیواری میں مر جائیں تو کوئی بات نہیں یہی سہی۔ آپ کو کوئی ڈر خوف تو نہیں رہے گا۔ نا۔ ہم چاہے رہیں یا نہ رہیں۔“ اس نے کہتے ہوئے تلخی سے ہاتھ جھٹکے اور باہر نکل گئی۔

”ماورا۔“ عافیہ بیگم نے اسے پیچھے سے آواز دی تھی مگر وہ تب تک اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

”اف میرے اللہ! میری مشکل آسان کردے یا میرے دل سے خوف نکال دے یا ان لوگوں کو میرے خوف کا احساس دلا دے تاکہ یہ مجھے سمجھ سکیں۔“

عافیہ بیگم نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ بی گل ان دونوں ماں بیٹی کی خفگیاں اور ناراضیاں سنتے ہوئے چپ چاپ برآمدے میں ہی اپنے بستر پہ لیٹ گئی تھیں۔

✡ ✡ ✡

”عزت! یہ ولید رحمان کون ہے؟“ ساشا کافی دیر سے عزت کے موبائل فون پہ بزی تھی لیکن جیسے ہی اس کی نظر ڈائلڈ نمبرز پہ پڑی وہ چونک گئی۔ جبکہ عزت اس کا سوال سن کر بھی بڑے ریلیکس سے انداز میں بیٹھی رہی۔ جواب پھر بھی نہیں دیا۔

”عزت! میں کیا پوچھ رہی ہوں تم سے؟ یہ ولید رحمان کون ہے آخر؟“ ساشا نے کال کا ٹائم دیکھا تھا اور رات کے ایک بجے کا ٹائم دیکھ کر اس کے ذہن میں خود بخود ہی خطرے کا الارم بج اٹھا تھا۔

”ولید رحمان کون ہے؟ یہی تو میں اپنے دل سے بار بار پوچھتی پھر رہی ہوں مگر وہ ہے کہ بتا ہی نہیں رہا۔ بس اس نام پہ دھڑکے جا رہا ہے۔“ عزت بڑے کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔

ساشا کو جھٹکا لگا تھا کیونکہ عزت ہمیشہ ہی لڑکوں کے نام سے بھی دور ہی رہی تھی اور اب اچانک اس کے پاس کسی کا نام اور نمبر دیکھ کر اسے شدید ترین حیرت ہوئی تھی لیکن دوسری طرف لاپروائی کی حد تھی۔

”ساشا! اک بات تو بتاؤ‘ آخر محبت کیسے ہوتی ہے۔ کوئی نشانی بتاؤ۔“ عزت کا اگلا سوال ساشا کو جیسے چپ لگا گیا۔

”محبت۔؟“ ساشا کے دل سے یہ لفظ ابھرا تھا مگر وہ زبان تک نہیں لا سکی تھی۔

”بتاؤ نا ساشا! تمہاری تو بڑی دعا سلام ہے محبت سے۔ تمہیں تو پہچان ہوگی اس کی۔“ عزت نے مزید سوال کیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تو کیا تم اس ولید رحمان سے محبت کرتی ہو؟" ساشا کی حیرت کم نہیں ہو رہی تھی۔
"محسوس تو یہی ہو رہا ہے۔" عزت خاصے ڈھیلے ڈھالے انداز میں بتا رہی تھی۔
"کہاں ملا؟" ساشا کے سوال جاری تھے۔
"جہاں دل ملا۔" اس کے جواب عجیب سے عجیب تر تھے۔
"مطلب؟"
"مطلب یہ کہ میں اپنے ہی دل سے بے خبر تھی' نا آشنا تھی' جب وہ ملا تو میں اپنے دل سے ملنے پہ مجبور ہو گئی۔ تب مجھے پتا چلا کہ دل کیا ہوتا ہے اور اس کی طلب اور خواہش کیا ہوتی ہے؟ میرا دل اور وہ دونوں مجھے ایک ہی جگہ پہ ملے اور ایک دوسرے کے ہی ہو گئے۔"
"دیکھنے میں کیسا ہے؟ اس نے ایک بار پھر۔ پوچھا۔
"دل میں اترنے والا۔" وہ موڈ میں آچکی تھی۔
"اور دل میں اترنے والے کیسے ہوتے ہیں؟" ساشا جھنجلائی۔
"ولید رحمان جیسے۔" وہ پر سکون تھی۔
"اوکے! میں چلتی ہوں۔" ساشا اس کا موبائل فون اس کی گود میں پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی مگر عزت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"رکو یار! بتاتی ہوں۔" عزت کا انداز ایسا تھا کہ ساشا کو مجبوراً رکنا پڑا۔
"جلدی جلدی بتاؤ۔" اس کا لہجہ خفگی لیے ہوئے تھا۔
"کیا بتاؤں؟"
"اف! عزت میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔" ساشا چیخ اٹھی۔
"اوکے اوکے۔ بتا رہی ہوں' بتا رہی ہوں' ویٹ۔۔۔ سب کچھ بتا رہی ہوں۔" عزت بے ساختہ اس کے انداز پہ مسکرا اٹھی تھی۔
"ولید رحمان تیمور بھائی کا دوست ہے۔ اس نے بم بلاسٹ والے دن میری ہیلپ کی تھی اور اسی نے تیمور بھائی کو یونیورسٹی بلایا تھا۔" عزت نے بڑے پُرسکون لہجے میں بتایا۔
"اوہ! تو وہ آدمی ولید رحمان تھا؟" ساشا کا انداز پر سوچ سا ہوا۔
"ہاں! وہ آدمی ولید رحمان ہی تھا۔" اس کا جواب ایک بار پھر اثبات میں تھا۔
"تو تم اتنی سی بات پہ فدا ہو گئیں اس پر؟" ساشا ذرا تیکھے لہجے میں بولی۔
"کسی پہ فدا ہونے کے لیے "اتنی سی بات" ہی چاہیے ہوتی ہے' جو مجھے ولید رحمان میں نظر آگئی اور میں فدا ہو گئی۔ انسان کی زندگی کا بس ایک لمحہ ہی اس کی پوری زندگی کا سودا کرڈالتا ہے اور اس سودے میں کیا نفع ہے اور کیا نقصان' یہ کوئی بھی نہیں سوچتا۔ میں نے بھی نہیں سوچا۔ میرے لیے اب پوری زندگی ایک طرف اور جس لمحے میں ولید رحمان ملا' وہ لمحہ ایک طرف۔۔۔ وہ لمحہ میری پوری زندگی پہ بھاری ہے۔ اب تم سوچ لو کہ اگر ولید رحمان سے ملنے کا لمحہ میرے لیے اتنا اہم ہے تو ولید رحمان خود کتنا اہم ہو گا۔؟" عزت واقعی اس ایک لمحے کے بدلے اپنی پوری زندگی کا سودا کر چکی تھی۔
"یعنی واپسی کا کوئی ارادہ نہیں؟" اب ساشا کا انداز اور لہجہ دھیما پڑ چکا تھا۔
"ہرگز نہیں۔ ممکن ہی نہیں۔" عزت نے نفی میں گردن ہلائی۔
"کیا شادی ہو پائے گی اس سے؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اس سے نہ ہوئی تو کسی سے بھی نہیں ہوگی۔" اس نے لاپروائی سے اپنے جنون کی جھلک دکھائی۔
"یہ کیا طریقہ ہے بھلا۔" ساشا بدک گئی تھی۔
"یہ جو بھی طریقہ ہے وقت آنے پہ تمہیں اچھی طرح پتا چل جائے گا ابھی کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے۔"
پھر ساشا نے اس سے مزید کوئی بات نہیں کی۔

☆ ☆ ☆

تیمور بہت دیر سے اپنی کرسی سے ٹیک لگائے سامنے دیوار پہ نظریں جمائے مسلسل ماورا مرتضیٰ کے تصور میں ڈوبا ہوا تھا جب اچانک اس کی پی اے سحرش زمان کی دستک اسے چونکا گئی۔
"مے آئی کم ان سر!" اس نے پروفیشنل لہجے میں اجازت طلب کی۔
"یس۔" وہ چونک گیا تھا۔
"سر! یہ فائل چیک۔۔۔"
"پلیز مس سحرش! مجھے کچھ ویرڈسٹرب نہ کریں' میرا مائنڈ سیٹ ہوا تو میں خود ہی آپ کو کال کرلوں گا۔ فی الحال مجھے فری رہنے دیں۔ پلیز!" اس نے الٹا التجا کی۔ سحرش زمان حیران رہ گئی۔
"اینی پرابلم سر؟"
"نو! اٹس آل رائٹ۔ ڈونٹ وری۔" اس نے جواب دیا۔
"بٹ۔۔۔ آپ کی طبیعت۔۔۔" اس نے کچھ ڈرتے اور جھجکتے ہوئے سوال کیا اور ادھورا ابھی چھوڑ دیا۔
"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے' بس ذہنی طور پہ تھوڑا غیر حاضر ہوں۔" وہ ہاتھ میں پکڑا ہوا پین ٹیبل پہ ڈالتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"تو پھر حاضر کہاں ہیں؟" سحرش زمان کا سوال انسانی فطرت کے عین مطابق بے ساختہ تھا۔
اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "فیصل آباد میں؟"
تیمور اس کے اتنے حیرت سے کیے سوال پہ ٹھٹک گیا۔
"سوری سر! میں پرسنل ہونے لگی ہوں' بے شک آپ میرے سامنے کچھ نہ کہیں مگر آپ کے دل میں یا آپ کے دماغ میں جو بھی ہے' وہ اپنے کسی دوست یا کسی بہت اپنے سے ضرور شیئر کریں۔ اس سے آپ ذہنی طور پر غیر حاضر نہیں رہیں گے۔ میں چلتی ہوں۔"
سحرش زمان مسکراتی ہوئی کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی اور تیمور اس کی بات پہ سوچ میں پڑ گیا۔
"کتنے دن ہوگئے ہیں میں ولید سے نہیں ملا۔" اسے فوراً سے بھی پیشتر ولید کا خیال آیا تھا۔
"اور اس ذلیل نے خود بھی کوئی رابطہ نہیں کیا۔" تیمور اسے دل ہی دل میں برا بھلا کہتے ہوئے پلٹا اور اپنا موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف رنگ جا رہی تھی۔
"ہیلو!" ولید شاید اس وقت بائیک پہ تھا اسی لیے کال میں بہت زیادہ شور سنائی دے رہا تھا۔
"زندہ ہو؟" تیمور ذرا غصے سے بولا۔
"تمہاری دعائیں ہیں یار! ورنہ کب کا گزر گیا ہوتا۔" وہ بھلا کیوں پیچھے رہتا۔
"باز آجاؤ۔ ورنہ۔۔۔" تیمور نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"ورنہ تم باز آجاؤ گے۔؟" ولید جان بوجھ کر اسے ستا رہا تھا۔

"میں باز آؤں یا نہیں۔ لیکن تم اگلے دس منٹ میں میرے آفس ضرور آجاؤ۔ اوکے؟" تیمور نے آرڈر جاری کیا۔
"کس خوشی میں؟" ولید نے وجہ جاننا چاہی۔
"تمہاری صورت دیکھنی ہے؟" اس نے چبا کر کہا۔
"ہاہاہا! میری صورت دیکھنی ہے تو مجھے اپنے آفس میں مت بلاؤ' بلکہ خود اپنے آفس سے باہر آؤ' پھر دکھاتا ہوں تمہیں اپنی صورت۔" ولید نے شرط رکھی۔
"لیکن یہاں۔۔۔"
"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ آنا ہے تو تم نے آنا ہے' میں تمہارے در پہ حاضری دینے نہیں آرہا۔ اوکے؟" ولید نے کہہ کر فون بند کردیا تھا اور مجبوراً تیمور نے اپنی چیزیں سمیٹیں اور گاڑی کی چابی لے کر آفس سے باہر نکل آیا نیچے پارکنگ میں پہنچ کر اسے شدید ترین جھٹکا لگا۔ ولید وہاں پہلے سے اپنی شان دار سی بائیک سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔
"تم یہاں؟" تیمور اتنا بھی بمشکل کہہ سکا تھا۔
"جی ہاں! میں یہاں۔ تمہیں لینے آیا ہوں۔ بیٹھو پیچھے۔" ولید نے بڑی سنجیدگی سے اپنی بائیک کی طرف اشارہ کیا۔
"کمینگی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے یار؟" تیمور نے افسوس کا اظہار کیا۔
"اور میرے پاس جو بھی ہے وہ ان لمیٹڈ ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"تم یہاں پہنچ کر بھی اوپر آفس میں نہیں آئے اور مجھے یہاں بلا لیا۔" تیمور سلگ اٹھا تھا۔
"تمہاری شان میں کوئی کمی آگئی ہے کیا؟ اور ویسے بھی مروڑ تمہارے پیٹ میں اٹھ رہے ہیں باتیں کرنے کے لیے' ورنہ میرا کیا ہے؟ میں تو آل ریڈی ہلکا پھلکا ہوں۔" اس نے لاپروائی سے بازو پھیلا کر کہا اور تیمور ٹھٹک گیا۔
"باتیں۔۔۔ کیا مطلب؟"
"تم خود سمجھ دار ہو میرے دوست! آخر فیصل آباد بھی تو تم ہی گئے ہوئے تھے نا؟"
"اوہ! تو تم باخبر تھے؟" تیمور اس کے اتنے ناز نخرے اور اکڑنے کی وجہ سمجھ گیا۔
"وہ تم ہی ہو جو بے خبر رہتے ہو' ورنہ ہم تو ایک پل بھی غافل نہیں ہوتے۔" اس نے بتایا تھا۔
"اوکے اوکے! میں گاڑی نکالتا ہوں' بائیک لاک کرکے آجاؤ۔" تیمور گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔
"لیکن تمہیں لینے تو میں آیا تھا۔" ولید کا اشارہ اپنی بائیک کی طرف تھا۔
"بکواس مت کرو۔ اب میں تمہارے پیچھے بائیک پہ بیٹھا اچھا لگوں گا کیا۔ وہ بھی اس ڈریسنگ میں۔" اس نے اپنے سوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"بس! یہی دیکھتے رہنا تم امیر لوگ اسی اچھے برے کو سوچتے ہوئے ہی مرجاؤ گے۔ یہ اچھا لگے گا' یہ برا لگے گا' یہ ایسا لگے گا' یہ ویسا لگے گا۔ ہونہہ! دولت کے ستائے ہوئے لوگ۔"
ولید خفگی سے بڑبڑاتا ہوا بائیک لاک کرکے اس کی گاڑی میں آبیٹھا۔ تیمور اس کی باتوں کا نوٹس لیے بغیر گاڑی روڈ پر نکال لایا۔

☆ ☆ ☆

ماورا آج کل یونیورسٹی سے ایگزامز کے بعد فارغ ہو چکی تھی۔ اس لیے اس کے پاس فی الحال کرنے کے لیے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کچھ بھی نہیں تھا۔ صبح فجر کے وقت اٹھی تھی اور ناشتے کے وقت تک وہ گھر کے سارے کام نبٹا کر فارغ ہو چکی تھی اور اب بیٹھی سوچ رہی تھی کہ فی الحال ٹائم پاس کے لیے وہ کوئی جاب تلاش کرنا شروع کر دے مگر عافیہ بیگم نے اسے منع کر دیا تھا۔

"کیوں منع کر رہی ہیں آپ؟" ماورا ناشتا کرتے کرتے رک گئی۔

"بس! ابھی ریسٹ کرو۔ پوری زندگی پڑی ہے جاب کرنے کے لیے۔ ہوتا رہے گا سب کچھ۔" اس نے ان کی بات پر سر اٹھا کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"مگر میں فارغ نہیں رہ سکتی' مجھ سے ٹائم ہی نہیں گزر رہا۔" ماورا واقعی بور ہو چکی تھی۔

"ٹھیک ہے' کوئی اچھی جاب ملے تو کر لینا مگر ابھی نہیں۔ بلکہ ہو سکا تو میں اپنے اسکول میں تمہارے لیے بات کروں گی۔" عافیہ بیگم ناشتا ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں ٹیچنگ نہیں کر سکتی ایم سوری! بس جن بچوں کو ٹیوشن دے رہی ہوں' وہی کافی ہے۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"تو پھر کیا کرو گی تم؟" وہ باہر نکلتے ہوئے رک گئیں۔

"کراچی میں کہیں جاب اپلائی کروں گی۔" ماورا کی وہی پرانی ہٹ دھرمی تھی۔

"کراچی میں؟" عافیہ بیگم کے دل پہ ایک بار پھر ہاتھ پڑا تھا۔

"جی ہاں کراچی میں۔۔۔ اور یہ بات میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں۔" ماورا کا انداز اور لہجہ دو ٹوک اور بے لچک تھا۔ عافیہ بیگم چند سیکنڈز اسے یونہی کھڑی دیکھتی رہیں اور پھر خاموشی سے پلٹ کر اپنا بیگ اٹھا کر اسکول کے لیے نکل گئیں۔

"بی گل!" ماورا نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ہوں۔" بی گل بھی کچھ چپ چپ سی تھیں۔

"میں نے کچھ پوچھنا تھا آپ سے؟" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"پوچھو۔" بی گل اس سے بھی زیادہ آہستہ آواز میں بولیں۔

"رضا حیدر کے بیٹے کا کیا نام تھا؟" اس کا سوال لرزش لیے ہوئے تھا۔

"کیوں' تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" بی گل چونکیں۔

"پلیز! پوچھیے مت۔ بتائیے!" وہ بے چین ہوئی۔

"تم اس کا نام جانتی ہو میں نے بتایا تھا تمہیں۔" بی گل کو یاد تھا۔

"لیکن میں ایک بار پھر سننا چاہتی ہوں۔ پلیز!" اس نے بی گل کو اکسایا۔

"تیمور۔ تیمور حیدر۔" بی گل نے اسے بغور دیکھتے ہوئے ایک بار پھر انکشاف کیا تھا اور ماورا گہری سانس کھینچ کے رہ گئی۔ کیونکہ اب انکشاف کی باری اس کی تھی۔

"میں ملی ہوں اس سے۔" اس نے اطمینان سے بم پھوڑا تھا اور بی گل کا دماغ اڑ گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جا سکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

مادرا مرتضٰی' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹینس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اُسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوجاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت، تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہوجاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کردیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

—۷—

ساتویں قسط

انہوں نے ایک دم جھٹکے سے سر اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھی ماورا کی طرف دیکھا تھا اور یوں دیکھا تھا جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ گزرا ہو۔

"ماورا... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ تمہارے ہوش و حواس ٹھکانے پہ تو ہیں نا؟" بی گل نے اپنے شک کا اظہار بھی کردیا تھا۔

"میرے ہوش و حواس بھی ٹھکانے پہ ہیں اور میری عقل بھی ٹھکانے پہ ہے، یہ جھوٹ نہیں ہے اور نہ ہی یہ مذاق ہے، یہ ایک سچ ہے، میری زندگی کا حیران کن سچ، جس کا مجھے خود بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ مگر پھر بھی قدرت کا ایک تلخ اور سنگین اتفاق سمجھ کر یقین کرنا ہی پڑا اور اس حقیقت کو ماننا پڑا کہ دنیا واقعی گول ہے۔ زندگی میں ایک بار ہر چیز گھوم کر انسان کے سامنے آہی جاتی ہے اور انسان اس اتفاق پہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔" ماورا کے لب و لہجے میں تلخی اور بلا کی سنجیدگی تھی۔

مگر بی گل اس سچ اور اس حقیقت کو اتنی آسانی سے کیسے قبول کرلیتیں؟

"ملی کہاں ہو؟" اب وہ تفصیل کی طرف آئی تھیں۔

"اپنی دوست فارہ کے گھر۔" اس نے مختصراً بتایا۔

"وہ فارہ کے گھر کیسے آیا؟" بی گل کی الجھن سلجھ نہیں رہی تھی۔

"وہ فارہ کا کزن ہے۔ فارہ، رضا حیدر کی بھانجی ہے۔" ماورا نے ایک اور انکشاف کیا تھا۔

"کیا...؟" بی گل کو ایک اور کرنٹ لگا تھا۔

"جی ہاں... فارہ، رضا حیدر کی سگی بھانجی ہے۔ منزہ رحیم کی بیٹی اور مجھے اس حقیقت کا پتا ہی نہیں تھا۔ میں ہمیشہ انجان ہی پھرتی رہی... لیکن اب جب اس حقیقت سے آشنا ہو ہی گئی ہوں تو سوچ رہی ہوں کہ شاید اس میں بھی اللہ کی طرف سے کوئی بہتری ہی ہوئی ہے۔"

ماورا بہت سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔

"لیکن اگر تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو ہمیں کوئی نقصان بھی تو ہوسکتا ہے نا؟" بی گل اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے اس منہ زور سمندر میں پاؤں ڈالنے والی نہیں تھیں۔

"اس بار ایسا کچھ نہیں ہوگا بی گل... اس بار بہتری اس طرف ہی ہوگی۔" ماورا مضبوط اور بے لچک سے انداز میں کہتے ہوئے ان کے سامنے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور قدم اپنے کمرے کی طرف موڑ دیے تھے۔

"اگر اس بات کا تمہاری ماں کو پتا چل گیا تو مجھے یقین ہے کہ موت سے پہلے ہی مرجائے گی... کھڑے قدمے

گرے گی، ہ، اور دم نکل جائے گا اس کا۔" بی گل نے انتہائی ہولناک قسم کا نقشہ کھینچا تھا۔

اور ماورا کے اندر کی طرف بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ اس نے ایک دم گردن موڑ کر بی گل کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں... انہیں اس بات کا پتا نہیں چلنا چاہیے، تب تک جب تک میں اپنے پیروں پہ کھڑی نہیں ہوجاتی۔ جب تک میرے ارادے کامیاب نہیں ہوجاتے جب تک میں کراچی شفٹ نہیں ہوجاتی اور جب تک مجھے کچھ حاصل نہیں ہوجاتا۔ آپ نے اس راز کو راز ہی رکھنا ہے اور انہیں یہ بھی بھنک نہیں پڑنی چاہیے کہ فارہ، رضا حیدر کی بھانجی ہے، ورنہ کچھ سنورنے سے پہلے ہی سب کچھ بگڑ جائے گا۔"

ماورا نے بے حد سختی سے کہتے ہوئے بی گل کو منع کیا تھا اور بی گل اس کے تیور دیکھ کر چپ ہوگئی تھیں۔

آخر کہتیں بھی تو کیا؟ اس کے خیالات سے تو وہ پہلے ہی بہت اچھی طرح واقف تھیں۔

اب تو کچھ کہنے سننے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔ اسی لیے وہ دل ہی دل میں پریشان ہوتی اور اللہ سے خیر کی دعا مانگتے ہوئے برآمدے میں بچھے تخت سے برتن سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کچھ اتا پتا ملا؟" ولید نے جوس کا گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے استفسار کر ہی لیا تھا۔

"ابھی اس کا نام اور اس کا تعارف ملا ہے، اتا پتا نہیں۔" تیمور نے جوس کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا اور ولید اس کی ایک ایک حرکت کو بڑے غور اور بڑے دھیان سے نوٹ کررہا تھا۔

"ہوں... پھر تو تمہیں خوش ہونا چاہیے، جہاں سے اس کا نام اور اس کا تعارف ملا ہے وہاں سے تمہیں اس کا ایڈریس بھی پتا چل سکتا ہے، منزل دور نہیں ہے تم سے۔" ولید نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے یار... لیکن جہاں سے مجھے اس کا نام اور تعارف ملا ہے وہاں سے اس کا اتا پتا معلوم کرتے ہوئے ایک جھجک، ایک شرم سی محسوس ہورہی ہے مجھے کیونکہ میں اس ٹائپ کا ہوں نہیں۔"

تیمور بہت عجیب سے انداز میں بولا تھا اور ولید بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ جس پہ آس پاس کی ٹیبلز پہ بیٹھے کئی لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"اگر تم اس ٹائپ کے نہیں ہوتا تو پھر میری مانو اور یہ دل اور نظر کا قصہ یہیں رہنے دو، یہیں ختم کردو اسے... کیونکہ ایسے کاموں میں تو انسان کو ہمیشہ اسی ٹائپ کا ہونا پڑتا ہے۔ جس ٹائپ کا وہ نہیں ہوتا۔ قیس کو مجنوں بننا پڑ جاتا ہے۔ وحید و کو رانجھا بننا پڑ جاتا ہے اور تیمور حیدر کو کیا بننا پڑ جاتا ہے؟ یہ تو اب کچھ دنوں بعد ہی پتا چلے گا۔ ویسے اب فیصل آباد کا چکر کب لگے گا تمہارا؟ تمہاری کزن کی شادی کب ہے؟" ولید اب اس کی اگلی ملاقات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"اس مہینے کی بیس تاریخ کو..." تیمور نے آہستگی سے بتایا۔

"اور آج ہوئی پانچ تاریخ... یعنی پندرہ دن تو ابھی ہیں جناب کی ملاقات کو؟" اس نے پورا حساب کتاب کیا۔

"پندرہ دن بہت زیادہ ہیں یار۔" تیمور نے بڑی بے قراری سے کہا تھا اور ولید کا دوسرا قہقہہ بھی بہت جان دار تھا۔

"ولید... کچھ ہوش سے کام لو یار... آس پاس کے لوگ ادھر ہی دیکھ رہے ہیں، کیوں خوامخواہ تماشا بنا رہے ہو؟" اس نے ولید کو سرزنش کی تھی مگر وہ بھلا کب باز آنے والا تھا۔

"تو پھر فیصل آباد سے آئے کیوں ہو؟ یہ پندرہ دن بھی وہیں گزار لیتے۔ کچھ تو قرار آتا؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ولید مسلسل ہنس رہا تھا' بلکہ تیمور کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔
"مجبوری بھی یار۔۔۔ آنا تو تھا ہی۔۔۔ آخر پندرہ دن آفس کون سنبھالتا؟" تیمور نے خفگی سے سر جھٹکا۔
"ارے۔۔۔ آفس سنبھالنے کے لیے تمہارے بابا جو تھے۔ اتنے کامیاب اور منجھے ہوئے بزنس مین ہیں وہ' ان کے لیے یہ آفس سنبھالنا کون سا مشکل کام تھا؟" ولید نے کندھے اچکائے۔
"یار پلیز۔۔۔ تم کام کی بات کرو' کوئی حل بتاؤ کہ یہ پندرہ دن کیسے گزاروں؟" تیمور اپنے مطلب کی بات کی طرف آ ہی گیا تھا۔
"ہوں۔۔۔ یہ ہوئی ناکام کی بات۔۔۔ رہا نہیں گیا شہزادے سے۔" ولید نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔
"تو اور کیا کروں؟ اتنے دن سے بس فضول ہی سوچے جا رہا ہوں۔۔۔ کوئی حل تو سمجھ میں آیا ہی نہیں۔" وہ جھنجلا رہا تھا۔
"اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔ حل بھی مل جائے گا۔ پہلے مجھے یہ تو بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" ولید اب اس کے حل کی طرف آ گیا تھا۔
"ماورا۔۔۔ ماورا مرتضیٰ۔۔۔" تیمور نے اس کے نام کو بھی جیسے بڑے دل سے چھوا تھا۔
"ہوں۔۔۔ ماشاء اللہ۔۔۔ نام تو بہت ہی پاور فل ہے' لگتا ہے پرسنالٹی بھی ایسی ہی ہوگی؟" ولید نے سچ مچ دل سے سراہا تھا۔
"تھینک یو یار۔"
"اور ملی کہاں تھی؟"
"میری کزن فارہ کے گھر۔" وہ جیسے کسی روبوٹ کی طرح اس کے سوالوں کے جواب دیتا جا رہا تھا۔
"تمہاری کزن کے گھر؟" ولید کو اچنبھا ہوا۔
"ہاں۔۔۔ وہ میری کزن کی دوست ہے۔ جب ہم آفاق کی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے گئے تو وہ بھی وہاں آئی ہوئی تھی۔" تیمور کے بتانے پہ ولید حیرت سے سیدھا ہو بیٹھا تھا۔
"ارے۔۔۔ تو تمہیں اور کیا چاہیے؟ تمہاری کزن ہے نا تمہارا راستہ صاف کرنے کے لیے۔۔۔ اتنے ایزی معاملے کو تم اتنا مشکل کیوں سمجھ رہے ہو۔"
"یار۔۔۔ مشکل اس لیے سمجھ رہا ہوں کہ فارہ میری کزن ہے۔ لیکن ہم لوگوں میں کبھی بھی اتنی بے تکلفی نہیں رہی کہ ہم کسی ایسے مسئلے کو ایک دوسرے کے ساتھ ڈسکس کریں یا ایک دوسرے سے اس قسم کی ہیلپ لیں۔ اس لیے مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ میں فارہ کو فون کر کے اس کی دوست کے متعلق انفارمیشن لوں اور اسے یہ بتاؤں کہ میں اس کی دوست میں انٹرسٹڈ ہوں۔ وہ بھلا کیا سوچے گی کہ ایک ملاقات میں ہی میں اس کی دوست پہ لٹو ہو گیا ہوں اور مجھ سے رہا نہیں جا رہا۔"
تیمور بڑی سنجیدگی سے بات کر رہا تھا' جبکہ ولید تیسری بار بھی قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گیا تھا۔
"ہاہاہا۔۔۔ یہ جھوٹ بھی تو نہیں ہے - تم سے رہا تو واقعی نہیں جا رہا۔"
"ولید۔۔۔" تیمور نے دانت پیسے۔
"سوری یار۔۔۔ مجھ سے بھی رہا نہیں جا رہا ہے' کیا کروں۔" ولید نے ہنستے ہوئے اپنے پیٹ پہ ہاتھ رکھا تھا' جس میں ہنس ہنس کر بل پڑ رہے تھے۔
"واقعی تمہاری کمپنی اَن لیمٹڈ ہے۔" تیمور کہہ کر کرسی دھکیلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ارے رکو نا یار۔۔۔ کوئی حل ڈھونڈتے ہیں' اب مس ماورا کے عشق میں میرا یار آہیں بھرتا پھرے' میں یہ بھی تو نہیں دیکھ سکتا نا؟" ولید بھی اٹھ کر اس کے پیچھے لپکا تھا۔
اور تیمور بل پے کر کے ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا تھا۔
"تم نے جو دیکھنا تھا' وہ دیکھ لیا ہے' اب اور نہیں۔۔۔ جو کرنا ہوا میں خود کر لوں گا۔"
تیمور بڑبڑاتا ہوا اپنی گاڑی کا لاک کھول کر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا تھا۔
"کچھ اور کرو یا نہ کرو' مگر اپنی کزن سے رابطہ ضرور کرو' تمہارا مسئلہ اس کی ہیلپ کے بغیر حل نہیں ہو سکتا اور اگر نہ بھی حل ہو تو کم از کم مس ماورا کے بارے میں کچھ انفارمیشن تو ملے گی نا۔ اس کی پسند' ناپسند' اس کی نیچر' اس کا رہن سہن' اس کے خیالات' آخر کچھ تو معلوم ہو گا ہی؟" ولید نے فرنٹ سیٹ سنبھالتے ہوئے اسے اک مفید مشورہ دیا تھا اور تیمور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے رک گیا۔
"اب رک کیوں گئے ہو؟ میں نے جو مشورہ دیا ہے اس پہ مجھے گھورنا مت' بلکہ اس پہ غور کرنا۔۔۔ کیونکہ یہی وہ پوائنٹ ہے جو تمہیں اس کی طرف بڑھنے میں مدد دے گا اور تمہیں آسانی بھی رہے گی۔" ولید بڑی لاپروائی سے اسے اپنے مشورے پہ عمل کرنے پہ اکسا رہا تھا۔
"لیکن پھر وہی مسئلہ کہ فارہ سے کیسے۔" تیمور نے جھنجلاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
"پیار' عشق اور محبت میں انسان کو ہزاروں لوگوں کے سامنے شرمندہ اور خوار ہونا پڑتا ہے' تم اگر ایک کزن کے سامنے شرمندہ ہو جاؤ گے تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی اور ویسے بھی کسی رازدار کے بغیر گزارا نہیں ہوتا' تم ایسا کرو اپنی کزن کو رازداں کر لو۔۔۔ ورنہ پھر تمہاری کزن کی شادی ہو گئی اور وہ رخصت ہو کر کراچی آ گئی تو تمہارے لیے یہ کام واقعی مشکل ہو جائے گا۔"
ولید نے اک اور پوائنٹ نوٹ کروایا تھا اور تیمور سچ مچ اس پوائنٹ پہ سوچنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔
"اگر میرا مشورہ مفید ثابت نہ ہوا تو پیسے واپس۔۔۔" اس نے خالصتاً" دکان داروں کا سا انداز اپناتے ہوئے کہا تھا اور اس بار اس کے انداز پہ تیمور بھی قہقہہ لگا کر ہنسنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آفاق۔۔۔" وہ ابھی ابھی آفس سے واپس آیا تھا۔ اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ثمینہ یزدانی کی آواز پہ اسے ڈرائنگ روم کے سامنے ہی رکنا پڑ گیا تھا۔
"جی مما!" وہ اندر نہیں آیا' بس وہیں کھڑے کھڑے جواب دیا تھا۔
"اندر آؤ۔۔۔" وہ چاہتی تھیں کہ وہ اندر آئے اور ڈرائنگ روم کا پھیلاوا دیکھے۔
"میں تھکا ہوا ہوں' فی الحال آرام کرنا چاہتا ہوں' بعد میں آ جاؤں گا۔" وہ کترا رہا تھا۔
"اوکے۔۔۔ ٹھیک ہے' تم جاؤ آرام کرو۔" ثمینہ یزدانی اس کے انکار پہ دھیمی پڑ گئی تھیں اور آفاق کا دل ایک بار پھر پسیج گیا تھا۔
وہ سر جھٹکتے ہوئے بریف کیس سمیت اندر ڈرائنگ روم میں آ گیا تھا۔
"السلام علیکم!" اس نے اپنے دل سے ساری خفگی پیچھے جھٹک کر انہیں سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام!" ثمینہ یزدانی نے بہت سرسری اور خفا خفا سے انداز میں جواب دیا تھا۔
"کیسی ہیں آپ؟" آفاق اپنا بریف کیس صوفے کی سائیڈ پہ رکھتے ہوئے ان کے برابر ہی صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اللہ کا شکر ہے' ٹھیک ہوں بالکل۔۔۔" آفاق نے گردن موڑ کر ان کے چہرے کی سمت دیکھا تھا اور پھر بڑے لاڈ اور بڑے پیار سے اپنا بازو ان کے کندھوں کے گرد لپیٹ دیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں؟" اس نے بہت ہی معصوم اور بچکانہ سے انداز میں پوچھا۔

"تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہاری ماں ہوں اور مائیں ناراض نہیں ہوتیں۔ اس لیے تم جیسے ہزاروں بیٹے اپنی ماؤں کے دل اپنے قدموں تلے روند کر گزر جاتے ہیں۔" ثمینہ یزدانی کا لہجہ شکوہ کناں ہوا تھا۔

"اللہ نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو اور آپ جانتی ہیں کہ میں ایسا کر بھی نہیں سکتا۔ آپ میرے لیے بہت اہم ہیں۔" آفاق نے اپنے دوسرے ہاتھ سے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

"اور میرے لیے فارہ بہت اہم ہے' جس کو تم اگنور کر رہے ہو۔" ثمینہ یزدانی کی سوئی ہمہ وقت فارہ پہ ہی اٹکی رہتی تھی۔ انہیں اسی کا غم کھائے جا رہا تھا کہ آفاق اس میں دلچسپی نہیں لے رہا۔

"کیا وہ میرے اگنور کر دینے سے اگنور ہو جاتی ہے؟" آفاق کا سوال بڑا عجیب تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ان کے کچھ پلے نہیں پڑا تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ کچھ لوگوں کو ہم اگنور کر کے بھی اگنور نہیں کر پاتے وہ' پھر بھی ہماری توجہ کا مرکز ہی رہتے ہیں' ان ہی کی ذات اور ان ہی کی بات دل و دماغ پہ چھائی رہتی ہے' کیونکہ وہ لوگ دلوں میں بسنے والے لوگ ہوتے ہیں اور دلوں میں بسنے والوں کو اگنور کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" آفاق نے سنجیدگی سے کہا۔

"یعنی تم فارہ کو اگنور نہیں کر سکتے؟" ثمینہ یزدانی کے چہرے پہ خوشی کی چمک پیدا ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ نہ فارہ کو۔۔۔ نہ آپ کو۔۔۔" اس نے دوبارہ ثمینہ یزدانی کے ہاتھ کو ہونٹوں سے لگایا تھا اور ثمینہ یزدانی پل میں کھل اٹھی تھیں۔

"سچ۔۔۔" انہوں نے بے یقینی سے پوچھا۔

"بالکل سچ۔۔۔" آفاق ان کی اتنی بے یقینی اور اتنے اشتیاق پہ بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

اور ثمینہ یزدانی نے بے اختیار اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"اچھا بتائیے۔۔۔ کس لیے بلا رہی تھیں آپ؟" اس نے اب بہت ہی اچھے طریقے سے استفسار کیا تھا۔

"یہ دیکھو۔۔۔ یہ فارہ کے کچھ ڈریسز بنوائے ہیں بوتیک سے' ابھی کچھ باقی ہیں' اگر تمہاری کوئی پسند ہو تو بتا دو' میں فارہ کے ڈریسز ویسے ہی بنوا لوں گی۔" انہوں نے ٹیبل اور کارپٹ پہ رکھے مختلف بیگز میں سے انتہائی قیمتی اور فینسی ڈریسز نکال کر آفاق کے سامنے پھیلا دیے تھے اور آفاق اتنے گلرفل اور برائٹ۔۔۔ ڈریسز دیکھ کر بے اختیار ہی مسکرا دیا تھا۔

"اب ان ڈریسز میں کیا کمی ہے بھلا' جو میں اپنی پسند بتاؤں گا؟ ویسے ایک بات ذہن میں ضرور رکھیے گا کہ فارہ بہت نازک مزاج لڑکی ہے' وہ اتنے فینسی ڈریسز برداشت نہیں کر پائے گی۔ آپ اس کے کچھ ہلکے پھلکے ڈریسز بھی لیں' اب شادی کے بعد بندہ ہر وقت فینسی ڈریس میں ہی تو نہیں رہ سکتا نا؟" آفاق کے مشورے پہ ثمینہ یزدانی کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"کیا بات ہے؟ ایسا کیا کہہ دیا میں نے کہ آپ اس طرح مسکرانے پہ مجبور ہو گئی ہیں۔" آفاق نے ان کے چہرے پہ بکھری مسکراہٹ بڑی دلچسپی سے نوٹ کی تھی۔

"بس۔۔۔ میں تو چاہتی ہوں کہ تم ایسا ہمیشہ ہی کہتے رہو اور میں اس طرح ہمیشہ ہی مسکراتی رہوں' مجھے احساس ہوتا رہے کہ تمہیں فارہ کی کتنی فکر ہے؟ اس کے ڈریسز کا بھی خیال ہے کہ زیادہ فینسی نہ ہوں۔" ثمینہ یزدانی نے

مسکراتے ہوئے کہا اور ان کی بات پہ آفاق بھی مسکرا دیا تھا۔

"اک اور بات پوچھوں آپ سے؟" اس کے دل میں کوئی تجسس بیدار ہوا تھا۔

"سو بسم اللہ بیٹا۔ جو جی چاہے پوچھو۔" وہ تو بڑی خوشی خوشی اور جی جان سے متوجہ ہوئی تھیں۔ کیونکہ یہی تو ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی کسی کام میں اور کسی بات میں دلچسپی لے اور اپنی پسند اور ناپسند بتائے۔

"جب آپ لوگ شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے گئے تھے تو وہ کیسی لگ رہی تھی؟"

آفاق کے سوال پہ تو ثمینہ یزدانی کے دل کی مراد بر آئی تھی۔

"بہت پیاری' بہت خوب صورت لگ رہی تھی' بالکل کسی باربی ڈول کی طرح۔۔۔ گلے لگا کر اسے پیار کیا تو دل کو جیسے سکون آ گیا تھا۔" انہوں نے دل کی گہرائیوں سے بڑے بھرپور طریقے سے اسے فارہ کے متعلق بتایا تھا۔

"وہ خوش تو تھی نا؟" یہ سوال بڑے دنوں سے اس کے دل میں کلبلا رہا تھا' مگر وہ اس سوال کو زبان پہ نہیں لا پا رہا تھا' مگر آج اس سے رہا نہیں گیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ خوش تھی' مگر اتنی ہی جتنے کہ تم ہو۔" ثمینہ یزدانی نے جو محسوس کیا تھا وہی اسے بتایا تھا۔

"کیوں؟ ایسا کیوں ہے؟" آفاق کو بے چینی ہوئی۔

"اس کیوں کا جواب تم سے بہتر کون جانتا ہے بھلا؟" ثمینہ یزدانی نے اسے احساس دلایا تھا کہ جو کچھ وہ فارہ سے فون پہ کہہ چکا ہے۔ اس کے بعد وہ پوری طرح سے خوش کیسے ہو سکتی ہے بھلا۔

"ہوں۔۔۔ آئی انڈر اسٹینڈ۔" وہ بے حد آہستگی سے سر ہلاتے ہوئے بولا تھا۔

"اگر ہو سکے تو ذرا فرصت سے اسے کال کر لینا اور اسے نرمی اور پیار سے سمجھانے کی کوشش کرنا' ورنہ وہ اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی پہ بھی پورے دل سے خوش نہیں ہو پائے گی۔" انہوں نے آفاق کو پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے' کوشش کروں گا۔" وہ پرسوچ سے انداز میں کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ان سے اجازت لے کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ ولید رحمان کو دوبارہ کال نہیں کرے گی اور اپنی اس سوچ اور اس ارادے پہ عمل پیرا ہونے کے لیے اس نے ولید رحمان کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی بھی بارہا کوشش کی تھی۔ مگر ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتی۔

اس کی سوئی دن رات ولید رحمان کے نام کے گرد ہی گھومتی رہتی تھی' مگر پھر بھی وہ اس سے رابطہ کرنے سے گریز ہی کر رہی تھی۔ اس نے اپنے آپ سے عہد کر رکھا تھا کہ اب اگر پہل کرے گا تو ولید رحمان ہی کرے گا' وہ نہیں کرے گی۔

اور اسی کشمکش اور اسی عہد کے ہاتھوں وہ اندر سے خاصی چڑچڑی اور جھنجلاہٹ کا شکار بھی ہو رہی تھی' لیکن اپنی یہ کیفیت کسی کو بتا نہیں پا رہی تھی' جس کی وجہ سے اس کے دل و دماغ پہ اک عجیب سا بوجھ اور غصہ سا سوار رہنے لگا تھا۔

اور وہ کسی سے ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

اسی لیے اس وقت ساشا اس سے بات کرتے ہوئے خفگی سے جھنجلا اٹھی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آخر بات کیا ہے عزت۔۔۔؟ تم ہر وقت اتنی چڑچڑی سی کیوں رہنے لگی ہو؟ ایک تو تم فون نہیں کرتیں اور اگر ہم خود کرلیں تو تم سے ٹھیک سے بات ہی نہیں ہوتی' تمہارا دھیان نہ جانے کہاں رہنے لگا ہے؟ کچھ خبر ہی نہیں ہے تمہاری۔" ساشا نے انتہائی خفگی کا اور ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

"پلیز ساشا۔۔۔ میں خود بہت ڈسٹرب ہوں' مجھے مزید ڈسٹرب نہ کرو' پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔۔۔" عزت اس سے بھی زیادہ خفگی اور جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولی تھی اور ساشا چند ثانیے کے لیے چپ سی ہوگئی تھی اور کچھ دیر کے توقف کے بعد ہی قوت گویائی کا استعمال کیا تھا۔

"کیوں؟ تم کیوں ڈسٹرب ہو؟ تمہیں کیا ہوا ہے آخر۔ کچھ پتا بھی تو چلے۔" ساشا یہی تو جاننا چاہتی تھی کہ عزت آج کل کن سوچوں اور کن خیالوں میں گم ہے آخر؟

"ساشا پلیز۔۔۔ کیا جاننا چاہتی ہو تم؟ تو پھر سنو مجھے محبت ہوگئی ہے' یہ حقیقت ہے' مجھے ولید رحمان سے محبت ہوگئی ہے' محبت ہوگئی ہے مجھے۔"

وہ کہتے کہتے پھٹ پڑی تھی' کیونکہ وہ جس ذہنی کشمکش کا شکار تھی' اس جذبے کو نام ہی نہیں دے پا رہی تھی۔ مگر ساشا کے اصرار پہ اسے اپنے اندر کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

"اسے پتا ہے؟" ساشا کا اگلا سوال کافی دھیما تھا۔ حالانکہ ایسے ہی چند سوالات وہ پہلے بھی اس سے کرچکی تھی' مگر پھر بھی وہ ایک پکی تصدیق چاہ رہی تھی۔

"پتا ہے یا نہیں ہے' مگر اسے اندازہ ضرور ہے کہ عزت حیدر' عزت حیدر نہیں رہی' ولید رحمان ہوچکی ہے' وہ بس چکا ہے مجھ میں' آباد ہوچکا ہے میری ذات میں' اب میں کروں تو کیا کروں؟ کیسے نکالوں خود کو اس کے سحر سے؟ کیسے آزاد کروں اپنا آپ' بتاؤ مجھے۔ ہے کوئی حل اس کا؟" عزت نے انتہائی شدت سے کہتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ "اور میری بدنصیبی یہ ہے کہ دوسری طرف سے جواب ہی نہیں آرہا ہے۔"

عزت زچ ہو رہی تھی' پاگل ہو رہی تھی' اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جس جذبے کی دلدل میں اتری ہے' اس سے بچاؤ کا اور سنبھلنے کا طریقہ کیا ہے؟

"اگر جواب نہیں آرہا تو سمجھ لو کہ دوسری طرف بھی یہی کچھ چل رہا ہے' کیونکہ اگر دوسری طرف ایسا کوئی جذبہ یا ایسے کوئی جذبات نہ ہوتے تو تمہیں کب کا انکار میں جواب آچکا ہوتا۔"

ساشا اپنی عقل اور اپنے تجربے کے مطابق اسے جواب دے پائی۔

"لیکن اس نے انکار کرنے میں کوئی کسر بھی تو نہیں چھوڑی؟ وہ تو انکار کر ہی چکا ہے' میں کیسے مان لوں کہ دوسری طرف بھی یہی کچھ چل رہا ہے؟ اگر دوسری طرف بھی یہی کچھ چل رہا ہوتا تو دوسری طرف بے چینی بھی اتنی ہی ہوتی جتنی اس طرف ہو رہی ہے۔ جتنی مجھے ہو رہی ہے' جتنی میں پاگل ہو رہی ہوں۔"

بات تو اس کی بھی سچ تھی' مگر ساشا ایک سمجھ دار لڑکی تھی' عزت کو سمجھانے کے لیے مثبت سوچ دکھائی تھی۔

"ہر انسان کی نیچر میں فرق ہوتا ہے' ہر انسان کا مزاج اور فطرت الگ الگ پائے جاتے ہیں' کچھ تمہاری طرح محبت کا یہ اٹیک برداشت نہیں کرپاتے اور بلبلانے لگتے ہیں اور کچھ اس اٹیک کو سہہ کر چپ سادھ لیتے ہیں' ولید رحمان کی طرح۔۔۔" ساشا نے اسے مثال دی تھی۔

"میں جان بوجھ کر نہیں بلبلا رہی' میرا دل مجھے مجبور کر رہا ہے' اس کو بھی مجھ سے محبت ہونی چاہیے۔ صرف مجھ سے۔"

وہ بہت ہی جنونی ہو رہی تھی۔

"اگر ایسا نہ ہوا تو؟" اس نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تھا۔

"تو یا خود مرجاؤں گی' یا اسے مار دوں گی۔" عزت نے آخری فیصلہ سناتے ہوئے بات ہی ختم کر ڈالی تھی اور ساتھ ہی یکدم فون بند کرکے بیڈ پہ اچھال دیا تھا۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ولید رحمان' عزت حیدر سے محبت نہ کرے۔ ہونہہ۔۔۔ اگر ایسا ہوا تو جان لے لوں گی اس کی۔"

عزت دل ہی دل میں تلملاتی ہوئی لب بھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پھر نہ جانے اندر جنون کے کیسے ابال اٹھے کہ وہ بیڈ سے ایک جھٹکے سے اپنا موبائل اٹھا کر بیڈ روم سے باہر نکل آئی تھی۔

"عزت۔۔۔ کہاں جارہی ہو میری جان؟ ادھر میرے پاس آؤ۔" ڈرائنگ روم میں بیٹھے رضا حیدر نے اسے سیڑھیوں سے اتر کر کاریڈور کی طرف بڑھتے دیکھ کر آواز دی تھی۔

"سوری بابا۔۔۔ میں اس وقت کسی کام سے جارہی ہوں' واپسی پہ آؤں گی آپ کے پاس۔" عزت کا موڈ بے حد آف تھا' اس لیے اس نے رضا حیدر کو بھی بڑے ضبط سے جواب دیا تھا۔

"یہ ان دونوں' بہن' بھائی کو کیا ہوگیا ہے آج کل' دونوں کے تیور ہی بدلے ہوئے ہیں؟ پہلے جیسی کوئی بات ہی نظر نہیں آرہی۔"

رضا حیدر بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ انہیں اپنے دونوں بچوں کے موڈ کی تبدیلی نظر آگئی تھی۔ مگر اس تبدیلی کی وجہ کیا تھی؟ ابھی یہ نظر نہیں آیا تھا' آجاتا تو یقیناً" وہ اب تک قیامت اٹھا چکے ہوتے۔

لیکن اس وقت وہ مکمل طور پہ لاعلم تھے۔ مگر سوچ ضرور رہے تھے۔ ان کا صوفے پہ رکھا موبائل بج اٹھا تھا۔ انہوں نے اپنے ذہن سے سوچ کا انبار جھٹکتے ہوئے موبائل اٹھا کر کال ریسیو کرلی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" ان کی آواز پہ ابھی بھی سوچ کا غلبہ تھا۔

"السلام علیکم رضا حیدر۔۔۔ کیسے ہو؟" دوسری طرف ایک مانوس سی آواز ابھری تھی۔

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں' مگر آپ کی تعریف؟" رضا حیدر اس آواز کو پہچان نہیں سکے تھے۔

"مجھے پتا تھا۔۔۔ تم یہی سوال کروگے۔۔۔ لیکن مجھے دیکھو' پاکستان آتے ہی سب سے پہلے تمہارا نمبر حاصل کیا ہے اور تم سے رابطہ کیا ہے۔" دوسری طرف کی بات سن کر رضا حیدر کے ذہن میں اک جھماکا ہوا تھا۔

"ارے قیام مرزا تم؟" وہ فوراً" ہی پہچان گئے تھے اور دوسری طرف اک قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"چلو۔۔۔ یہ بھی شکر ہے کہ تم نے پہچان تو لیا ہے نا۔"

"ارے۔۔۔ تم پاکستان کب آئے۔" رضا حیدر کو حیرت ہوئی تھی۔

"بھی لاسٹ ویک ہی آیا ہوں' چند دن گھر کی سیٹنگ وغیرہ میں لگ گئے' آج فارغ تھا تو سوچا تم سے رابطہ کرلوں۔" قیام مرزا بہت پرجوش لہجے میں بات کر رہے تھے۔

"تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ تم اطلاع کردیتے' گھر کی سیٹنگ وغیرہ کون سا مشکل کام تھا؟ خیر یہ بتاؤ فیملی کے ساتھ آئے ہو؟"

"ارے یار۔۔۔ میری فیملی بھلا کتنی ہے؟ دونوں بیٹیوں کی ایک سال پہلے ہی شادی کرچکا ہوں اور بیٹا تو ظاہر ہے میرے ساتھ ہی آیا ہے' ملواؤں گا تمہیں بھی اس سے۔" قیام مرزا کا اپنے بیٹے کے لیے پیار ان کے لہجے سے ہی جھلک رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیوں نہیں... ان شاء اللہ ضرور ملیں گے' بھابھی کا سناؤ' وہ بھی ساتھ آئی ہیں۔" رضا حیدر' قیام مرزا کی آواز سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"ہاں بھئی... وہ بھی ساتھ ہی آئی ہے' اس نے کہاں جانا ہے بھلا؟ تم اپنی بات کرو۔ رابعہ بھابھی' تیمور اور عزت کیسے ہیں؟"

دونوں دوستوں کا بہت عرصے بعد رابطہ ہوا تھا۔ اس لیے دونوں ہی بہت خوش تھے اور یوں ہی کافی دیر ان کی اس خوشی اور ایک دوسرے سے گزرے ماہ و سال کا حال احوال پوچھنے میں ہی گزر گئی تھی ۔ بہت دیر بعد فون بند ہوا تھا۔ مگر فون بند کرنے کے بعد بھی وہ دونوں کسی سوچ میں گم تھے۔

☼ ☼ ☼

میں نعو مستانہ
میں نعو مستانہ
میں شوخی رندانہ
میں نعو مستانہ
میں شوخی رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں؟
میں تشنہ
میں تشنہ کہاں جاؤں؟

پی کر بھی کہاں جانا؟
میں نعو مستانہ

آج پھر اس کی دیوانگی اور اس کا جنون عروج پہ تھا۔
اور وہ آج پھر سڑکوں پہ آوارگی کی کیفیت میں گاڑی دوڑا رہی تھی۔
اسے نہیں پتا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے اور کیوں جا رہی ہے؟
بس اک عابدہ پروین کی آواز تھی جو اسے سنائی دے رہی تھی اور اک اپنا دل تھا جو کسی جانب ہمکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا' ان دو چیزوں کے علاوہ کوئی تیسری چیز اسے محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی اور وہ اسی بے خودی کے عالم میں شہر کی حدود سے بھی شاید دور نکل آئی تھی۔

میں طائر لاہوتی
میں جوہر ملکوتی
ناسوت نے کب مجھ کو
ناسوت نے کب مجھ کو
اس حال میں پہچانا
میں نعو مستانہ
میں شوخی رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں

پی کر بھی کہاں جانا...؟

وہ لب بھینچے اپنی ہی تڑپ میں تڑپتی اور اپنی ہی آگ میں جلتی ہوئی گاڑی فل اسپیڈ پہ رکھے بہت دور نکل آئی تھی جب اچانک اسے گاڑی کا پچھلا ٹائر پھٹنے کی آواز سنائی دی تھی اور اس نے بے ساختہ چونکتے ہوئے گاڑی کو فوراً ہی کنٹرول کر لیا تھا' گاڑی اک جھٹکے سے رک گئی تھی۔

"اف... ! یہ بھی ولید رحمان کی طرح نکلی ہے' میری دیوانگی اور میرا جنون برداشت نہیں کر سکی...!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی گاڑی سے نیچے اتر آئی تھی اور پھر پیچھے آ کر گاڑی کا ٹائر دیکھا تھا۔

اس نے اپنے بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا' مگر اسے دور دور تک کسی بھی ذی روح کا نام و نشان نظر نہیں آیا تھا۔

موسم گرما کی ایک موسم سرما جیسی شام تھی ...

جو اپنے آنچل میں خنک ہواؤں کا وجود سمیٹے سبک رفتاری سے چلتی لمحہ بہ لمحہ ماحول کے حواسوں پہ سوار ہوتی جا رہی تھی اور ان خنک ہواؤں کی شرارت سے عزت کے شولڈر کٹ بال اڑ رہے تھے جن کو وہ بار بار پیچھے ہٹا رہی تھی اور بار بار کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی مگر ہواؤں کی شرارتیں ہنوز جاری تھیں۔ جب اچانک اس کے قریب ہی کسی نے اپنی بائیک کو بریک لگائے تھے۔

"ہیلو میم۔ ! اینی سروس فار می...؟" اس کے عقب سے آواز ابھری تھی اور اس نے بڑے ہی ناگوار سے انداز میں پلٹ کر اس آدمی کو دیکھا تھا جس نے خوامخواہ ہی ہیرو بننے کی کوشش کی تھی۔

"نو تھینکس...!" اس نے بہت سخت لہجے میں انکار کر دیا تھا۔

لیکن اس کے انکار کے باوجود اس آدمی نے عزت کو سر تا پا بہت ہی گہری اور جائزہ لیتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیا کسی اور کے انتظار میں ہیں؟" اس آدمی نے بہت ہی گہرے لہجے میں دریافت کیا۔

"جی ہاں... ! آپ کو کوئی پرابلم؟" وہ کون سا کسی سے دبنے والی لڑکی تھی ۔ الٹا تنک کے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے تو کوئی پرابلم نہیں ہے' لیکن اگر آپ یونہی اس کے انتظار میں کھڑی رہیں تو آپ کو پرابلم ضرور ہو جائے گی۔" وہ بھی بہت ہی عجیب آدمی تھا بات کرتے کرتے معنی خیز سے انداز میں مسکرایا تھا۔

"اے مسٹر... ! مجھے ڈرانے دھمکانے کی کوشش فضول ہے' اس لیے اپنا ٹائم ویسٹ کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ اپنی راہ لو' شام ڈھل رہی ہے' گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"یہی عرض تو میں کر رہا ہوں کہ آپ اپنا ٹائم ویسٹ نہ کریں اور اپنی راہ لیں' شام ڈھل رہی ہے آپ کے گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے' آخر کب تک انتظار کریں گی اس کا؟ اتنی جلدی آنے والا نہیں ہے وہ... اسے ابھی گھنٹہ آدھا گھنٹہ لگ جائے گا واپسی میں..."

وہ آدمی بڑے ہی اطمینان سے بات کر رہا تھا جس پہ عزت کو حیرت ہوئی تھی کہ وہ آخر کس کی بات کر رہا ہے؟

"کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"ولید رحمان کی اور کس کی؟" اس آدمی نے عزت کے پیروں میں پٹاخے پھوڑ دیے تھے' وہ اچھل پڑی تھی۔

"ولید رحمان؟" اسے یقین نہیں آیا تھا جو کہ کچھ اس نے سنا ہے وہ سچ سنا ہے۔ وہ ایک اجنبی آدمی اس کے دل کی گہرائیوں تک کیسے پہنچ گیا؟

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ آدمی ہی تھا یا کوئی جن بھوت۔۔۔؟
عزت تو غش کھا کے گرنے کو تھی اگر وہ دوبارہ مخاطب نہ کرلیتا۔
"کیوں۔۔۔؟ میں نے کچھ غلط کہا ہے کیا؟"
"نن نہیں۔۔۔! مگر۔۔۔ آپ کو کیسے پتا کہ میں ولید رحمان۔۔۔؟"
عزت سارے حیرت کے اپنی بات بھی مکمل نہیں کرسکی تھی اور وہ آدمی ایک بار پھر مسکرا اٹھا تھا۔
"کرائم رپورٹر ہوں' بات کو پاتال سے بھی نکال لاتا ہوں یہ تو پھر بھی آپ کا دل ہے جو آپ کی آنکھوں میں دھڑک رہا ہے۔" اس آدمی نے عزت کی آنکھوں میں جھانکا جو حیران پریشان نظر آرہی تھیں۔
"کرائم رپورٹر۔۔۔؟" عزت کے آس پاس خطرے کی گھنٹیاں سی بجی تھیں۔
"جی ہاں۔۔۔! کرائم رپورٹر۔۔۔ حارث زیدی۔۔۔ ولید رحمان کا کولیگ۔۔۔ یونیورسٹی میں بم بلاسٹ کے روز ولید کو آپ کے ساتھ دیکھا تھا' وہ اتنے ہجوم میں بھی صرف آپ کو ہی سنبھالتا پھر رہا تھا' بتا رہا تھا کہ آپ اس کی رشتہ دار ہیں' شاید کزن ہیں اس کی؟ اس لیے ابھی آپ کو یہاں اس روڈ پر دیکھ کر مجھے یہی لگا ہے کہ آپ اس کے انتظار میں ہیں کیونکہ میرے بعد اس روڈ سے وہی ادھر آنے والا ہے' یہاں سے بہت دور ایک حادثہ ہوا تھا جس کا پولیس نے بھی کوئی نوٹس نہیں لیا' اس لیے ہم اس حادثے کی چھان بین کے لیے گئے ہوئے تھے۔"
حارث زیدی نے تفصیل سے سب کچھ بتا کر عزت کو اور بھی حیرت کے سمندر میں دھکیل دیا تھا اور وہ ہکا بکا سی حارث زیدی کی شکل دیکھ رہی تھی۔
"ٹھیک ہے میم۔۔۔! میں چلتا ہوں' آپ ولید رحمان کا انتظار کریں' وہ آتا ہی ہوگا۔"
حارث زیدی نے اپنی بائیک دوبارہ اسٹارٹ کی اور جانے کے لیے پر تولے تھے۔
"اور ہاں۔۔۔! ویسے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اس کی رشتہ دار نہیں ہیں۔ آپ اس کے دوست تیمور حیدر کی بہن ہیں۔۔۔ عزت حیدر۔۔۔

اور ایک بات اور کہ اگر مجھے ان چیزوں کا علم نہیں ہوگا تو مجھے کرائم رپورٹر کون کہے گا؟ کیونکہ محبت بھی آج کل کسی کرائم سے کم نہیں ہے' اب یہی دیکھ لیں کہ آپ اس ڈھلتی شام کے گہرے اندھیرے میں بھی یہاں روڈ پہ نڈر کھڑی ہیں اگر کوئی حادثہ ہوگیا تو کیا ہوگا؟ کیا بنے گا آخر۔۔۔؟ وہی نا۔۔۔؟ کرائم۔۔۔؟"
حارث زیدی نے بہت ہی پتے کی بات کہی تھی اور وہاں سے ہوا ہوگیا تھا جبکہ عزت پیچھے کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔
اور ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک اور بائیک کی ہیڈ لائٹس کی روشنی قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی عزت نے پلٹ کر اپنے عقب سے ابھرنے والی روشنی کی جانب دیکھا تھا۔
اور رفتہ رفتہ وہ روشنی عین اس کے چہرے پہ پڑتی یک دم ایک ہی جگہ پہ ساکت ہوگئی تھی۔
"عزت۔۔۔؟" ولید اسے یوں سنسان اور ویران سڑک کے بیچوں بیچ کھڑے دیکھ کر حیرت زدہ ہوگیا تھا۔
اور فوراً اپنی بائیک سے نیچے اتر آیا تھا جبکہ عزت جہاں کھڑی تھی وہاں ہی کھڑی رہی' وہاں سے ایک انچ بھی آگے یا پیچھے ہٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
"عزت۔۔۔! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں اس وقت؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟" ولید کی تشویش دیدنی تھی' وہ بے پناہ پریشان ہوا تھا۔
"میں یہاں جو بھی کر رہی ہوں آپ کو اس سے مطلب۔۔۔؟" وہ تیکھے لہجے میں بولی تھی اور ولید اس کے لہجے پہ

چونک گیا تھا۔
"لیکن عزت۔۔۔!" بات کرتے کرتے ولید کی نظر اس کی گاڑی پہ پڑی تھی اور پھر اس نے اپنے بیگ کے ساتھ لٹکتی ہوئی ٹارچ پکڑتے ہوئے اس کو آن کرکے عزت کی گاڑی کا معائنہ کیا تھا جس کا پھٹا ہوا ٹائر صاف بتا رہا تھا کہ وہ یہاں کیوں کھڑی ہے۔
ولید اس سے کچھ بھی کہے بغیر اس کی گاڑی کی سمت بڑھ آیا تھا۔
"اسٹاپ اٹ۔۔۔! میری گاڑی کو ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے یک دم غصے سے چیختے ہوئے ولید کو ٹائر تبدیل کرنے سے روک دیا تھا۔
"وجہ۔۔۔؟" ولید نے اس کی گاڑی سے چابی نکال کر کی ڈگی کھولتے ہوئے پوچھا۔
"وجہ یہ کہ مجھے آپ کی ہیلپ کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بہت ہی بے مروتی دکھائی تھی۔
"تو پھر کس کی ہیلپ کی ضرورت ہے؟ جس کی ضرورت ہے اسے بلالیں۔۔۔" ولید بھی آخر ولید ہی تھا' اس نے بھی بڑی سہولت سے کندھے اچکائے تھے۔
"بلالوں گی۔۔۔ کسی کو بھی بلالوں گی۔۔۔ مگر آپ کی ہیلپ نہیں لوں گی۔" وہ مزید تنک کر بولی تھی۔
"تو پھر یہاں کھڑی کیوں ہیں؟ کسی کی بھی ہیلپ لے لیتیں؟"
"تو کیا میں آپ کے لیے کھڑی ہوں؟" عزت نے ابرو اچکائے تھے۔
"آف کورس۔۔۔! جب کوئی ایک بار ہماری ہیلپ کرتا ہے تو ہم دوسری بار خود بخود ہی یہ امید باندھ لیتے ہیں کہ اس بار بھی وہی ہماری ہیلپ کرے گا۔" ولید نے دلچسپی سے کہا تھا۔
"لیکن مجھے آپ سے اس قسم کی کوئی امید نہیں ہے۔" وہ تلملا اٹھی تھی۔
"لیکن میں آپ کی امید کے بغیر بھی آپ کی ہیلپ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ میرا فرض ہے' میں آپ کو اس طرح اگنور کرکے نہیں گزر سکتا۔" ولید نے کہتے ہوئے ڈگی سے ٹائر اور رنچ وغیرہ نکال لیے تھے۔
"آپ کو گزرنا پڑے گا۔" عزت نے آگے بڑھتے ہوئے اس کے ہاتھ سے رنچ جھپٹ لیا تھا اور ولید اس کی اس حرکت پہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔
کیونکہ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ ایسی کوئی حرکت کرے گی' بے ساختہ ہی اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہوگئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی جس کو چھپانے کی غرض سے وہ ذرا سا رخ موڑ گیا تھا۔
"کس بات کا غصہ ہے آپ کو؟" ولید نے اپنی مسکراہٹ کنٹرول کرنے کے بعد بڑے ہی پرسکون سے انداز میں دریافت کیا تھا۔
"کیا...؟ مجھے کیوں غصہ ہوگا آپ پہ؟ میرا آپ سے کیا تعلق؟" وہ ایک دم ہی ہر بات سے انکاری ہوگئی تھی اور ولید اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ذرا سا اس کے قریب آیا اور اس کے ہاتھ سے دوبارہ رینچ لے لیا تھا۔
"یہی بات تو میں بھی آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ ——— غصہ کرنے کے لیے تعلق کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے پلیز مجھ پہ غصہ کرنے سے پرہیز کریں' میری جان کو ویسے بھی ہزاروں روگ ہیں۔"
ولید نے بڑے ہی پرسکون سے لہجے میں کہتے ہوئے ٹارچ اس کی سمت بڑھائی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ ٹارچ لے کر کھڑی رہے اور وہ گاڑی کا ٹائر بدل لے۔
"ہزاروں روگ...؟ کیا پوچھ سکتی ہوں کہ کیسے روگ ہیں آپ کی جان کو؟" اس نے ٹارچ کی روشنی سیدھی ولید کے چہرے پہ فوکس کی تھی۔
"یہ پوچھنے کے لیے بھی تعلق کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔" وہ اپنی شرٹ کے بازو فولڈ کرتے ہوئے نیچے بیٹھ گیا تھا اور رینچ سے ٹائر کے اسکرو کھولنے لگا تھا۔
"اسی لیے تو تعلق بنانا چاہتی ہوں ولید رحمان!" عزت کا لہجہ پل میں ہی محبتوں اور چاہتوں کے بوجھ سے بوجھل ہوگیا تھا اور جہاں اس کی چاہت کے پھول کھلنا شروع ہوتے تھے' وہیں پہ ولید کے مزاج کی شوخ رنگ کلیاں مرجھا جاتی تھیں وہ دھیما پڑ جاتا تھا۔
"اتنی دور نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر کوئی اور پرابلم ہو جاتی تو؟" ولید نے بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔
"انسان جب اپنی حدود سے باہر نکلتا ہے تو پرابلم تو بنتی ہی ہے اور مجھے تو اس معاملے میں ہر پرابلم قبول ہے ہر قیامت کے لیے تیار ہوں میں۔" عزت نے بڑے ہی پرسکون انداز میں کہا تھا۔
اور ولید کے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہوگئی تھیں۔ وہ تو پہلے ہی اس معاملے سے ڈرا ہوا تھا اب مزید بدک گیا تھا۔
"قیامت ایک لفظ نہیں ہے جسے ہم بڑی آسانی سے بول دیتے ہیں بلکہ قیامت وہ چیز ہے جو پوری کائنات کو الٹ سکتی ہے' پوری کائنات کا الٹ جانا قیامت کہلاتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ قیامت کچھ بھی نہیں محض ایک لفظ تک محدود ہے۔"
ولید نے اس کی سرکشی کو دلیل دینے کی کوشش کی تھی مگر کچھ لوگ دلیلوں سے سمجھتے ہیں نہ وکیلوں سے اور عزت حیدر کا شمار انہی لوگوں میں ہوتا تھا۔
"کائنات کا الٹ جانا اگر قیامت کہلاتا ہے تو میرے خیال میں انسان کی ذات کا الٹ جانا بھی قیامت ہی کہلاتا ہے اور میری ذات الٹ چکی ہے اس لیے آپ کو سمجھ جانا چاہیے کہ میں آج کل قیامت کی زد میں ہوں۔ میرے لیے اس سے بڑی قیامت اور کوئی بھی نہیں ہوگی۔"
عزت بے حد لاپروا نظر آرہی تھی اور ولید نے بے اختیار اس کی سمت دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر عزت نے ٹارچ عین اس کے چہرے پر فوکس کر رکھی تھی جس کی وجہ سے وہ اس کے چہرے کی سمت دیکھنے سے محروم رہ گیا تھا۔

"عزت پلیز! میں نے آپ کو ٹارچ اس لیے دی ہے کہ آپ ٹائر پر روشنی ڈالیں تاکہ میں اسے چینج کر سکوں۔" ولید نے ایک بار پھر بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔
"لیکن میں آپ پہ روشنی ڈال رہی ہوں تاکہ میں آپ کو دیکھ سکوں اور اچھی طرح دیکھ سکوں۔" عزت نے بڑے ہی موڈ اور بڑے ہی مزے سے کہتے ہوئے ولید کے چہرے اور بالوں کو ٹارچ کی روشنی سے چھوا تھا۔
ولید بڑے ضبط سے اس کی اس حرکت کو نظرانداز کر کے اپنے کام میں لگا رہا اس نے مزید کچھ نہ بولنے کی جیسے قسم کھالی تھی۔
"کبھی کسی لڑکی نے کہا تم سے کہ تم کتنے انٹرکٹیو ہو؟"
"عزت پلیز! ایک لڑکی کو یہ زیب نہیں دیتا۔ اپنی عزت کا خیال رکھیں۔"
ولید سے برداشت نہ ہوا تو اس نے یک دم اٹھ کر عزت کے ہاتھ سے ٹارچ چھین لی تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی۔ کیونکہ وہ بات ہی ایسی کہہ گیا تھا۔
"اگر میں کہوں کہ آپ "عزت" کا خیال رکھیں تو؟" وہ بہت فریش اور معنی خیز سے انداز میں کہتی ہوئی اس کے سامنے ذرا اسٹائل سے کھڑی ہوگئی تھی تاکہ وہ اسے ٹارچ کی روشنی میں اسی طرح دیکھ سکے جیسے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔
لیکن اسے یوں اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر ولید کی نظریں اس کے وجود کی خوب صورتی اور رعنائی کے بوجھ سے خود بخود ہی جھک گئی تھیں وہ اسے نظر بھر کے دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا اور ٹارچ کا رخ بھی نیچے کر لیا تھا اور نفی میں سر ہلایا تھا۔
"مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔" اس نے کہتے ہوئے رخ موڑ لیا تھا۔
"لیکن کیوں؟ وجہ جان سکتی ہوں؟" وہ ترپ کے اس کے سامنے آئی تھی۔
"عزت! آپ مجھے اور اپنے آپ کو آزمائش میں ڈال رہی ہیں' پلیز باز آجائیں اس کھیل سے۔ بہت خطرناک انجام نکلنا ہے اس کا۔" اس نے پھر اسے سمجھانا چاہا تھا۔
"جب میں نے کہہ دیا ہے کہ میں ہر انجام کے لیے تیار ہوں تو پھر آپ کو کیا مسئلہ ہے آخر؟ یا پھر مجھ میں کوئی کمی نظر آتی ہے اگر ایسا ہے تو بھی صاف صاف بتائیں۔ دامن کیوں بچا رہے ہیں آپ...؟" عزت نے اس سے دوٹوک بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔
"نہیں...! ایسا نہیں ہے' آپ میں کوئی کمی نہیں ہے' آپ ماشاء اللہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہیں۔ بس بات یہ ہے کہ میں پرفیکٹ نہیں ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔
"تو پھر مجھے کیوں پرفیکٹ نظر آتے ہیں آپ...؟"
وہ الٹا اس سے سوالیہ ہوئی تھی۔
"کوئی کمی ایسی بھی ہوتی ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی' مگر انسان کو خود پتا ہوتا ہے کہ مجھ میں یہ کمی ہے اس لیے مجھے بھی پتا ہے کہ مجھ میں کیا کمی ہے؟ اور کہاں کمی ہے؟"
ولید کافی آہستگی اور تحمل سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"اور اگر میں آپ کی کسی کمی کو کمی نہ مانوں تو...؟" وہ بھلا کب بہلنے والی تھی۔
"تو یہ آپ کی کم عقلی ہوگی' نادانی ہوگی۔" ولید نے استہزائیہ سا انداز اپنایا تھا۔
"اور کم عقل اور نادان لوگ کچھ بھی کر جاتے ہیں اس لیے یہ بھی ذہن میں رکھیے گا کہ میں بھی کچھ بھی کر سکتی ہوں وہ بھی صرف ولید رحمان کی چاہ میں..."

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

عزت نے صاف گوئی پر اعتراف کیا تھا اور ولید ٹھٹک کے رہ گیا تھا۔
اس نے فوراً" عزت کی طرف دیکھا تھا مگر وہ پلٹ کر چند قدم دور چلی گئی تھی اور پھر اس کی چپ پہ چپ ہو کر ولید نے اگلے چند منٹوں میں ٹائر چینج کیا۔ ڈگی بند کی اور گاڑی کی چابی عزت کی طرف بڑھا دی تھی جسے عزت نے خاموشی سے تھام لیا تھا۔
"میرے دل میں داخل ہو چکے ہیں آپ... میرے لیے آپ کے دل کے دروازے کھلے ہیں یا نہیں۔ یہ آپ کو سوچنا ہے۔ اب فیصلہ اگلی ملاقات پہ رہا۔"
وہ اسے نپے تلے الفاظ میں آگاہ کرتی آگے بڑھی اور گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اڑا لے گئی تھی اور اس کے پیچھے ولید کو بھی اپنی بائیک اسٹارٹ کرنا پڑی تھی' وہ دونوں روڈ پہ آگے پیچھے جا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"آپ کی بارات کہاں سے آ رہی ہے مس فارہ...؟"
فارہ آج اپنی اسکن ٹریٹ منٹ کے لیے پارلر آئی ہوئی تھی اور بیوٹیشن اس کے فیشل اور مساج وغیرہ میں مصروف تھی جب ساتھ والی کرسی پہ بیٹھی ایک لڑکی نے اس سے گپ شپ کے لیے سوال اٹھایا تھا۔
"کراچی سے..." فارہ نے بڑے سکون سے جواب دیا تھا۔
"ارے واہ...! میں بھی کراچی سے ہی ہوں' آج کل اپنی ننھیال اپنے نانا اور نانی سے ملنے کے لیے آئی ہوئی ہوں بس ایک دو روز میں واپس جانے کی تیاری ہے۔"
وہ لڑکی بہت ہی ہنس مکھ اور خوش اخلاق سی لگ رہی تھی' مگر فارہ کو ماورا کے سوا کسی کے ساتھ بھی پینگیں بڑھانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔
"ہوں...! اچھی بات ہے۔" اس نے محض اتنا سا جواب دیا تھا۔
"ویسے لڑکے کا نام کیا ہے؟ کیا کام کرتا ہے وہ؟" فارہ بے زار ہو رہی تھی کہ وہ خوامخواہ دلچسپی لے رہی ہے اس میں...
"آفاق یزدانی نام ہے اس کا... اپنا بزنس کرتا ہے وہ..." فارہ نے بڑے لٹھ مار قسم کے انداز میں بتایا تھا۔
"آفاق یزدانی...؟ انیق یزدانی کا بھائی...؟" وہ لڑکی زیر لب دہرا کے رہ گئی تھی اور اس کا رنگ ذرا سا متغیر ہوا تھا مگر پھر اس نے فوراً" ہی اپنے آپ کو کنٹرول کر لیا تھا۔ وہ سنبھل گئی تھی شاید...
لیکن نجانے کیسے فارہ بھی اس کے چہرے کی سمت دیکھ بیٹھی تھی اور اسے بھی اس لڑکی کے چہرے کے تاثرات میں اک عجیب سا احساس محسوس ہوا تھا۔
"کیا ہوا؟ آپ نام سن کر چپ کیوں ہو گئی ہیں؟ کیا آپ جانتی ہیں آفاق یزدانی کو؟"
"نہیں...! میں جانتی نہیں ہوں' مگر مجھے لگ رہا ہے کہ میں نے یہ نام کہیں سنا ہوا ہے۔" وہ لڑکی صاف ٹال گئی تھی لیکن فارہ کا ذہن مطمئن نہیں ہوا تھا۔
اس کے دماغ میں اک عجیب سی ٹک ٹک ہونے لگی تھی۔
"آپ کا نام کیا ہے؟" اب فارہ کی باری تھی سوال کرنے کی۔
اور اب وہ لڑکی کترانے کی کوشش میں تھی۔
کیونکہ فارہ انجان تھی اور وہ لڑکی سب کچھ جانتی تھی... سب کچھ...!!!

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جا سکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

قصہ دل

ماورا مرتضیٰ ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی ' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت، تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات سادگی سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

فارہ اور آفاق کی شادی کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ رضا حیدر کے بہت پرانے دوست قیام مرزا بہت عرصے بعد ان سے رابطہ کرتے ہیں۔ پارلر میں ٹریٹمنٹ کے دوران ایک باتونی لڑکی باتوں باتوں میں آفاق کے بھائی انیق یزدانی سے شناسائی ظاہر کرتی ہے۔ فارہ کو چونکتے دیکھ کر وہ لڑکی پھر کترانے لگتی ہے۔

—۸—
آٹھویں قسط

"ہیلو! میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے۔" فارہ نے اس لڑکی کو دوبارہ متوجہ کیا۔

"جی، جی! کہئے کیا پوچھا ہے آپ نے؟" اس لڑکی نے فارہ کے سوال سے انجان بننا چاہا۔

"کچھ خاص نہیں بس صرف آپ کا نام پوچھا ہے۔" اس نے "نام" پہ زور دیا۔

"اوہ اچھا! میرا نام زوبیہ شاہ نواز ہے۔" اس لڑکی کو اپنا نام بتانا ہی پڑا۔

"آپ کراچی میں کس جگہ....." اس سے پہلے کہ فارہ اپنا اگلا سوال مکمل کرتی اچانک اس کا سیل فون بج اٹھا اور مجبوراً اسے اس لڑکی سے دھیان ہٹا کر اپنے فون کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اسکرین پہ آفاق یزدانی کا نمبر دیکھ کر ایک پیار تو بیچ مچ وہ گنگ سی رہ گئی اور یہ تو اس کے ساتھ ہمیشہ ہی ہوتا تھا۔ اس کی کال جب بھی آتی وہ گم صم سی ہو جاتی تھی پھر اس کی اسی گم صم سی کیفیت میں وہ کال مس ہو جاتی تھی۔

جس کا اسے بعد میں افسوس ہوتا تھا۔

اور اب بھی ہوا تھا۔

"اوہ!" وہ آہستگی سے کہہ کے رہ گئی، مگر آفاق بھی شاید اس کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا اس لیے دوبارہ کال کر لیتا تھا۔ سو اب اس نے آرام سے اس کی کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو!" اس کی آواز حد درجہ دھیمی تھی۔

"السلام علیکم!" ریسیور پیس سے آفاق کی انتہائی پرسکون اور گمبھیر سی آواز ابھری۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہیں؟" فارہ نے دعا سلام کے دوران ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

"بہت اچھا۔ لیکن تم سے ذرا کم۔" آفاق نے بات کو خوش گوار کی رنگ دینا چاہا۔

"آپ نے فون کس لیے کیا؟" وہ اس کے موڈ کی خوش گواری کو نظر انداز کر گئی۔

"تم سے بات کرنے کے لیے۔" وہ جانتا تھا کہ یہ سوال اس کی خفگی کا اظہار ہے۔

"کوئی خاص بات؟" اس وقت فارہ کے مزاج پہ ماورا کے مزاج کی چھاپ نظر آ رہی تھی۔

"بات خاص ہو یا نہ ہو۔ ہمارا ایک دوسرے سے بات کر لینا ہی خاص ہے۔ اور یہ کیا کم خاص بات ہے؟"

آفاق ہلکے سے مسکرایا تھا لیکن فارہ کا موڈ پھر بھی نہیں بدل سکا، وہ ہنوز اس موڈ میں تھی کہ لاتعلق سی۔

"لیکن میرے پاس اس خاص بات کے لیے ذرا بھی ٹائم نہیں ہے، میں اس وقت پارلر میں ہوں اس لیے فون بند کرتی ہوں، آپ بھی اپنا آفس سنبھالیے، بزنس میں کوئی نقصان نہ ہو جائے آپ کا۔"

اس نے بھرپور طنز کیا۔

"پارلر کس لیے آئی ہو؟" آفاق نے اس کا طنز نظر انداز کر کے دلچسپی سے پوچھا۔

"کیا آپ کو نہیں پتا کہ لڑکیاں پارلر کس لیے جاتی ہیں؟" فارہ نے ہنوز خفگی بھرا انداز اپنا رکھا تھا۔

"پتا ہے۔ اپنا آپ سجانے سنوارنے کے لیے جاتی ہیں۔" اس کا جواب لاپروا سا تھا۔

"تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" فارہ کو حیرانی ہوئی تھی جبکہ آفاق اس کی ناسمجھی پہ ایک بار پھر مسکرایا تھا۔

"میں یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ آپ اپنا آپ کس کے لیے سجانے سنوارنے آئی ہیں؟"

آفاق کا لہجہ متبسم ہو رہا تھا، فارہ ٹھٹک گئی اور اس کے سوال کا مفہوم بھی سمجھ گئی تھی۔

"انسان اپنا آپ کس لیے سجاتا سنوارتا ہے....؟ اپنے آپ کے لیے۔ اپنی خوشی کے لیے۔ میں بھی اسی لیے پارلر آئی ہوں، اپنی خوشی کے لیے اور اپنے لیے تاکہ میں خود کو اچھی لگوں۔"

فارہ نے اپنی طرف سے آفاق کو کرارا جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

"میں تمہاری اس بات سے ہرگز اتفاق نہیں کرتا۔ انسان اپنا آپ اپنے لیے کبھی بھی نہیں سنوارتا۔ ہمیشہ دوسروں کے لیے سجاتا ہے، دوسروں کو خوش کرنے کے لیے، دوسروں کی نظر میں جچنے کے لیے، دوسروں کو اچھا لگنے کے لیے تاکہ کوئی دوسرا اسے دیکھے اور دیکھتا ہی رہ جائے۔ اور یہ خواہش لڑکیوں میں زیادہ پائی جاتی ہے اسی لیے تو وہ سجنے سنورنے کا اہتمام کچھ زیادہ ہی کرتی ہیں، تاکہ منگیتر یا ان کا ہزبینڈ انہیں دیکھے تو بس پھر انہیں ہی دیکھتا رہے، اس کی نظر ادھر سے ادھر نہ جائے، اور لڑکیوں کی اسی خواہش کی بدولت ہی تو بیوٹی پارلرز آباد ہیں اور کاسمیٹکس والوں کا کاروبار چل رہا ہے مگر میرا سوال اب بھی وہیں کا وہیں ہے کہ تم پارلر کس لیے آئی ہو؟ کس کی نظر میں جچنے کے لیے اپنا آپ سنوار رہی ہو؟" آفاق گھوم پھر کے بات کو پھر وہیں لے آیا تھا۔ جبکہ فارہ اس کی اتنی گہری اور لمبی چوڑی بات پہ چند ثانیے کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

"آفاق یزدانی کے لیے نا؟" وہ پوچھ رہا تھا لیکن فارہ کے پاس خاموشی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"اور اسی آفاق کے لیے تمہارے پاس اس وقت ٹائم نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی جھلکی۔

لیکن وہ مسلسل چپ تھی جس پہ آفاق ایک گہری سانس کھینچ کے رہ گیا۔

"اوکے فارہ! اگر تمہارے پاس جواب دینے کا بھی ٹائم نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔ میں کال بند کر دیتا ہوں، تم ایزی ہو کر اپنا آپ سجا سنوار لو۔ اللہ حافظ۔" آفاق بڑے سکون اور مطمئن سے انداز میں کہتے ہوئے فون بند کرنا چاہتا تھا۔

"آفاق پلیز۔!" اب اس سے چپ نہیں رہا گیا۔

"کہو۔" آفاق اس کی اجنبیت اور لاپروائی کا حل بخوبی جانتا تھا، کیونکہ اسے پتا تھا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔

"کس لیے فون کیا تھا آپ نے؟" فارہ نے شرمندگی سے پوچھا۔

"تلافی کرنے کے لیے۔"

"تلافی....؟ مگر کس چیز کی؟" وہ حیران ہوئی۔

"تمہارا دل دکھانے کی تلافی۔ تمہیں بے تحاشا رلانے کی تلافی۔ تمہاری محبت کو ستانے کی تلافی اور تمہیں انکار کرنے کی تلافی۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا فارہ.... لیکن پھر بھی مجھ سے ایسا ہو گیا۔ میں اس روز بہت زیادہ ڈپریشن کا شکار تھا۔ اس لیے نجانے کیا کہہ گیا۔ لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔ اسی لیے سوچا کہ تم سے معافی مانگوں تم بتاؤ اپنی غلطی کی تلافی کیسے کروں.... کوئی ایسی بات۔ یا کوئی ایسا کام جس سے تمہاری محبت خوش ہو جائے، جس سے تمہارے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر جائے، جس سے تمہارے دکھے ہوئے دل کو سکون مل جائے...."

فارہ بس سنتی رہ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بولو نا فارہ! کیا کروں۔ ایسا کہ تم سب کچھ بھلا دو۔"
آفاق اصرار کر رہا تھا اور فارہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ اسے اپنی سماعتوں پہ اعتبار نہیں رہا تھا۔

"غلطی خود کی تو تلافی بھی خود ہی کیجیے مجھ سے کیا پوچھتے ہیں؟"
فارہ قدرے سختی اور تلخی سے گویا ہوئی۔
"اوکے۔ پھر میں اپنے دل سے پوچھ لیتا ہوں کہ وہ اس معاملے میں کیا کہتا ہے۔"
آفاق کی گمبھیر آواز پہ فارہ کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا اور اس نے بے اختیار اپنے آس پاس دیکھا تھا' لیکن فی الحال اس کے آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ بیوٹیشن اس وقت اپنی کلائنٹس کو دیکھ رہی تھی۔
"ہوں! بتائیے کیا کہہ رہا ہے آپ کا دل؟" فارہ دل و جان سے سننا چاہتی تھی کہ اس کا دل آخر کیا کہتا ہے۔
"بتا دوں؟" وہ جان بوجھ کر تجسس پھیلا رہا تھا۔
"ہوں!" وہ اب اور کیا کہتی۔
"آئی لو یو سو مچ فارہ۔ آئی ریئلی لو یو۔" آفاق نے اتنے دھیمے' اتنے بوجھل اور اتنے جذب سے کہا کہ فارہ کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا اور کانوں کی لو میں سرخ پڑ گئیں۔
"میرے پاس اس وقت اس سے اچھی تلافی اور کوئی نہیں ہو سکتی' البتہ جب تم پاس آجاؤ گی تو پھر میرا معافی تلافی کا طریقہ کار کچھ اور ہو گا۔"
آفاق کی بات پر وہ جھینپ گئی تھی۔
"آفاق پلیز! میں فون بند کر رہی ہوں' آپ سے بعد میں بات ہو گی۔ بیوٹیشن میرا انتظار کر رہی ہے۔" فارہ نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی دھڑکنوں کو ہموار کیا۔
"اوکے۔ اس کی آسانی کے لیے فون بند کر دیا۔" آفاق نے مسکراتے ہوئے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔
فارہ نے فون بند ہونے کے بعد کرسی پر پشت ٹکاتے ہوئے پلکیں موند لیں۔
"آر یو آل رائٹ مس فارہ؟" بیوٹیشن نے اندر آتے ہوئے بڑی نرمی سے پوچھا۔
"یس آئم آل رائٹ۔" فارہ یکدم سیدھی ہو بیٹھی۔
"آئی تھنک! آپ کے فیانسی کی کال تھی۔" بیوٹیشن دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔
"جی ہاں۔ انہی کی کال تھی' لیکن آپ کو کیسے پتا چلا؟" فارہ بیوٹیشن کے سوال پہ چونک گئی۔
"وہ آپ کے ساتھ یہاں جو دوسری کسٹمر تھیں' وہ بتا رہی تھیں۔" بیوٹیشن نے کندھے اچکائے اور فارہ کچھ یاد آنے پہ ایک بار پھر چونکی۔
"ارے۔ وہ کہاں گئیں کیا نام تھا ان کا۔ ہاں۔ مس زوسیہ شاہ نواز۔ پلیز۔ ان کو اندر بلائیں۔" فارہ کو بے چینی لاحق ہوئی۔
"سوری! وہ تو اسی وقت چلی گئی تھیں جب آپ کال سن رہی تھیں۔"
"اوہ نو۔" فارہ نے یک دم سر تھام لیا۔
"کیا ہوا مس فارہ! خیریت۔" وہ بھی پریشان ہو گئی۔
"ہوں۔ ہاں۔ انہیں کچھ نہیں۔" فارہ نے بے دھیانی سے جواب دیا تھا۔
"آپ کو کوئی کام تھا ان سے؟"
"جی۔ کیا آپ کو ان کا کوئی ایڈریس یا نمبر وغیرہ پتا ہے؟ میں ان سے کانٹیکٹ کرنا چاہتی ہوں۔" فارہ نے اس لڑکی سے دوبارہ ملنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے چاہے تھے۔
"سوری مس فارہ! وہ ہماری ریگولر کسٹمر نہیں ہیں' وہ تو فرسٹ ٹائم یہاں آئی ہیں' بتا رہی تھیں کہ کراچی کی

رہنے والی ہیں۔"
بیوٹیشن نے فارہ کو بالکل ہی مایوس کر دیا تھا اور فارہ تاسف سے ہاتھ ملتی رہ گئی تھی۔!

☆ ☆ ☆

اور پھر جیسے ہی دن دس تاریخ سے کچھ آگے سرکے' ہر طرف ہی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔
لیکن جتنا انتظار تیمور حیدر کو تھا' اتنا تو شاید فارہ اور آفاق کو بھی نہیں تھا۔
وہ ایک ایک منٹ اور ایک ایک سیکنڈ بھی گن گن کے گزار رہا تھا۔
اس کی راتوں کی نیند بھی اڑی ہوئی تھی۔
اور اس کے ان ہی چکروں نے رضا حیدر کو مشکوک کر ڈالا تھا۔
"کیوں برخوردار! نیند نہیں آرہی کیا؟" رضا حیدر نے اس کے قریب آتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔
"جی!" تیمور نے سر کھجاتے ہوئے اعتراف کیا۔
"وجہ؟" رضا حیدر کھٹک تو گئے تھے لیکن انہوں نے اس کے منہ سے سننا چاہا۔
"آپ سمجھتے ہی ہوں گے۔" تیمور بتاتے ہوئے جھجک رہا تھا۔
"اوہ! یعنی یہ بات ہے؟" رضا حیدر کافی مبہم اور معنی خیز سے الفاظ میں بولے تھے۔
"وہی مطلب؟" تیمور خاک سمجھا تھا۔
"میرے ابا جان کہتے تھے کہ جب بیٹا راتوں کو جاگنے لگ جائے تو ماں باپ کو سمجھ جانا چاہیے کہ اس کی تنہائی اسے سونے نہیں دے رہی۔" رضا حیدر نے اسے تنگ کرنے کی حد کر ڈالی تھی' اور تیمور بدک گیا تھا۔
"بابا! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ میرے ساتھ یہ مسئلہ ہرگز نہیں ہے' میں تو کسی اور ہی چوٹ کا گھائل ہوں۔"
تیمور نے فوراً" نہیں کچھ ایسا ویسا سوچنے سے روکا۔
"اب یہ چوٹ اور گھائل کا کیا قصہ ہے۔ ذرا صاف الفاظ میں سمجھاؤ' رات پہلے ہی کافی ہو چکی ہے' ہمیں تو نیند آرہی ہے۔" انہوں نے اسے جلدی بولنے پہ اکسایا۔
"میرے پاس صاف الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے آپ پہلے اپنی نیند پوری کر لیں جا کر۔ یہ قصہ کل پہ اٹھا رکھتے ہیں۔" تیمور نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔
"ارے نہیں میری جان۔ نیند مجھے اپنے بیٹے سے زیادہ پیاری نہیں ہے۔ تم قصہ بیان کرو' میں سن رہا ہوں۔"
رضا حیدر اس کے کندھے کو دوبارہ تھپکتے ہوئے اس کے ساتھ لان میں چہل قدمی کرنے لگے۔
"قصہ تو بہت ہی مختصر ہے۔ مگر میں اسے بڑھانا چاہتا ہوں۔" تیمور نے کچھ بولنے کے لیے تمہید باندھی۔
"ٹھیک ہے۔ پہلے عنوان تو بتاؤ؟" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"عنوان ہے "تم اور محبوب۔" تیمور نے بڑے جذب سے کہا۔
"میں نے کہا نا بیٹا! ذرا صاف الفاظ میں سمجھاؤ۔" رضا حیدر اسے خوب ستا رہے تھے۔
"صاف الفاظ میں سننا چاہتے ہیں تو پھر سنیں۔ ایک لڑکی میری زندگی میں آگئی ہے۔۔۔ اور اس کے سوا مجھے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا ہے۔ اور۔۔۔ اور مجھے حیرت ہو رہی ہے خود پہ کہ میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔"
تیمور کہتے ہوئے واقعی حیران اور بے یقین سا لگ رہا تھا۔ رضا حیدر اس کے اتنے سیدھے سادھے اظہار پہ بے ساختہ ایک بلند قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔
"یہ وقتی جذبہ ہے یا اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتے ہو۔"
"اگر اسے اپنانے کی نیت نہ ہوتی تو آپ سے کبھی بھی اس قصے کا ذکر نہ کرتا۔" تیمور کا لہجہ مضبوط ہوا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ہوں! یعنی تم ایک ہی جست میں آخری اسٹیج پر جا پہنچے ہو۔"
"کیا مطلب؟" تیمور نے ان کے چہرے کو جانچا۔
"محبت پہلی اور شادی آخری اسٹیج ہوتی ہے۔ اور تم ایک ہی جھٹکے میں دونوں پھلانگ آئے ہو۔ ابھی کچھ دیکھو' کچھ سوچو' پھر کچھ سمجھنے کی کوشش کرو۔ اتنی جلدی کیا ہے بھلا۔" رضا حیدر نے بڑے نارمل سے طریقے سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی البتہ اس مشورے میں کوئی زور زبردستی یا انکار کی آمیزش نہیں تھی۔
"بابا! میرا تو ایک ایک پل صدیوں جیسا گزر رہا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اتنی جلدی کیا ہے؟" تیمور نے جیسے اپنے آپ کا مذاق اڑایا تھا۔
"تو پھر کیا کرنا چاہیے ہمیں؟" وہ الٹا اس سے مشورہ لے رہے تھے۔
"یہ تو اب آپ کو سوچنا چاہیے نا کہ آپ کے بیٹے کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہے اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس سلسلے میں آپ کو کیا کرنا چاہیے۔" تیمور نے ساری ذمہ داری ان پر ڈال دی۔
"کس فیملی سے ہے؟" اب رضا حیدر سنجیدہ ہوئے۔
"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا ہے۔" تیمور واقعی اس بات سے لاعلم تھا۔
"رہتی کہاں ہے' یہ تو پتا ہو گا؟" وہ ذرا گھور کے بولے تھے اور تیمور مسکرا اٹھا۔
"جی! یہ پتا ہے۔ فیصل آباد میں رہتی ہے۔" اس نے کہتے ہوئے سر جھکا لیا تھا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ فیصل آباد کا نام سن کر ان کا ری ایکشن کیا ہو گا؟ اور واقعی وہ چونک گئے تھے۔
"فیصل آباد میں؟" انہیں جیسے کرنٹ لگا تھا۔
"جی ہاں اسی فیصل آباد میں' جس سے میں کوسوں دور بھاگتا تھا' جہاں جاتے ہوئے میری جان جاتی تھی' جہاں جانا مجھے عذاب لگتا تھا' جہاں مجھے بوریت کے سوا اور کچھ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا' آج اسی فیصل آباد میں مجھے یوں لگتا ہے کہ میری زندگی بس گئی ہے' میری سب سے بڑی خوشی کا مرکز ہی فیصل آباد ہے' اور اب اسی فیصل آباد جانے کے لیے میں دن گن رہا ہوں۔ اور انتظار کر رہا ہوں کہ فارہ اور آفاق کی شادی کب ہو گی۔"
تیمور نے تو اپنا دل کھول کر اپنے باپ کے سامنے رکھ دیا تھا اور رضا حیدر ششدر سے اس کی بات اور اس کے جذبات سنتے رہ گئے تھے۔
"بابا! میں چاہتا ہوں کہ جب آپ فیصل آباد جائیں تو اس سے ایک بار ضرور ملیں۔ میں آپ کو اس سے ملوانا چاہتا ہوں' پلیز بابا۔" اس نے بھرپور التجا کی تھی اور رضا حیدر نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔
"ہوں۔ ضرور ملوں گا۔ تم بے فکر رہو۔ اب تو مجھے بھی اس لڑکی کو دیکھنے کا اور اس سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے کہ آخر وہ ہے کون' جس کو دیکھ کر میرا بیٹا اتنا پاگل ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ میرے بیٹے کی شادی بھی اسی سے ہو گی۔ آخر پہلی بار اس نے کسی چیز کے لیے اتنی شدت سے طلب ظاہر کی ہے۔"
رضا حیدر نے بڑے سکون سے کہتے ہوئے اس کا کندھا ایک بار تھپکا اور اس کا حوصلہ بڑھایا' جس پہ تیمور ایک پل میں ہی بہت مطمئن اور پرسکون ہو گیا۔
"اوہ تھینک یو بابا! تھینک یو سو مچ۔" تیمور نے شکر ادا کیا تھا کہ بابا نے کوئی نکتہ نہیں اٹھایا۔
"ہوں تو پھر کب ملوا رہے ہو اس سے۔" وہ معنی خیزی سے مسکرائے۔
"آفاق کی مہندی کی رسم میں ملواؤں گا۔ اگر وہ آئی تو۔ ورنہ شادی کے فنکشن میں تو ضرور ہی ملاقات ہو گی۔"
تیمور کہتے ہوئے چہک رہا تھا اور رضا حیدر اس کی کیفیت سے محظوظ ہو کر آہستگی سے مسکرا دیے۔

☼ ☼ ☼

"امی! کہاں جا رہی ہیں آپ؟" ماورا' عافیہ بیگم کو تیار ہوتے دیکھ کر ان کے پیچھے ہی کمرے میں آ گئی۔
"مارکیٹ جا رہی ہوں۔ سودا سلف سارا ختم ہو چکا ہے۔" وہ اپنا بیگ چیک کرتے ہوئے کافی مصروف سے انداز میں بولیں۔
"مجھے کچھ کہنا تھا آپ سے۔"
"کہو۔" انہوں نے بیگ کی زپ بند کر کے کھونٹی سے لٹکتی اپنی چادر اتاری۔
"میں چاہتی ہوں کہ فارہ مایوں کا جوڑا میری طرف سے پہنے۔" اس نے کہا۔
"کیا؟" اور عافیہ بیگم کے چادر اوڑھتے ہاتھ وہیں ساکت ہو گئے تھے۔
"جی پرسوں فارہ کی مایوں اور مہندی کی رسم ہے' اور اس نے ابھی تک مایوں کا جوڑا نہیں بنوایا۔ یہ جوڑا اکثر دلہن کی سہیلیاں بنواتی ہیں۔ جبکہ میرے سوا فارہ کی کوئی اور سہیلی نہیں ہے۔ بے شک فارہ مجھ سے یہ سب نہ کہے۔ لیکن مجھے خود تو احساس ہے نا۔ ہم دونوں نے آج تک ایک دوسرے کو کوئی گفٹ بھی نہیں دیا۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ میں فارہ کو اپنی دوستی کا پہلا گفٹ اس کی مایوں کا پیلا جوڑا ہی دوں' جس پہ وہ بھی خوش ہو جائے اور میں بھی۔ اب آپ بتائیں آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"
ماورا جب بھی ان کے سامنے یوں بات کرتی تھی عافیہ بیگم کو ہمیشہ اس کے سامنے بے بس ہونا پڑ جاتا تھا۔ وہ اختلاف کے باوجود تذبذب کا شکار ہو جاتی تھیں۔ اس وقت بھی ان کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔
ماورا ان کے جواب کی منتظر کھڑی تھی اور عافیہ بیگم چپ چاپ اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔
"اگر آپ کو اعتراض ہے تو آپ انکار بھی کر سکتی ہیں۔ کیونکہ میرے لیے اور فارہ کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ میں اس کی شادی میں شریک ہو رہی ہوں' میں اس کے لیے مایوں کا جوڑا نہ بناؤں تو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ خود ہی بنا لے گی۔" یہ صرف میری خوشی ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماورا نے انہیں اتنا سوچتے دیکھ کر اپنا پروگرام ہی بدل دیا۔ لیکن ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ عافیہ بیگم اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"اگر فارہ کا جوڑا بنوانا ہے تو چلو میرے ساتھ..." گویا ان کی طرف سے ہاں ہو چکی تھی۔ ماورا ان کی رضامندی پہ بے ساختہ ان کے گلے لگ گئی تھی۔

"تھینک یو امی۔ !تھینک یو ویری مچ..."

بی گل ہمیشہ کی طرح اس کی حرکتوں پہ مسکرا کے رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

تیمور کو ثمینہ یزدانی نے باقاعدہ کال کر کے اپنے گھر بلایا تھا' اس لیے وہ اس ٹائم سے ذرا پہلے ہی اٹھ آیا تھا لیکن ابھی راستے میں ہی تھا کہ ولید سے ٹکراؤ ہو گیا تھا' وہ ایک بس اسٹاپ پہ کھڑا تھا۔

تیمور نے گاڑی عین اس کے سامنے لا کر روکی تھی۔

"ہیلو... شیطان کو جب بھی دیکھا... سڑکوں پہ ہی دیکھا۔" تیمور نے گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے کہا اور ولید نے اس کے ارشاد پہ اسے مسکرا کے دیکھا۔

"ہمارے خیالات ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوتے۔" ولید قرض نہیں رکھتا تھا۔

"اب بیٹھو گے بھی یا بکواس ہی جاری رکھو گے...؟" تیمور نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول رکھا تھا۔

"مجبوری ہے... بیٹھنا تو پڑے گا ہی... اور کیا کر سکتا ہوں بھلا...؟"

وہ منہ بنا کر کہتا بیٹھ گیا تھا۔

"تو پھر میری طرف سے بھی یہی سمجھ لو کہ میری بھی مجبوری ہے۔ میں بھی اگنور کر کے نہیں گزر سکتا۔ کیا کروں۔" تیمور نے بھی جواباً" اسی کے سے انداز میں کہتے ہوئے کندھے اچکائے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"مہربانی ہے جناب... !نوازش ہے آپ کی ورنہ سڑک کنارے کھڑے ہم جیسے حقیر لوگوں کو کون دیکھتا ہے؟ سب یوں زناٹے سے گزر جاتے ہیں جیسے پیچھے قیامت تعاقب میں ہو۔"

"بس بس... اب زیادہ عاجزی دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' یہ بتاؤ یہاں کیا کر رہے تھے اور تمہاری بائیک کہاں ہے؟" تیمور نے اسے کچھ الٹا سیدھا بولنے سے روک دیا تھا۔

"ہونہہ !خوش فہمی ہے تمہاری کہ تمہارے سامنے عاجزی دکھا رہا ہوں... میں... ولید رحمان... کبھی عاجز بنوں اور وہ بھی تمہارے سامنے ہو ہی نہیں سکتا۔"

اس نے کافی زور و شور سے نفی میں گردن ہلائی تھی اور تیمور ایک بلند قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"تمہاری یہی کوالٹی تو مجھے بہت پسند ہے کہ تم کسی کے سامنے عاجز نہیں ہوتے' البتہ دوسروں کو عاجز ضرور کر ڈالتے ہو۔"

ولید نے سر ہلایا جیسے اس کی بات تسلیم کر لی ہو۔

"خیر۔ !تم بتاؤ کہاں جا رہے ہو... یہ تمہارا روٹ تو نہیں ہے۔" ولید اسے اس راستے پہ دیکھ کر پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"اپنی ثمینہ پھپھو کے گھر۔" تیمور لاپروائی سے بولا۔

"تو پھر مجھے کہاں لے جا رہے ہو...؟" ولید ٹھٹکا۔

"اپنی ثمینہ پھپھو کے گھر۔" اس کا انداز لاپروائی ہنوز تھا۔

"کیوں؟ مجھے نہیں جانا... مجھے یہیں ڈراپ کر دو۔"

ولید نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کافی تعجب سے کہا۔ مگر تیمور نے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیا اور اسے سیدھا اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

حالانکہ ولید نے بہت زیادہ شور بھی مچایا تھا۔

"یار... !میرا یہاں کیا کام ہے؟" ولید گاڑی سے اترتے ہوئے جھنجلا گیا۔

"تمہیں میں لے کر نہیں آیا... تمہاری قسمت لے کر آئی ہے... اگر تمہاری قسمت میں نہ ہوتا تو شاید تم یوں راستے میں کھڑے ہی نہ ہوتے۔" تیمور نے اس کے قریب آتے ہوئے اس کا کندھا تھپکا۔

"ارے تیمور تم !بھئی یہاں کیوں کھڑے ہو۔ اندر آؤ ناں...؟" اشتیاق یزدانی ڈرائیو وے پہ کھڑے تیمور کو دیکھ کر خاصے خوش ہوئے تھے۔

"السلام علیکم انکل !کیسے ہیں آپ؟" تیمور نے فوراً" آگے بڑھ کے ان کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام... !میں ٹھیک ہوں اللہ کا شکر ہے... تم بتاؤ اتنے لیٹ کیوں ہوئے ہو؟ تمہاری آنٹی کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں؟"

"سوری انکل !وہ دراصل آفس میں کام کچھ زیادہ تھا بس اسی میں ذرا ٹائم لگ گیا اینی وے !آپ اس سے ملیں یہ ہے میرا بہت ہی عزیز دوست ولید رحمان... ایک ایسا دوست جس کی کمینگی کے باوجود مجھے اس سے دوستی پہ فخر ہے... اور یہ ہے بھی فخر کرنے کے قابل..."

تیمور نے کہتے ہوئے ولید کے کندھے کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا' جس پہ ولید بے ساختہ مسکرایا تھا۔

"السلام علیکم... !" اس نے اشتیاق یزدانی سے مصافحہ کیا۔

"وعلیکم السلام !جیتے رہو بیٹا... اللہ تم لوگوں کی یہ دوستی اور یہ فخر ہمیشہ سلامت رکھے۔"

اشتیاق یزدانی نے انہیں دعا دی۔

"آمین... !اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔"

اب کی بار ولید نے جواب دیا تھا اور تیمور مسکرا دیا تھا۔

"آؤ بیٹا !اندر آجاؤ..." وہ کہہ کر اندر کی طرف بڑھے۔

ان دونوں نے بھی ان کے پیچھے ہی قدم آگے بڑھا دیے۔

ڈرائنگ روم کے قریب آ کر ان تینوں کے ہی قدم رک گئے تھے کیونکہ اندر سے ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ لڑکیوں کے سریلے گانوں کی آوازیں بھی شروع ہو گئی تھی...

اے دن ملیا دعاواں نال
آؤ سارے نچیے چاواں نال
آج دن خوشیاں والا چڑھیا
کہ ویڑا شگناں دے نال بھریا
نی رب نے ملایا سب نوں
اوہدا شکر کراں لکھ واری کہ
ویڑا اے دکھایا سب نوں

لڑکیوں اور عورتوں کے اس پنجابی گیت پہ اشتیاق یزدانی کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بھی مسکرا اٹھے۔

"تم لوگ لاؤنج کی طرف آجاؤ' میں آفاق کو بلواتا ہوں وہ بھی نیچے آجائے گا۔" اشتیاق یزدانی ڈرائنگ روم کے ساتھ بنے ٹی وی لاؤنج کی طرف مڑ گئے۔

"لاؤنج میں تم بیٹھو' میں تو ڈرائنگ روم میں ہی ایزی فیل کروں گا۔" ولید نے آہستگی سے پھلجھڑی چھوڑی۔

تیمور نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"تم جانتے ہو ناں کہ یہ میری پھپھو کا گھر ہے؟" تیمور نے اسے تنبیہہ کی۔

"یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری پھپھو کی کوئی بیٹی نہیں ہے۔" تیمور اس کے سکون سے کہنے پہ دانت کچکچا کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہ گیا۔ کیونکہ آفاق قریب آچکا تھا۔

اس کے سلام کا تیمور نے بھی بڑی گرم جوشی سے جواب دیا تھا۔

پھر وہ ولید کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے بھی ہاتھ ملایا۔

"مبارک ہو۔۔۔! سنا ہے آپ کی شادی ہو رہی ہے۔" ولید نے آفاق کو چھیڑا۔ آفاق اس کی بات پہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔ وہ بھی اس کی شرارت سمجھ چکا تھا۔

دراصل میں یہاں اس خبر کی تصدیق کرنے کے لیے ہی آیا ہوں۔"

"ارے واہ تو پھر اندر آئیے۔۔۔ آپ کو ذرا تفصیل سے خبر بھی دیتے ہیں اور فوٹو بھی بنواتے ہیں۔" آفاق نے بھی ٹی وی لاؤنج کی طرف ہی اشارہ کیا۔ مجبوراً" ولید کو وہیں قدم بڑھانے پڑے۔

"مسٹر آفاق یزدانی! میں نے ایک اور خبر بھی سنی ہے۔" ولید نے تجسس پھیلانے والے انداز میں کہا۔

"وہ کیا۔۔۔؟" وہ صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اشتیاق یزدانی کے ساتھ والے صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

"سنا ہے۔۔۔! آج کل پیار محبت اور شادی بیاہ کا سیزن چل رہا ہے؟ موڈ خاصے رومانٹک اور طبیعت کافی بے قرار سی پائی جا رہی ہے۔"

تیمور اس کے اس شگوفے پر اچھل پڑا۔

"شادی بیاہ تو چلو مان لیتا ہوں۔ لیکن یہ پیار محبت کا سلسلہ کچھ سمجھ نہیں آیا؟" آفاق نے بھی کن اکھیوں سے تیمور کو ہی دیکھا تھا جو ولید کو گھور رہا تھا اور ولید اس کی طرف سے بالکل لاتعلق اور انجان بنا بیٹھا تھا۔

"آجائے گا سمجھ۔۔۔ جلدی آجائے گا بس کچھ انتظار کریں۔" اس نے آفاق کو اطمینان رکھنے کا اشارہ دیا تھا۔

"لیکن یار! کچھ اندازہ تو۔۔۔"

"ارے تیمور! تم کب آئے بیٹا! مجھے بتایا بھی نہیں؟" اچانک ثمینہ یزدانی کے آجانے کی وجہ سے آفاق کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا تھا اور تیمور مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔! میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آیا ہوں' آپ سنائیں سب خیریت ہے نا؟" وہ ان دونوں کی گفتگو چھوڑ کے ثمینہ یزدانی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہاں بیٹا۔۔۔! اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہی ہے۔ تم سے پوچھنا تھا کہ تم نے فیصل آباد میں بکنگ کروائی ہے اس کی طرف سے سب تسلی بھی کی ہے یا نہیں۔۔۔؟"

ثمینہ یزدانی وہاں کے انتظامات کے لیے فکر مند ہو رہی تھیں۔

"ارے پھپھو۔۔۔! آپ کو کہا تو ہے کہ آپ نے جو کام مجھے سونپے ہیں ان کی طرف سے ذرا بھی پریشان نہ ہوں' میں نے آج صبح ہی اپنے منیجر کو فیصل آباد بھیج دیا تھا اور ایک چکر حماد بھی لگا آیا ہے' ساری سیٹنگ کمپلیٹ ہے' بس آپ کل بارات لے کر روانہ ہونے کی تیاری کریں۔۔۔ میں نے جہاز کی ٹکٹیں بھی کنفرم کروالی ہیں۔" تیمور نے انہیں ایک بھرپور تسلی دی تھی۔

"آپ کو کیا پتا کہ آپ نے اپنے کام ایک کاروباری بندے کو سونپے ہیں' جو ہر کام وقت سے پہلے کرنے کا عادی ہے اور جس نے ہر کام کی پلاننگ بھی پہلے سے ہی کر کے رکھی ہوتی ہے۔" یہ لقمہ ولید نے دیا تھا۔ ثمینہ یزدانی ولید کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ارے۔۔۔! تم بھی ساتھ آئے ہو؟" ثمینہ یزدانی نے کافی خوشی کا اظہار کیا۔

"السلام علیکم۔۔۔!" ولید انہیں اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر فوراً" اپنی جگہ سے اٹھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! جیتے رہو بیٹا! خوش رہو اللہ عمر دراز کرے۔" انہوں نے ولید کے کندھے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی۔

"تھینک یو آنٹی۔۔۔! کوئی اور دعا بھی دے دیتیں تو کیا جاتا آپ کا۔۔۔؟" ولید نے آہستگی سے کہتے ہوئے جیسے

شکوہ کیا تھا اور ثمینہ یزدانی اس کی بات سن کر پہلے ٹھٹکیں' پھر بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"اچھا! کون سی دعا۔۔۔؟" انہوں نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"وہی جو آپ نے اپنے بیٹے کو دی ہے اور آج اس کے بھاگ جاگے ہیں۔"

"اوہ!" وہ سمجھ کر ہنس پڑیں۔

"اللہ جلدی سے تمہارے بھی نصیب جگا دے اور تمہارے سہرے کے بھی پھول کھلیں اور تمہاری امی بھی اپنے سارے ارمان پورے کریں۔"

انہوں نے ولید کے کندھے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے مزید دعائیں دیں۔ اور ان دعاؤں پہ ولید کے ساتھ ساتھ تیمور' آفاق اور اشتیاق یزدانی بھی ہنس پڑے تھے۔

"اسے کہتے ہیں دعا کروانا۔۔۔" ولید مخربہ انداز میں مسکرایا۔ اتنے میں ملازمہ ان کے لیے کولڈ ڈرنک لے آئی۔

"بابا کو کس لیے کال کی تھی آپ نے۔۔۔؟" تیمور جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے اشتیاق یزدانی اور ثمینہ یزدانی کی طرف متوجہ ہوا۔

"ارے ہاں۔۔۔! وہ دراصل کچھ کارڈز بھجوانے تھے ان کی طرف۔ ان کے کچھ دوستوں کو بھی انوائیٹ کیا ہے' مگر ایڈریس کا نہیں پتا اس لیے بھائی صاحب کو کہا کہ وہ یہ کارڈز خود ہی بھجوا دیں' تم جاتے ہوئے یہ کارڈز بھی ساتھ لے جانا۔"

ثمینہ نے سائیڈ والی ٹیبل پر رکھے چار پانچ انویٹیشن کارڈز اٹھا کر تیمور کی طرف بڑھا دیئے۔

"اوکے! لے جاؤں گا لیکن یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ آپ کو بابا کے دوستوں کو انوائیٹ کرنا یاد ہے اور میرے اکلوتے دوست کی خبر ہی نہیں ہے۔۔۔؟ یہ تو سراسر ناانصافی ہوئی نا۔۔۔ بھاگ دوڑ میں کروں اور انوائیٹ بابا کے دوستوں کو کیا جائے؟"

تیمور نے فوراً" شکوہ داغ دیا اور ولید اس کے شکوے پہ چونک گیا تھا کہ تیمور نے مجھے کہاں پھنسا دیا ہے؟

"یہ صرف تمہارا دوست نہیں ہے یہ ہمارا بھی دوست ہے اور دوستوں کو کوئی بھولتا نہیں ہے' اگر دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ لو۔۔۔ ساجدہ' ساجدہ! ادھر اندر آؤ۔"

آفاق نے تیمور سے کہتے ہوئے اپنے گھر کی ملازمہ کو آواز دی۔

"جی صاحب؟"

"اوپر میرے بیڈ روم میں جاؤ اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا کارڈ اٹھا کر لاؤ۔۔۔ جلدی شاباش۔" آفاق نے اشارہ کیا۔ ساجدہ فوراً" واپس پلٹ گئی اور ٹھیک تین منٹ بعد وہ سرخ رنگ کا ایک انویٹیشن کارڈ اٹھا کر نیچے لے آئی۔

ساجدہ سے کارڈ لے کر آفاق نے ولید کی طرف بڑھا دیا۔

ولید کارڈ پہ لکھا اپنا نام پڑھ کر ہی حیران رہ گیا کہ آفاق نے اپنی خوشی کے موقعے پہ اسے بھی یاد رکھا۔

"جی ہاں! آپ کے لیے ہی ہے' مجھے بہت اچھی طرح یاد تھا کہ آپ کو بھی انوائیٹ کرنا ہے۔ اسی لیے یہ کارڈ اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا ہوا تھا اور سوچا تھا کہ صبح آپ کے گھر یا دفتر جا کر دوں گا لیکن اتفاق دیکھیں کہ آپ خود ہی یہاں آگئے ہیں۔"

آفاق نے مسکراتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھا جو اس دلچسپ اتفاق پر مسکرا رہا تھا۔

"اب بولو۔۔۔! تمہارے دوست کا خیال ہے یا نہیں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے چھیڑا۔

"مان گئے یار۔۔۔ مان گئے! تھینک یو سو مچ! یہ تم نے میرے دوست کو نہیں' بلکہ یوں سمجھو کہ مجھے یاد رکھا ہے۔" تیمور نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی اپنائیت اور خلوص کا اعتراف بھی کیا اور اس کا شکریہ بھی ادا کیا۔

"ارے۔۔۔! تھینکس تو میں کہوں گا۔ اگر ولید صاحب میری شادی میں شرکت کریں گے اور میری بارات کے ساتھ فیصل آباد چلیں گے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آفاق نے بارات کے ساتھ چلنے کا کہہ کر ولید کو بوکھلانے پہ مجبور کر دیا تھا۔
"بارات کے ساتھ.....؟"
"جی بارات کے ساتھ.....ورنہ یہاں فنکشن تو کوئی بھی اٹینڈ کر سکتا ہے۔"
"سوچ کرتاؤں گا۔ اگر کام کی طرف سے کچھ اسپیس مل گئی تو ضرور چلوں گا۔" ایک دم سے انکار کر دینا اسے مناسب نہیں لگا تھا۔
"وعدہ.....؟" آفاق نے اسے پکا کرنا چاہا۔
"اوکے.....وعدہ....." اب ولید کے پاس کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔
اتنے میں اس کے موبائل کی رنگ بجنے لگی۔ وہ اسکرین پہ نمبر دیکھ کر فوراً وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"ایکسکیوزمی....." وہ کہہ کر لاؤنج سے نکل آیا تھا۔
"ہیلو....." ولید فون کی دوسری طرف موجود کسی سے کہتا کاریڈور کی طرف آنکلا لیکن ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے قدم ٹھٹک گئے اور نظریں بھی ٹھٹک گئی تھیں۔

شاوا شاوا او بلے بلے

عزت، ساشا اور اس کی چھوٹی بہن علیشہ تینوں اس پنجابی گیت پہ ہنسی، قہقہے لگاتی بھنگڑا ڈال رہی تھیں اور ولید ان تینوں میں سے صرف ایک کو دیکھتا رہ گیا اور اسی لمحے عزت نے بھی اسے دیکھ لیا۔ ولید پہ نظر پڑتے ہی وہ یکدم ٹھہر گئی جبکہ ولید نظروں کا تصادم ہوتے ہی شرمندہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا سوچے گی کہ وہ یوں چوری چھپے اسے دیکھ رہا تھا۔
"عزت! رکو نا.....! کہاں جا رہی ہو.....؟" ساشا نے اسے ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کی سمت بڑھتے دیکھ کر روکا۔
"آ رہی ہوں.....!" وہ کہہ کر باہر نکل آئی تھی اور ولید چاہ کر بھی وہاں سے ہٹ نہیں سکا کیونکہ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ سامنے سے ہٹ جاتا تو یہ بھی مناسب نہیں تھا۔
"ہیلو.....!" عزت نے اسے سر تا پا دیکھتے ہوئے ذرا متبسم سے لہجے میں ہیلو کہا۔
"کیسی ہیں آپ؟" ولید کو بھی تو کچھ کہنا ہی تھا۔
"میں کیسی ہوں؟ یہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔" وہ اس کے سوال پہ ہنسی اور ولید تھوڑا سا خجل ہو گیا۔
"ایم سوری! میں دراصل ایک فون کال سننے کے لیے لاؤنج سے باہر آیا تھا کہ یونہی گزرتے ہوئے....." ولید نے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"کہ یونہی گزرتے ہوئے مجھ پہ نظر پڑ گئی اور آپ رک گئے..... ہے نا؟" وہ جان بوجھ کر اسے ستانے والے اور اسے چھیڑنے والے سوال کر رہی تھی۔
"آپ کا یہ رکنا مجھے اچھا لگا۔"
وہ بڑے سرشار سے انداز میں بولی تھی اور ولید کچھ کہنے کے لیے الفاظ ہی تلاش کرتا رہ گیا۔ اتنے میں تیمور اور آفاق بھی اٹھ کر لاؤنج سے باہر آ گئے۔
"السلام علیکم.....!" عزت نے تیمور اور آفاق دونوں کو ہی سلام کیا۔
"وعلیکم السلام.....! تم کب آئی ہو؟" آفاق نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔
"میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی ہوں۔ بھائی! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" عزت آفاق کو جواب دے کر تیمور کی طرف متوجہ ہوئی۔
"میں گھر ہی جا رہا ہوں راستے میں ولید کو ڈراپ کرنا ہے بس۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔
"اوکے! جائیں آپ لوگ۔ ہم تو ذرا لیٹ ہی آئیں گے۔" عزت سر ہلاتے ہوئے ذرا پیچھے ہٹی لیکن آفاق کی بات پہ اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔

"ٹھیک ہے ولید صاحب! میں بارات میں آپ کا انتظار کروں گا۔" آفاق ولید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور عزت اس کا بارات میں آنے کا سن کر سر سے پاؤں تک جھوم اٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج انیس تاریخ تھی۔ آج فارہ اور آفاق کی مشترکہ مایوں اور مہندی کی رسم تھی۔
ماورا نے اپنی تیاری سرِ شام ہی شروع کر دی تھی۔
ماورا تیار ہو کر اپنے بالوں میں ہیئر برش پھیر ہی رہی تھی کہ فارہ کا میسج بھی آ گیا۔
"ماورا کہاں ہو..... کب پہنچ رہی ہو؟ وہ لوگ بھی فیصل آباد پہنچ چکے ہیں۔"
"بس پانچ منٹ اور..... میں گھر سے نکل ہی رہی ہوں۔" اس نے میسج لکھا اور بھیج دیا۔ اور ساتھ ہی جلدی جلدی اپنے بالوں کو سیٹ کر کے دوپٹا اوڑھتے ساری چیزیں سمیٹ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔
"ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ..... اللہ نظرِ بد سے بچائے..... بہت پیاری لگ رہی ہے میری بچی۔" بی گل اسے دیکھ کر کھل اٹھی تھیں اور عافیہ بیگم اسے دیکھ کر نظر چرا گئی تھیں۔
"تھینک یو گل! اوکے امی! میں چلتی ہوں۔ فارہ بار بار میسج کر رہی ہے۔ اس نے ابھی تیار بھی ہونا ہے، اس لیے مجھے ذرا جلدی پہنچنا ہو گا۔ اس کا ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔"
ماورا بی گل کا شکریہ ادا کرتی عافیہ بیگم کی طرف بڑھی۔ وہ دل پہ پتھر رکھ کے سر ہلا کے رہ گئیں۔
"ٹھیک ہے جاؤ تم.....! لیکن ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا، ہمیں پریشانی ہوتی رہے گی۔" وہ اپنے وہم اور خدشات کے ہاتھوں مجبور اسے تاکید کرنے سے رہ نہ سکیں۔
"ان شاء اللہ میں جلدی آ جاؤں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تسلی دی اور خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
"دیکھو میرا بچہ.....! دھیان رکھنا، وہاں رضا حیدر بھی ہو گا، میرا دل ہول رہا ہے۔" بی گل اس کے پیچھے دروازے تک آئی تھیں۔
"میں بھی تو اسی لیے جا رہی ہوں بی گل! کہ وہاں رضا حیدر بھی ہو گا..... اب آپ کا دل ہولنا نہیں چاہیے۔ دل مضبوط رکھیں۔ جیسے پہلے رکھا تھا۔ ان شاء اللہ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔"
وہ آہستگی سے بی گل سے کہتی دہلیز عبور کر گئی اور بی گل دروازے کے قریب کھڑی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"ماورا! یہ..... یہ تم ہو؟ یا میرا کوئی خواب.....؟"
جیسے ہی ماورا نے فارہ کے بیڈ روم میں قدم رکھا فارہ اسے دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھی۔
"کیوں..... ؟ کیا ہو گیا ہے تجھے.....؟" ماورا کو حیرت ہوئی۔
"تمہیں کچھ نہیں ہوا مگر آج مجھے ضرور کچھ ہو جائے گا۔" فارہ غش کھانے کو تھی۔
"کیا ہو جائے گا؟" ماورا جان بوجھ کر پوچھ رہی تھی۔
"ہارٹ اٹیک....."
"بدشگونی کی باتیں مت کرو۔ اتنا مبارک موقع ہے۔" ماورا نے اسے ڈانٹا۔
"یار! حسن دل پر ہی تو وار کرتا ہے۔"
"افوہ! فضول باتیں نہ کرو، جلدی اٹھو۔" ماورا اس کی چیزیں نکالنے لگی اور بیوٹیشن نے فارہ کو تیار کرنا شروع کر دیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

ماورا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی، آفاق سے حد درجہ خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوجاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہوپاتی۔ عزت، تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی مایوں میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہوجاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کردیتی ہے۔ ماورا ہی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

فارہ اور آفاق کی شادی کی تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں۔ رضا حیدر کے بہت پرانے دوست قیام مرزا بہت عرصے بعد ان سے رابطہ کرتے ہیں۔ پارلر میں ٹریٹمنٹ کے دوران ایک باتونی لڑکی باتوں باتوں میں آفاق کے بھائی انیق یزدانی سے شناسائی ظاہر کرتی ہے۔ فارہ کو چونکتے دیکھ کر وہ لڑکی پھر کترانے لگتی ہے۔

— ۹ —
نویں قسط

"آج میں جتنے بھی سنگھار کرلوں لیکن تم سے زیادہ خوب صورت نہیں لگ سکتی۔"

فارہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے آئینے میں اپنا گولڈن شیڈ کا آئی میک اپ دیکھتے ہوئے منہ بسور کر کہا اور اس کے ہاتھوں اور بالوں کے لیے پھولوں کے گجرے سیٹ کرکے رکھتی ماورا چونک کر اسے گھورنے لگی۔

"اف۔۔۔ کیا مصیبت ہے یار! اب تمہیں کیا غم کھائے جارہا ہے؟ تم شہر کی دلہن اور میں بے چاری دلہن کی سہیلی۔۔۔ میرا اور تمہارا کیا مقابلہ۔۔۔؟" ماورا جھنجلا گئی۔

"میرا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں ہے مگر تمہیں کس نے کہا تھا کہ اتنی خوب صورت لگو؟" فارہ کی خفگی پہ بیوٹیشن بے ساختہ ہنس پڑی۔

"مس فارہ! کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے۔ تھوڑا سا برداشت کریں۔" بیوٹیشن نے ہنس کر کہا۔ لیکن فارہ کی خفگی کم نہیں ہوئی تھی۔

"کیسے برداشت کروں؟ یہ کبھی اس طرح تیار ہی نہیں ہوئی۔ کبھی بجی سنوری ہی نہیں اور آج جب بجی سنوری ہے تو اگلی پچھلی کسر پوری کردی ہے۔ میری اپنی نظر نہیں ہٹ رہی تو باقی لوگوں کی کیسے ہٹے گی۔" فارہ چڑ کر بولی۔

ماورا پھولوں کے گجرے بیڈ پہ رکھ کر مسکراتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔

"لوگوں کی نظر تم سے ہٹے گی تو میری طرف اٹھے گی۔ تمہاری موجودگی میں مجھے کوئی دیکھے گا ہی نہیں۔ ویسے ایک حل ہے۔"

"کیا؟" فارہ لٹھ مار قسم کے انداز میں بولی۔

"میں اپنے بال کیچر میں باندھ لیتی ہوں، جیولری اتار دیتی ہوں اور واش روم میں جاکر منہ ہاتھ دھو آتی ہوں۔ تمہاری ٹینشن ختم۔ کیا خیال ہے تمہارا۔ کرلوں ایسا۔" ماورا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

فارہ اسے ہنوز گھورتی ہوئی بیوٹیشن کے سامنے سیدھی ہوکے بیٹھ گئی تھی۔

"اب اتنی بھی اچھی نہیں لگ رہی ہو، دراصل میں نے تمہیں پہلی بار اس روپ اور اسٹائل میں دیکھا ہے۔"

"اور میں بھی تمہیں اس روپ میں پہلی بار ہی دیکھوں گی۔"

ماورا نے کہتے ہوئے بیوٹیشن کو ذرا جلدی ہاتھ چلانے کا اشارہ کیا۔

☆ ☆ ☆

اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ لوگ حماد کی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ میرج ہال پہنچی تھیں۔ جہاں سب لوگوں نے ان کا استقبال موبی کیمرا اور ڈیجیٹل کیمرا کی فلیش لائٹس اور پھولوں کے ساتھ کیا تھا اور ان ہی لوگوں میں ایک تیمور حیدر بھی تھا جو ماورا مرتضیٰ کے لیے اپنا دل فرش راہ کیے بیٹھا تھا اور آفاق یزدانی سے بھی زیادہ بے چین تھا کہ فارہ کب آئے گی اور وہ ماورا کو کب دیکھ سکے گا۔ اور جیسے ہی وہ فارہ کے ساتھ گاڑی سے اتری، تیمور حیدر کا دل ایک ہی جست میں ماورا مرتضیٰ کے لیے "ریڈ کارپٹ" کی طرح بچھ گیا تھا اور وہ سج سج قدم اٹھاتی اس کی جان تک آگئی تھی۔

زنک اور بلو کلر کمبی نیشن کی لمبی شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس ماورا مرتضیٰ کیمرے کی تیز لائٹس میں اور زیادہ دمک رہی تھی۔ اس کے سیاہ سلکی بال اور زنک کلر کے آویزے کئی لوگوں کو متوجہ ہونے پہ مجبور کرگئے تھے لیکن تیمور حیدر کی دھڑکنیں اس کی دودھیا کلائیوں میں پہنے پھولوں کے گجروں میں الجھ الجھ گئی تھیں۔ اور نظریں تھیں کہ ہٹائے نہیں ہٹ رہی تھیں، جبکہ ماورا سب کی نظروں سے بے نیاز بڑے اعتماد سے چلتی فارہ کو سہارا دیے اسٹیج کی طرف بڑھ گئی، جہاں آفاق یزدانی وائٹ شلوار کرتا میں ملبوس گلے میں سرخ رنگ کا پٹکا ڈالے پہلے سے فارہ کا منتظر کھڑا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔۔!" آفاق نے ہی سلام میں پہل کی تھی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! شگناں دی رات مبارک۔۔۔" ماورا نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے مبارک باد بھی دے ڈالی تھی اور فارہ اس مبارک باد کو سن کر سر جھکا گئی۔

"خیر مبارک مس ماورا! کیسی ہیں آپ؟" آفاق کی ملاقات پہلی بار ہوئی تھی لیکن پھر بھی پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا۔

"اوہ۔۔۔ یعنی غائبانہ تعارف ادھر بھی ہے؟" ماورا کو دلچسپ حیرت کا سامنا ہوا تھا۔

"ایک تعارف نہ دیکھیے۔۔۔ بلکہ یہ دیکھیے کہ ہم دونوں ایک ہی دل کے مکین ہیں اور ایک ہی انسان کے چاہے گئے لوگ ہیں۔۔۔ ہم ہی ایک دوسرے کو نہیں پہچانیں گے تو اور کون پہچانے گا۔۔۔؟"

آفاق کافی خوشگواری سے بولا۔ ماورا نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھا۔

"بات تو بہت عمدہ کی ہے آپ نے۔۔۔ غور کرنا پڑے گا۔" ماورا مسکرائی۔

"ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔ لیکن ذرا بیٹھ کر اور ذرا اطمینان کے ساتھ۔" آفاق نے اسے صوفے پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"نو تھینکس۔۔۔! ہم اس وقت کسی ڈنر یا کسی دعوت پہ نہیں آئے کہ اطمینان سے بیٹھ کر کسی بات یا کسی مسئلے پر غور کریں۔۔۔ بلکہ ہم لوگ اس وقت آپ کی شادی کے فنکشن میں موجود ہیں، اس لیے اب اس مسئلے پہ غور ہوسکتا ہے کہ آپ کو تیل کیسے لگائیں اور مہندی کیسے لگائی جائے۔ سو پلیز میں چلتی ہوں اور آپ دونوں تشریف رکھیں یہ وقت آپ دونوں کے غور و فکر کرنے کا وقت ہے۔"

ماورا نے کہتے ہوئے فارہ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر۔۔۔ صوفے پہ بٹھا دیا اور آفاق کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔" آفاق مسکرایا۔

"یو ویلکم۔۔۔" جواباً وہ بھی مسکراتی ہوئی اسٹیج سے اتر گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کا رخ اسٹیج کی بائیں طرف تھا جن میں سے وہ ایک میز کا انتخاب کرتے ہوئے بڑے پُرسکون انداز میں چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

اتنے میں ہی لان کے سامنے والے حصے میں فارہ کے بہن بھائیوں کا اور سب کزنز کا ڈانس اور شادی کے حوالے سے بھنگڑا ٹائپ میوزک بھی شروع ہو گیا تھا' دیکھتے ہوئے ماورا بھی سب کی طرح آہستہ آہستہ تالیاں بجانے لگی تھی۔

اور یونہی تالیاں بجاتے ہوئے اس کی نظر اپنے دائیں بائیں اٹھی تو وہ تیمور حیدر کو اپنی سمت دیکھتے پا کر اندر سے کھول اٹھی تھی لیکن پھر بھی اپنے چہرے سے کچھ بھی ظاہر کیے بغیر اس نے بہت ہی غیر محسوس انداز میں اپنی نظروں کا زاویہ بدل دیا اور دوبارہ سے باقی سب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ارے ماورا بیٹا! یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔ تم بھی آؤ ناں۔۔۔ باقی سب کی طرح انجوائے کرو۔۔۔" فارہ کی والدہ منزہ رحیم ماورا کو یوں سب سے الگ تھلگ اور اکیلے بیٹھے دیکھ کر فوراً" قریب آئیں۔

"اوہ ایم سوری آنٹی! میں اس ہلے گلے کی عادی نہیں ہوں' میں یہاں اکیلی بیٹھ کر بھی انجوائے کر رہی ہوں۔ ڈونٹ وری۔۔۔ آپ میری طرف سے ریلیکس رہیں پلیز۔"

ماورا منزہ رحیم کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے بیٹا! فارہ نے صبح ہی مجھے کہہ دیا تھا کہ میں پوری شادی میں کسی اور کا خیال رکھوں یا نہ رکھوں' لیکن ماورا کا خیال ضرور رکھوں' کیونکہ تمہاری یہاں کسی سے بھی جان پہچان جو نہیں ہے' اس لیے میں سب کو چھوڑ کر صرف تمہارے پاس آئی ہوں۔" منزہ رحیم مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں۔

"نہیں آنٹی! آپ پلیز پریشان نہ ہوں میں ایزی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ وہ مطمئن ہو کر پلٹ گئیں۔

ماورا مسکراتے ہوئے پلٹی تھی کہ قریب آتے تیمور کے کندھے سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"اوہ سوری۔۔۔!" تیمور اس کے ذرا سے ٹکرانے پہ ہی اندر سے سٹپٹا گیا۔

"اٹس اوکے۔۔۔!" ماورا اتنے سے تصادم پہ عام لڑکیوں کی طرح بپھرنے والی نہیں تھی۔

"ہیلو۔۔۔! کیسی ہیں آپ۔۔۔؟" تیمور تو بات کرنے کا بہانہ چاہ رہا تھا۔

"فائن۔۔۔!" وہ اپنے سنجیدہ موڈ میں آ چکی تھی۔

"کتنی فائن۔۔۔؟" تیمور مسکرایا۔

"جتنی پہلی ملاقات میں تھی۔" اس کا انداز لاپروا تھا۔

"لیکن مجھے تو پہلی ملاقات سے زیادہ فائن لگ رہی ہیں۔" تیمور نے اسے نرم نگاہوں سے جانچا۔

"صرف پہناوے کی وجہ سے۔۔۔ ہے نا؟" ماورا نے اپنے ڈریس کو ایک نظر دیکھا اور استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"پہناوا بھی تو انسان کی ذات کا ترجمان ہوتا ہے' اس کے موڈ کی عکاسی کرتا ہے۔۔۔ اور آپ کا پہناوا تو اس وقت یہی کہہ رہا ہے کہ آپ بہت خوش ہیں اور بہت اچھے موڈ میں ہیں' اس لیے۔۔۔" تیمور نے کہتے کہتے بات درمیان میں ہی ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"اس لیے۔۔۔؟" ماورا نے تیمور حیدر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس لیے کوئی بھی اچھی بات کی جا سکتی ہے۔" تیمور نے اپنا ادھورا جملہ مکمل کیا تھا۔

"ہوں۔۔۔! کر سکتے ہیں۔۔۔ لیکن ایک لمٹ (حد) کے اندر۔۔۔ کیونکہ لمٹ کراس کرنے والے لوگ مجھے سخت

ناپسند ہیں۔" ماورا نے دو سیکنڈ سوچنے کے بعد اسے اجازت دے دی تھی مگر ساتھ ہی اسے یہ بھی جتا دیا تھا کہ وہ اپنی "حد" میں رہے۔

"یعنی آپ کو لمٹ میں رہ کر بات کرنے والے لوگ پسند ہیں؟" تیمور نے اگلی کڑی ملائی۔

"کہہ سکتے ہیں۔۔۔" ماورا کی لاپروائی ہنوز تھی۔

"اوکے۔۔۔! اب تو میں پوری کوشش کروں گا کہ لمٹ میں رہ کر ہی بات کروں۔"

تیمور بے ساختگی میں کہہ گیا تھا لیکن ماورا نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے ذرا ٹھٹک کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

اور اس بار وہ اس کے سامنے نظروں کا زاویہ بدل گیا تھا۔

"کافی اچھے لگ رہے ہیں آپ۔۔۔!" ماورا نے اسے سر تا پا دیکھتے ہوئے وہ کہہ دیا تھا' جو تیمور کبھی بھولے سے بھی اس سے امید نہیں کر سکتا تھا اسی لیے اس نے یکدم رخ موڑ کر ماورا کی طرف دیکھا تھا مگر خاصی بے یقین نظروں سے۔۔۔!

"سوری۔۔۔! میں نے سنا نہیں کیا کہا آپ نے؟" اس نے دوبارہ سننا چاہا تھا۔

"کہا تو کچھ نہیں۔۔۔ آپ کی تعریف کی ہے بس۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"اور میں اس تعریف کو کیا سمجھوں۔۔۔؟" تیمور کی نظریں ماورا کے چہرے کی سمت اٹھتے ہوئے بھی سو بار لرزتی تھیں' کانپتی تھیں' احتیاط کرتی تھیں۔

"تعریف اور کیا؟" ماورا نے اسے خوش بھی کیا تھا اور اسے خوش ہونے بھی نہیں دیا تھا۔

"محض تعریف یا کچھ اور بھی؟" تیمور جان بوجھ کر اور ہی چکروں میں پڑنا چاہ رہا تھا۔

"میں نے کہا ناں مسٹر تیمور حیدر۔۔۔! لمٹ کراس کرنے والے لوگ مجھے سخت ناپسند ہیں۔"

ماورا نے اسے فوراً" ہی کچھ دیر پہلے والی بات یاد دلا دی تھی لیکن تیمور بے چارا کیا کرتا۔۔۔؟

کتنی پابندیاں لگاتا خود پہ۔۔۔ اور کتنے صبر سے کام لیتا۔

"لیکن آپ یہ نہیں جانتیں مس ماورا مرتضیٰ! کہ دل حد میں نہیں رہتے۔۔۔ اور نہ ہی رہنے دیتے ہیں۔۔۔" تیمور نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"اپنی بات کا مطلب واضح کریں گے پلیز۔۔۔؟" ماورا کا لہجہ تیکھا ہوا۔

"کروں گا۔۔۔ ضرور کروں گا۔۔۔ مگر کبھی فرصت میں۔ ابھی وقت مناسب نہیں۔"

تیمور نے نفی میں گردن ہلائی تھی اور ماورا لب بھینچ کر رہ گئی۔

"آپ جانتے ہیں' وقت کبھی بھی مناسب نہیں ہوتا۔۔۔ اسے اپنے لیے خود مناسب کرنا پڑتا ہے۔۔۔ اور میں ان ہی لوگوں میں سے ہوں جو وقت کو اپنے لیے خود مناسب کرتے ہیں اور وقت بھی ان ہی کے حق میں ہونے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔"

"ویل ڈن بیٹا جی۔۔۔ ویل ڈن! ایسے خیالات بس کوئی کوئی ہی رکھتا ہے اور جو رکھتا ہے' وہی مقدر کا سکندر بھی کہلاتا ہے۔" رضا حیدر قریب آتے ہوئے ماورا کی بات سن چکے تھے' اس لیے انہوں نے بڑے بھرپور طریقے سے اس کو سراہا تھا اور اس کے سامنے تیمور کے برابر ہی آ کھڑے ہوئے تھے۔

اور ماورا ذرا سی الجھی ہوئی نظروں سے دیکھنے کے بعد فوراً" ہی ان کی شناخت بھی کر بیٹھی تھی۔

"اور رضا حیدر بھی۔۔۔" اس نے بے حد آہستگی سے لبوں کو جنبش دی تھی اور وہ چونک گیا تھا جبکہ رضا حیدر

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مسکرا رہے تھے۔

"ارے! آپ جانتی ہیں ابا کو؟" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"ان کو کون نہیں جانتا؟ ملک کے مشہور ترین بزنس مین ہیں آخر۔۔۔؟" ماورا خود ہی بات کو سنبھال گئی تھی اور کسی کو احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

"ہوں۔۔۔! یہ بات تو ہے۔۔۔ بزنس مین تو یہ کمال کے ہیں۔" تیمور نے خاصے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

"کافی اچھی طرح جانتی ہوں' شاید اسی لیے تو میرے آئیڈیل بھی ہیں۔" ماورا ابھی بہت ناپ تول کر بول رہی تھی۔

"تھینک یو بیٹا! لیکن آپ کا تعارف حاصل نہیں ہوا ابھی تک اور میں آپ کو پہچاننے کی کوشش میں ہوں' کیونکہ مجھے یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھ رکھا ہے؟"

رضا حیدر سچ مچ ماورا کو پہلی نظر دیکھ کر ہی سوچ میں پڑ گئے تھے کہ اسے پہلے کہاں دیکھا ہے؟ اور وہ ہے کون۔۔۔ اور تیمور ان کی اس کشمکش پہ مسکرا دیا۔

"تھوڑا سا سوچیں تو آپ فوراً" پہچان جائیں گے۔"

تیمور نے انہیں اپنی طرف سے ایک اشارہ دینے کی کوشش کی تھی' لیکن یہ پہچان بہت پیچیدہ تھی۔۔۔

"نہیں۔۔۔ یہ مجھے کبھی نہیں پہچانیں گے' کیونکہ یہ مجھے پہلی بار دیکھ رہے ہیں' البتہ یہ بات اور ہے کہ میں انہیں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔"

"ارے چھوڑو بیٹا! کیوں الجھا رہے ہو؟ جلدی سے تعارف کرواؤ' ورنہ کوئی اور آ ٹکرائے گا۔" رضا حیدر نے خفگی سے تیمور کو متوجہ کیا تھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

"اوکے۔۔۔! تو ان سے ملیے' یہ ہیں فارہ کی بیسٹ فرینڈ مس ماورا مرتضیٰ۔۔۔ وہ ماورا مرتضیٰ جن کا میں نے چند روز پہلے آپ سے ذکر بھی کیا تھا۔"

تیمور نے تو بڑی خوشی خوشی تعارف کروایا تھا مگر رضا حیدر کی سماعتوں میں تو جیسے کسی نے کوئی پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا تھا اور ان کے کانوں سے دھواں نکل گیا تھا۔

"ماورا مرتضیٰ۔۔۔؟" انہوں نے زیر لب دہرایا۔

"جی' ماورا مرتضیٰ! میں نے کہا تھا ناں آپ سے کہ آپ فیصل آباد گئے تو آپ سے ملواؤں گا۔۔۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ وہی ماورا مرتضیٰ ہیں جن سے میں آپ کو ملوانا چاہ رہا تھا۔"

تیمور نے تعارف کروانے کے ساتھ ساتھ انہیں حوالہ بھی دیا تھا تاکہ وہ سمجھ جائیں کہ یہ وہی لڑکی ہے' جس کو وہ پسند کرتا ہے۔

مگر وہ اس کی بات پہ غور کیا کرتے' ان کے تو اپنے ہی حواس اڑے ہوئے تھے۔

"بابا! کس سوچ میں پڑ گئے ہیں آپ؟ خیریت؟" تیمور نے ان کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر بے ساختہ انہیں متوجہ کیا۔

"نہیں۔۔۔ کچھ نہیں بیٹا! میں تو بس اسی سوچ میں ہوں کہ انہیں پہلے کہاں دیکھا ہے؟"

رضا حیدر بمشکل بات بدلتے ہوئے اپنے اڑے بکھرے سے تاثرات کنٹرول کر پائے تھے۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ نے مجھے پہلے کہیں بھی نہ دیکھا ہو' لیکن آپ کو میری شکل کسی سے ملتی جلتی لگ رہی ہو۔" کہ ماورا رضا حیدر کو خود ہی وہ سارے نقطے سمجھا رہی تھی' جو رضا حیدر کے ذہن سے بھی نہیں گزرے تھے اور

رضا حیدر نے ایک بار پھر چونک کر ماورا کی سمت دیکھا تھا۔

"میں سمجھا نہیں بیٹا! کیا مطلب ہے آپ کا؟" رضا حیدر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"حالانکہ سمجھ دار تو بہت ہیں آپ۔" ماورا کا انداز کچھ عجیب سا ہو رہا تھا لیکن اس نے فوراً ہی خود کو کنٹرول کر لیا تھا۔

"لیکن کبھی کبھی سمجھ داری بھی الجھن میں پڑ جاتی ہے۔ ذہن بھی ساتھ دینے سے انکار کر دیتا ہے اور شاید میرے ساتھ بھی اس وقت یہی کچھ ہو رہا ہے؟"

رضا حیدر نے سر جھٹکتے ہوئے اپنے ذہن پہ سوار الجھن کو بھی جھٹکنے کی کوشش کی تھی مگر یہ الجھن اتنی چھوٹی یا اتنی بے ضرر بھی نہیں تھی کہ وہ یوں اتنی آسانی سے جھٹک کر ذہن کو آزاد کر لیتے۔۔۔

"اِنی وے۔۔۔ آپ اس مسئلے کو چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ آپ آج کل کیا کر رہے ہیں؟ آپ کا بزنس کیسا جا رہا ہے؟" ماورا نے تیمور کو چھوڑ کر رضا حیدر میں دلچسپی ظاہر کی تھی اور تیمور اس کے اس انداز پہ بے ساختہ اتنی ہی دلچسپی سے مسکرا دیا۔

"میرا خیال ہے۔ آپ لوگ باتیں کریں اب مجھے یہاں سے چلنا چاہیے؟" تیمور نے ان دونوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا لیکن ذرا خفگی سے۔

"خیال تو اچھا ہے۔۔۔ لیکن آپ اس پہ عمل بھی کریں تو۔۔۔" ماورا نے کندھے اچکائے تھے اور تیمور اس کی طرف سے ایسی لاپروائی اور بے نیازی پا کر اندر سے تو جیسے تڑپ گیا تھا کہ وہ محض اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ترس رہا تھا اور وہ تھی کہ اسے وہاں سے ہٹانے کے درپے تھی۔

"رئیلی۔۔۔! چلا جاؤں یہاں سے؟" اس نے دہرا کے اور اپنی بات پہ زور دے کر پوچھا۔

"ارے نہیں بیٹا! تم کیوں جاؤ گے یہاں سے' تم یہیں رہو۔۔۔ باتیں کرو۔۔۔ مجھے اپنے دوست قیام سے بھی ملنا ہے۔ وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ پہنچ ہی چکا ہو گا۔"

رضا حیدر' تیمور کا کندھا تھپکتے ہوئے ماورا کو ایک بار پھر سر تا پا الجھی ہوئی اور کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر رہ گئے تھے کیونکہ کوئی بھی سلجھی ہوئی ڈوری ہاتھ نہیں آئی تھی۔

"لیکن سر۔۔۔! آپ اتنی جلدی جا رہے ہیں؟ مجھے تو آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

ماورا چاہ کر بھی رضا حیدر کو انکل نہیں کہہ سکی تھی' اسی لیے اس نے انہیں سر کہہ کر مخاطب کر لیا تھا۔

"ان شاء اللہ۔۔۔! کل ملاقات ہو گی' ابھی مجھے کسی اور سے بھی ملنا ہے۔" رضا حیدر نرمی سے کہتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئے تھے اور تیمور باپ کے وہاں سے جاتے ہی پرسکون ہونے کے لیے ایک گہری سانس کھینچ کے رہ گیا تھا۔

"ہوں! تو اب کیا خیال ہے آپ کا؟ چلا جاؤں؟ یا تھوڑی دیر کمپنی دیں گی ابھی؟" اس نے گلا کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"آپ کے بابا میں اور آپ میں بہت فرق ہے مسٹر تیمور حیدر! میں آپ کو نہیں آپ کے بابا کو کمپنی دے رہی تھی' اب وہ چلے گئے ہیں تو۔۔۔!" ماورا نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔۔۔

"تو کیا ہوا۔۔۔؟ میں بھی تو ان ہی کا بیٹا ہوں نا؟" تیمور نے فخر سے کہا۔

"جانتی ہوں۔۔۔ آپ ان ہی کے بیٹے ہیں۔۔۔ اسی لیے تو کمپنی نہیں دے رہی۔" ماورا بڑی سے بڑی بات بھی بڑے نڈر انداز میں کہہ جاتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اف مس ماورا! آپ تو سچ مچ الجھا کے رکھ دیتی ہیں۔" تیمور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔
"وہم ہو گیا ہے آپ لوگوں کو اور کچھ نہیں۔" ماورا نے گردن موڑ کر اسٹیج کی طرف دیکھا۔
"تو آپ ہمارا وہم دور کر دیں۔" اس نے آسان حل بتایا۔
"جو لوگ خود الجھ رہے ہوں انہیں میں کیا الجھاؤں کی بھلا۔۔۔؟" وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
"اوکے۔۔۔! ان الجھی الجھی باتوں سے نکلتے ہیں اور ایک سیدھی سی اور سلجھی سی بات کرتے ہیں۔" تیمور نے اپنے مطلب کی بات کی طرف آنا چاہا تھا۔
"کہئے۔۔۔؟ میں سن رہی ہوں۔" اس کا اطمینان اور اعتماد ایک سیکنڈ کے لیے بھی غائب نہیں ہوتا تھا اور سامنے والا ہچکچا کے رہ جاتا تھا۔
"میں آپ کے ساتھ کانٹیکٹ میں رہنا چاہتا ہوں۔" تیمور کے لیے اتنی سی بات کہنا بھی محال ہو رہا تھا کیونکہ اس نے آج تک کبھی کسی لڑکی کے ساتھ اس لحاظ سے بات نہیں کی تھی بس جس سے بھی گفتگو ہوتی تھی بزنس کے سلسلے میں ہی ہوتی تھی۔
اور ادھر ماورا تھی جو اس کے منہ سے کانٹیکٹ میں رہنے کی بات سن کر ضبط کا گھونٹ پی کر رہ گئی تھی اور اس کا دل چاہا تھا کہ وہ فوراً" سے بھی پیشتر اسے انکار کر دے۔۔۔ صاف انکار۔۔۔ مگر نجانے اسے کیا ہوا تھا کہ وہ اپنا انکار نوک زبان تک لا کر بھی رک گئی تھی۔
اور اپنا ہاتھ تیمور کے سامنے کر دیا جس کا مطلب وہ فوراً" ہی سمجھ گیا تھا اور اس نے ماورا کے پھولوں کے گجروں سے سجے ہاتھ پہ اپنا چمکتا دمکتا موبائل رکھ دیا تھا جس کے ڈائل پیڈ کو شوکرتے ہوئے ماورا نے اپنا نمبر ڈائل کیا اور موبائل دوبارہ اس کی طرف بڑھا دیا۔
"تھینک یو مس ماورا۔۔۔ تھینک یو ویری مچ۔۔۔" تیمور کو یوں لگ رہا تھا جیسے ماورا نے اسے اپنا نمبر نہیں دیا' بلکہ ہفت اقلیم کی دولت دے دی ہے۔
اور وہ کھڑے کھڑے امیر ترین ہو گیا تھا۔
"ہیو ویلکم۔۔۔!" ماورا آہستگی سے کہتی فارہ کی بہن حمنہ کی طرف بڑھ گئی تھی جو دو روز پہلے ہی فارہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے شارجہ سے آئی تھی۔
"او تھینک گاڈ۔۔۔! کچھ تو حاصل ہوا۔" تیمور نے شکر ادا کیا تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ اب جو بھی مسئلہ حل ہو گا' وہ اس فون کے ذریعے ہی حل ہو گا۔
"ارے ماورا۔۔۔! تم یہاں کھڑی ہو۔۔۔ ادھر فارہ تمہارا پوچھ رہی ہے' تیل اور مہندی کی رسم شروع ہو چکی ہے۔ اب تمہاری باری ہے اور وہ انتظار کر رہی ہے تمہارا!" حمنہ نے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"اوکے۔۔۔ چلیے!" ماورا نے قدم آگے بڑھا دیے۔
"ارے تیمور بھائی۔۔۔! آپ بھی آجائیے نا۔۔۔ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" حمنہ نے ماورا کے ساتھ آگے بڑھتے بڑھتے ذرا رک کر تیمور کو بھی ساتھ ہی بلا لیا تھا۔ اور اتفاقاً" ایسا ہوا کہ آفاق کے ساتھ تیمور آپہنچا تھا اور فارہ کے ساتھ ماورا بیٹھ گئی تھی۔
اور ایک ساتھ کئی فلیش چمک اٹھے تھے جنہوں نے یہ ایک یادگار اور نادر و نایاب سین اپنی آنکھ میں مقید کر لیا تھا۔

"کیا بات ہے میرے کزن صاحب تمہارے پلو سے بندھے نظر آرہے ہیں؟ خیر تو ہے؟"
جیسے ہی ماورا نے ذرا سا تیل اس کے بالوں میں لگانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا' فارہ نے ساتھ ہی ایک مشکوک سا سوال بھی داغ دیا تھا۔۔۔ لیکن ذرا سرگوشی میں۔۔۔!
"یہ سوال تم اپنے کزن صاحب سے ہی کرتیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔" ماورا اس کے سوال کا کوئی بھی نوٹس لیے بغیر اس کے بالوں میں تیل لگانے کے بعد اس کی ہتھیلی پہ مہندی لگانے لگی تھی۔
"ذرا فرصت ملنے دو۔ ان سے بھی کر لوں گی۔۔۔ لیکن تم تو کچھ بتاؤ بات کیا ہے؟"
فارہ کو مایوں کی دلہن بنے ہوئے بھی چین نہیں آرہا تھا' سے ماورا اور تیمور کے حوالے سے کھد بد لگ گئی تھی۔
"مجھ سے کانٹیکٹ میں رہنا چاہتے ہیں تمہارے کزن صاحب۔" ماورا کو بھلا کیا ڈر' کیا لحاظ تھا اس نے بلا جھجک صاف بات کہہ دی تھی۔
"ارے سچ؟" فارہ یکدم خوشی سے چیخ اٹھی تھی اور آفاق اور تیمور کے ساتھ ساتھ کئی اور لوگ بھی گھبرا کے متوجہ ہوئے تھے۔
"کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے؟" آفاق پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔
"سوری۔۔۔! اٹس آل رائٹ!" فارہ اپنی جذباتیت پہ خجل ہو کے رہ گئی۔
"لیکن کچھ تو ایسا ہوا ہے نا جس پہ تم نے اتنی خطرناک چیخ دے ماری ہے؟" آفاق حیرت اور تعجب سے دیکھ رہا تھا۔
"بس وہ میں کسی بات پہ ایکسائیٹڈ ہو گئی تھی اس لیے۔۔۔" فارہ نے اب کی بار کافی آہستگی سے بتایا تھا۔
"ہوں۔۔۔! تو گویا بات خاصی اہم ہے۔۔۔؟" آفاق نے فارہ اور ماورا دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تھا اور ماورا کی نظریں بے ساختہ تیمور کی سمت اٹھی تھیں' وہ بھی ان دونوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔
"ہاں یار۔۔۔! بات تو بڑے پوائنٹ کی ہے؟ آخر ایسی بھی کیا بات ہوئی ہے کہ اسٹیج پہ بیٹھی دلہن بھی مارے ایکسائٹمنٹ کے چیخنے پہ مجبور ہو گئی ہے۔۔۔؟" اور اس کا یہ سین اور یہ ایکسائٹمنٹ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی شادی کی مووی میں محفوظ ہو گئے ہیں۔"
تیمور نے بھی اس دلچسپ مسئلے میں مداخلت کرتے ہوئے فارہ کا دھیان اس بات کی طرف دلایا تھا جن کا دھیان ان تینوں میں سے کسی کو بھی نہیں آیا تھا اور اب تینوں ہی چونک گئے تھے۔
"اوہ مائی گاڈ۔۔۔! یہ کیا ہو گیا ہے؟" فارہ نے بے ساختہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا اور آفاق کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے' وہ بوکھلاہٹ میں حرکتیں ہی ایسی کر رہی تھی۔ اور تیمور ایک جان دار سا قہقہہ لگاتے ہوئے اسٹیج سے اتر گیا تھا۔
"پاگل۔۔۔! میک اپ خراب کرنے کا ارادہ ہے کیا؟" ماورا جھنجلائی۔
"یار۔۔۔! تمہارے بارے میں سوچ کر مجھے بہت ایکسائٹمنٹ ہونے لگی ہے' کاش جیسا میں سوچ رہی ہوں ویسا ہی ہو جائے۔" فارہ نے اسٹیج پہ آفاق کے پہلو میں بیٹھ کر بھی ماورا کے حوالے سے نجانے کتنے خواب سجا ڈالے تھے۔
"یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔۔۔ اپنی وے' مجھے اب اجازت دو۔۔۔ مجھے جانا چاہیے۔۔۔ رات کافی ہو چکی ہے' آپ لوگوں کا یہ فنکشن تو ابھی لیٹ نائیٹ تک چلے گا۔"
ماورا نے فارہ کو مہندی اور تیل لگانے کے فوراً" بعد ہی جانے کی اجازت چاہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لیکن ماورا۔۔۔! ابھی سب مہمانوں نے کھانا بھی کھانا ہے' پلیز تم کھانا تو کھا کر جاؤ ناں؟ بس تھوڑی ہی دیر ہے۔" فارہ نے اسے روکنا چاہا۔

"سوری یار! تب تک میں لیٹ ہو جاؤں گی اور امی کا تو تمہیں آل ریڈی پتا ہی ہے کہ وہ کتنا پریشان ہو جاتی ہیں۔" ماورا کے پاس امی کے نام کا ایک ایسا پوائنٹ ہوتا تھا کہ جہاں پہ آ کر فارہ بھی اصرار کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے تمام ہتھیار ڈال دیتی تھی۔

"اوکے۔۔۔! میں تیمور بھائی سے کہتی ہوں' وہ تمہیں ڈراپ کر دیتے ہیں۔" فارہ کے ذہن میں فوراً ہی تیمور کا خیال آیا تھا۔

"فارہ۔۔۔!" اس نے یک دم اسے روکنا چاہا مگر تب تک وہ تیمور کو پکار چکی تھی۔

"پلیز۔۔۔! ماورا کو ڈراپ کر دیں گے؟" فارہ کے مسکراتے ہوئے انداز پہ تیمور بھی اس کی چال سمجھ گیا تھا۔

"سوری۔۔۔! میں ڈرائیور کے ساتھ جاؤں گی۔" ماورا دو ٹوک انداز میں کہہ کر اسٹیج سے اتر گئی تھی اور پیچھے وہ لوگ دیکھتے رہ گئے تھے جبکہ تیمور کو کافی سبکی محسوس ہوئی تھی' لیکن پھر بھی برداشت کر گیا تھا' کیونکہ سامنے کوئی اور نہیں "ماورا مرتضیٰ" تھی۔

سرتاپا اس کی تمنا۔۔۔ سرتاپا اس کی خواہش۔

"تیمور بھائی۔۔۔!" فارہ نے کچھ کہنا چاہا' کیونکہ تیمور کی سبکی وہ بھی محسوس کر چکی تھی۔

"اٹس اوکے۔۔۔! پلیز ریلیکس۔" اس نے فارہ کو پرسکون رہنے کے لیے تسلی دی تھی اور خود پیچھے ہٹ گیا تھا جبکہ منزور رحیم کے کہنے پہ ماورا ڈرائیور کے ساتھ میرج ہال کا احاطہ عبور کر گئی تھی!

☆ ☆ ☆

"اتنی بے اعتباری کی وجہ۔۔۔؟"

وہ کپڑے وغیرہ چینج کر کے ابھی اپنے بستر پہ سونے کے لیے لیٹی ہی تھی کہ اس کے سیل فون پہ ایک اجنبی نمبر سے شکوہ نما میسج پہنچا تھا اور وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں بھی جان گئی تھی کہ یہ نمبر کس کا ہے اور یہ شکوہ کیوں آیا ہے۔۔۔؟

"کیونکہ اعتبار کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔۔۔" اس نے میسج لکھا اور سینڈ کر دیا تھا۔

"وجہ تو نمبر دینے کی بھی نہیں تھی' لیکن پھر بھی آپ نے دے دیا۔ یہ بھی تو ایک اعتبار ہی تھا ناں۔۔۔؟" ایک اور میسج موصول ہوا تھا۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نمبر دینے کے پیچھے کوئی وجہ نہیں تھی؟ ہو سکتا ہے کہ اس کے پیچھے بھی کوئی وجہ ہو۔ اور یہ مت سمجھیں کہ نمبر میں نے آپ کو آپ پہ اعتبار کر کے دیا ہے تو۔۔۔ نہیں بلکہ نمبر تو میں نے یہ سوچ کر دیا ہے کہ میں نمبر تو چینج کر سکتی ہوں' مگر اپنا گھر نہیں۔۔۔ گھر تک کیسے لے آتی اور ویسے بھی گھر تک تو میں آپ کو پہلے روز بھی نہیں لے کر آئی تھی تو آج بھلا کیسے لا سکتی تھی۔۔۔؟" اس نے ایک اور میسج لکھ کر سینڈ کا بٹن پریس کر دیا تھا۔

اور اگلے چند سیکنڈز میں ہی اسے تیمور حیدر کے نمبر سے تیسرا میسج موصول ہوا تھا جس میں اس نے محض ایک سائل پاس کرنا آئی کون سینڈ کیا تھا اور ساتھ ہی چوتھا میسج بھی آ گیا۔

"اور اگر آپ کو وہ یاد ہے تو یہ بھی یاد ہو گا کہ اگر اس روز میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر باز نہیں آیا تھا تو آج کیسے

باز آ سکتا تھا؟ اور آپ کو یہ بھی پتا ہو گا کہ ہر بار بندہ ناکام نہیں ہوتا' کبھی کبھی کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔"

ماورا نے اسے پہلے روز کا حوالہ دیا تھا تو جواباً تیمور نے بھی اسے پہلے روز کا ہی حوالہ دے کر کرنٹ لگا دیا تھا اور وہ یک دم اپنے بستر سے اٹھ بیٹھی تھی۔

"کیا مطلب ہے آج۔۔۔؟ آج سے کیا مراد ہے آپ کی؟" ماورا اس کے میسج کا مفہوم سوچ کر ہی گھبرا گئی تھی کہ تیمور حیدر نے اس کا پیچھا تو نہیں کیا۔۔۔؟

"مطلب اور مراد آپ سمجھ چکی ہیں مس ماورا مرتضیٰ۔۔۔! اور سمجھے ہوئے کو اور کیا سمجھاؤں؟"

اس کے میسجز کھٹا کھٹ موصول ہو رہے تھے اور ماورا کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا عافیہ بیگم کے خیال سے ہی اس کے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

"تو آپ نے مجھے فالو کیا ہے؟" ماورا نے بڑے صبر اور بڑے تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔

"آف کورس! مجبور تھا اور کیا کرتا۔ اپنے مزاج' اپنی شخصیت اور اپنے مقام سے بہت نیچے آنا پڑا۔ اور بقول میرے دوست کے ایسے معاملے میں انسان کو ویسا ہونا ہی پڑتا ہے کہ جیسا وہ نہیں ہوتا۔۔۔ میں بھی ایسا نہیں تھا۔۔۔ مگر ہو گیا ہوں۔۔۔ چور راستے اپنا بیٹھا ہوں۔۔۔ معافی چاہتا ہوں۔" تیمور کے لکھے ہوئے الفاظ ایسے تھے کہ ماورا چند ثانیے کے لیے کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟" اس نے قدرے ٹھہر کر پوچھا۔

"آپ کے بالکل سامنے۔۔۔ لیکن چند قدم دور۔" اس کا جواب بالکل مختصر تھا اور ماورا بوکھلاہٹ کے مارے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے مسٹر تیمور حیدر۔۔۔؟" اس نے تیزی سے میسج ٹائپ کیا۔

"کہا ناں۔۔۔ مجبور تھا اور مجبوری میں انسان کچھ بھی کر جاتا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ آ جاتیں تو یقیناً" آپ اس کوفت سے بچ جاتیں اور میں اس حرکت سے بچ جاتا۔۔۔"

وہ اپنے میسجز اور اپنے الفاظ سے ہی بہت مطمئن' بہت پرسکون لگ رہا تھا۔

"پلیز۔۔۔! یہاں سے چلے جائیں اگر کسی کو محسوس ہو گیا کہ گلی میں کوئی ہے تو اچھا نہیں ہو گا۔۔۔ پلیز!" ماورا اپنے بستر سے اٹھ کر اپنے گھر کے صحن میں جلے پیر کی بلی کی طرح پھر رہی تھی' چکر کاٹ رہی تھی۔

"اوکے۔۔۔! چلا جاتا ہوں' لیکن اک نظر دیکھنے کے بعد۔۔۔" اس نے شرط رکھی۔

"سوری! میں دروازہ نہیں کھول سکتی۔" وہ بدک گئی۔

"اور میں دروازے سے جا نہیں سکتا۔" اس کی طرف سے صاف انکار تھا۔

"مسٹر تیمور حیدر۔۔۔!" وہ جیسے بھنا اٹھی تھی۔

"یس۔۔۔؟" وہ تو جیسے جی جان سے متوجہ ہوا تھا۔

"پلیز۔۔۔!" اس نے یک لفظی میسج سینڈ کیا۔

"آر یو شیور۔۔۔؟"

"یس۔۔۔!"

"تو پھر دروازہ مت کھولیں۔۔۔ لیکن پلیز ایک بار دروازے تک تو آ جائیں' تاکہ مجھے احساس تو ہو کہ میں آپ سے مل کر آیا ہوں۔۔۔" تیمور وہاں سے جانے کے لیے آمادہ ہو چکا تھا اور فی الحال ماورا کے لیے یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ ٹل گیا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں.....! او کے ... " وہ میسج سینڈ کرتے ہوئے بے آواز قدموں سے چلتی دروازے تک آگئی تھی۔

"تھینک یو! اللہ حافظ..." تیمور کی بھاری مگر دھیمی سی آواز ماورا کے کانوں تک پہنچی تھی اور اس کی برداشت کی حد ہو گئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں اور اپنے لب بھینچ کے رہ گئی تھی۔

"اللہ حافظ...!" جواباً اس نے بھی تو کچھ کہنا ہی تھا اور جیسے ہی اس نے اللہ حافظ کہا تو اگلے ہی لمحے اسے تیمور حیدر کے قدموں کی چاپ اپنے گھر کے دروازے سے دور ہوتی سنائی دی تھی۔

اور ماورا سکھ کا سانس لیتے ہوئے دوبارہ اپنے کمرے میں آگئی تھی اور اس نے اعصاب ذرا ٹھکانے پہ آتے ہی جھنجلا کر اپنا سیل فون بستر پہ پھینکنے والے انداز میں پٹخ دیا تھا۔

وہ مجبور تھی تو صرف عافیہ بیگم کی وجہ سے ورنہ ماورا مرتضیٰ اپنی بات اور اپنی ضد سے پیچھے ہٹ جاتی۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

✡ ✡ ✡

ایکسکیوزمی.....! مسٹر تیمور حیدر کون سے روم میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" ولید نے ہوٹل کے استقبالیہ پہ رکتے ہوئے تیمور کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"جسٹ ون منٹ سر...!" استقبالیہ پہ موجود لڑکی نے تمام رومز کا ریکارڈ چیک کرنے کے لیے ٹائم مانگا تھا۔

"سر! مسٹر تیمور حیدر کے نام سے تو تین رومز ریزرو ہیں... اب یہ نہیں پتا کہ مسٹر تیمور حیدر خود کون سے روم میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہتے ہوئے ولید کی طرف دیکھا تھا۔

"او کے.....! آپ روم نمبرز بتا دیں۔" وہ اپنا موبائل نکالتے ہوئے بولا۔

"اوہ شیور..." اس نے فوراً نمبر چیک کیے۔

"ون ٹوئنٹی ٹو... ون ٹوئنٹی تھری... اور ون ٹوئنٹی فور۔" اس نے تینوں نمبرز بتا دیے تھے اور ولید سر ہلاتا اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تیمور کا نمبر بھی ڈائل کر لیا تھا لیکن اس کے نمبر پہ رنگ تو جا رہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

اور پھر ایک بار... دو بار... تین بار اور نجانے کتنی بار اس نے تیمور کے نمبر پہ ٹرائی کر کے دیکھ لیا مگر اس کی طرف سے کال ریسیو نہیں ہوئی تھی اور ولید جھنجلاتا ہوا تھرڈ فلور پہ آگیا تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ ابھی سو کر اٹھی ہی تھی کہ اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اور اس نے بمشکل اپنے شولڈر کٹ بال سمیٹتے ہوئے موبائل اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا۔

"ہیلو...؟" اس کی آواز نیند سے بوجھل تھی دوسری طرف ساشا اس کی آواز سنتے ہی تپ اٹھی تھی۔

"عزت! تم ابھی تک سو رہی ہو؟" ساشا کی آواز خاصی بلند تھی۔

"اٹھ گئی ہوں یار...! اٹھ گئی ہوں۔" عزت اب بھی دھیمی سی آواز میں بول رہی تھی۔

"ٹائم دیکھا ہے تم نے...؟"

"ہاں...! دیکھا ہے... ابھی تو بہت وقت پڑا ہے یار۔" عزت بہت ریلیکس تھی۔

"عزت... تمہیں پتا ہے کہ بیوٹیشن نے کیا کہا تھا؟ ہمیں جلدی پہنچنا ہو گا... ؟ پلیز جلدی کرو! اسی بیوٹیشن نے پھر فارہ کو بھی تیار کرنا ہے۔" ساشا کو پتا تھا کہ جب تک وہ اس طرح جلدی نہیں مچائے گی عزت تب تک کسی چیز کا کوئی نوٹس نہیں لے گی...

"تو کر لے... پہلے فارہ کو تیار کر لے۔" اس نے بڑے اطمینان سے کندھے اچکائے۔

"عزت! فارہ دلہن ہے اور دلہن سب سے آخر میں تیار ہوتی ہے۔" ساشا زچ ہوئی تھی۔

"حالانکہ دلہن کو سب سے پہلے تیار ہونا چاہیے۔" عزت اس لائن پہ ہی نہیں آرہی تھی۔

"عزت! میں تمہارے روم میں آرہی ہوں۔" ساشا نے دوسرا حل سوچا۔

"موسٹ ویلکم یار...! میں دروازہ کھلا چھوڑ رہی ہوں۔" عزت بیڈ سے اٹھی اور ڈھیلے ڈھالے قدموں سے چلتی ہوئے دروازے تک آئی اور بڑے سکون سے دروازے کا لاک کھول دیا تھا اور ادھر ولید نے دروازے پہ دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا اور دستک دے ڈالی تھی۔

"ارے! تم پہنچ بھی گئیں...؟" عزت نے حیرت سے کہتے ہوئے ہینڈل گھما کر یکدم دروازہ بھی کھول دیا تھا اور پھر بے ساختہ گڑبڑا کے رہ گئی تھی۔

"آپ...؟" عزت کے ہونٹوں سے بمشکل یہ لفظ ادا ہوا تھا۔

اور دوسری طرف تو ولید کا اس سے بھی زیادہ برا حال ہوا تھا وہ عزت کو یوں اچانک اور اس حلیے میں اپنے سامنے دیکھ کر سچ مچ سٹپٹا گیا تھا، بلکہ اس کے تو ماتھے پہ پسینے کے قطرے پھوٹ آئے تھے۔

اس نے انتہائی ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر پہ ڈھیلا ڈھالا سلیولیس ٹاپ پہن رکھا تھا اور ٹاپ کا گلا فرنٹ اور بیک سے اچھا خاصا ڈیپ تھا اور اسی ڈیپ گلے کی وجہ سے ولید خود بھی گھبرایا تھا اور اس کی نظریں بھی گھبرا گئی تھیں اور یہی کچھ عزت کے ساتھ بھی ہوا تھا اور اس نے دوسرا کوئی بھی لفظ کہے بغیر یکدم فون بند کر دیا اور ساتھ ہی کھٹاک سے دروازہ بھی بند کر ڈالا تھا۔

اُف... ! یہ کیا ہو گیا اچانک..." عزت دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتی ایک گہری سانس خارج کرتی ڈریسنگ روم کی طرف بھاگی تھی۔ اس کی خفت اور شرم کی تپش چہرے سے کم نہیں ہو رہی تھی اور ایسی کیفیت اس کے ساتھ پہلی بار ہوئی تھی!

✡ ✡ ✡

"آج کے فنکشن کا کیا ٹائم ہے؟"

وہ ناشتا کرنے کے بعد کچن میں کھڑی برتن سمیٹ رہی تھی جب عافیہ بیگم کچن کے سامنے سے گزرتے ہوئے کچن کے دروازے میں ہی رک گئی تھیں۔

"شام پانچ بجے کا ٹائم ہے، لیکن میں چار بجے گھر سے جاؤں گی، ان فیکٹ فارہ جلدی آنے کا اصرار کر رہی تھی۔" ماورا نے سنک میں ہاتھ دھو کر کچن کے دروازے سے لٹکتے تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اتنی جلدی کیوں...؟ شادیوں کے فنکشن تو بہت لیٹ ہوتے ہیں؟" انہیں حیرانی ہوئی تھی۔

"جی...! ہوتے ہیں... مگر آپ کو پتا ہے کہ اس کی بارات کراچی سے آئی ہے، وہ لوگ دو دن سے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں، اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ فنکشن ذرا جلدی ہو جائے تو وہ بھی جلد از جلد واپس کراچی پہنچ جائیں۔ کیونکہ انہوں نے پلین کی ٹکٹس پہلے ہی ریزرو کروا رکھی ہیں۔ ادھر رخصتی ہو گی اور ادھر واپسی۔" ماورا نے جواب خاصا تفصیلی دیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ہوں۔۔۔! ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن کوشش کرنا کہ تم آج بھی ذرا جلدی ہی واپس آجاؤ۔" وہ کہتے ہوئے پلٹیں۔
"جی۔۔۔ ان شاءاللہ! جلدی جاؤں گی تو جلدی ہی آؤں گی نا۔" ماورا نے اثبات میں سرہلایا۔
"او کے۔۔۔! اللہ حافظ۔۔۔!" وہ خدا حافظ کہہ کے آگے بڑھ گئی تھیں اور جواباً" ماورا انہیں "فی امان اللہ" کہتی ان کے پیچھے دروازے تک آئی اور پھر ان کے دروازہ عبور کرتے ہی دروازہ بند کر کے بڑے ست اور ڈھیلے ڈھالے قدموں سے چلتی ہوئی برآمدے میں بچھے تخت پہ آبیٹھی تھی۔
"ماورا۔۔۔ ماورا بیٹا۔۔۔؟" بی گل ناشتا کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گئی تھیں۔ وہ صبح فجر کے وقت اٹھتی تھیں اور ناشتا کرنے تک قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہتی تھیں اس لیے بیٹھے بیٹھے تھک جاتی تھیں اور ناشتا کرنے کے فوراً" بعد وہ اکثر تھوڑا آرام کرنے کی غرض سے لیٹ جاتی تھیں' کیونکہ آج کل گھر کو سنبھالنے کے لیے ماورا جو موجود تھی' اس لیے اس طرف سے وہ قدرے بے فکر پھر رہی تھیں آج کل۔۔۔!
"ماورا۔۔۔!" ماورا کی طرف سے کوئی بھی جواب نہ پا کر وہ بالآخر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔
"جی بی گل۔۔۔! کیا بات ہے؟ وہ اس کے قریب آکر بیٹھیں تو تب کہیں جا کر ماورا کی سوچ کا تسلسل ٹوٹا تھا اور وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
"یہی بات تو میں تم سے پوچھنے والی تھی۔۔۔ صبح سے دیکھ رہی ہوں' تمہارا چہرہ اترا اترا سا نظر آرہا ہے' ورنہ ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا؟" بی گل نے اس کا چہرا ٹھوڑی سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔
"بی گل۔۔۔! میں رضا حیدر کے بیٹے کی وجہ سے پریشان ہوں۔ وہ کسی اور ہی راستے پہ چل پڑا ہے' اور۔۔۔ اور اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی اکسا رہا ہے' لیکن وہ' وہ نہیں جانتا کہ اس راستے پہ چلنا میرے عہد اور میرے ارادوں کا حصہ نہیں ہے' میرا ارادہ اور ہے' میرا عزم اور ہے اور میرا راستہ اور میری منزل بھی اور ہے' میں کیسے سمجھاؤں اس کو۔۔۔؟"
ماورا حقیقتاً" پریشان تھی اور بی گل بھی اس کی بات سن کر متفکر ہو گئی تھیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے؟ آخر کوئی چھوٹی موٹی بات تو تھی نہیں کہ وہ جسے سن کر بھی پرسکون رہتیں۔۔۔!
"کیوں۔۔۔؟ کیا کہتا ہے؟" انہوں نے آخر کچھ تو پوچھنا ہی تھا۔
"کہتا کچھ نہیں۔۔۔ لیکن اس کے ارادے اس کی باتوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کا جھکاؤ' لگاؤ میں محسوس کر سکتی ہوں لیکن اس کی یہ لگن میرے حواسوں پہ اثر نہیں کر سکتی' وہ یہ نہیں جانتا۔"
ماورا مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"پھر۔۔۔؟ پھر کیا کرو گی؟" بی گل کا دل کانپ گیا تھا۔
"روکوں گی اسے۔۔۔ باز رکھوں گی۔۔۔ سمجھاؤں گی۔۔۔"
لیکن پھر بھی اگر نہ سمجھا' نہ باز آیا اور نہ رکا تو۔" بی گل اس کی اگلی بات سنتے ہوئے ڈر رہی تھیں۔
"تو پھر وہی ہو گا جو وہ چاہے گا!" اس نے کہتے ہوئے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔
"وہ۔۔۔ وہ کیا چاہے گا بھلا؟" بی گل گھبرا رہی تھیں۔
"یہ میں نہیں جانتی۔۔۔ مگر پھر بھی ہو گا وہی جو اس کی چاہت ہو گی اور اس چاہت کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔" ماورا کا لہجہ سخت ہو چکا تھا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ یہ غلط ہے ماورا۔۔۔ یہ سب غلط ہے۔۔۔ ایسا کچھ مت کرنا۔" بی گل نے زور زور سے نفی میں سرہلایا تھا۔

"یہ سب غلط ہے تو کیا اس کا میرا پیچھا کرنا ٹھیک ہے؟ یا اس کا رات کے ایک بجے میرے گھر کے دروازے کے سامنے چکر لگانا ٹھیک ہے؟ کیا اس کا میرے ساتھ کانٹیکٹ میں رہنا ٹھیک ہے؟ کیا اس کا مجھے اپنی طرف مائل کرنا ٹھیک ہے؟ اور اگر یہ سب ٹھیک ہے تو پھر جو کچھ اس کے بعد ہو گا' وہ سب بھی ٹھیک ہی ہو گا۔" اس نے انہیں اپنا فیصلہ دو ٹوک سنایا تھا۔
"اف میرے اللہ! یہ' یہ کن چکروں میں پڑ گئی ہو تم؟ میں نے کبھی یہ تو نہیں چاہا تھا اور نہ ہی تمہیں اس طرح کا کوئی سبق دیا تھا؟" بی گل کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔
"میں بھی یہ سب نہیں چاہتی اور مجھے بھی یہ سب پسند نہیں ہے' لیکن پھر بھی اگر کوئی بازنہ آئے تو میں بھلا کیا کر سکتی ہوں؟ میں آخر کب تک اسے اوائڈ کروں گی۔۔۔؟ کب تک۔۔۔؟"
ماورا بھی اپنی جگہ پہ درست تھی' لیکن بی گل کیا کہتیں' آخر معاملہ دل کا تھا۔۔۔!
"تو پھر آج تم شادی میں مت جاؤ۔" بی گل نے اک معصوم اور بچکانہ سا حل نکالا۔
"کیوں۔۔۔ اس سے کیا ہو گا؟"
"نہ وہ تمہیں دیکھے گا اور نہ ہی کوئی پیش رفت کرے گا۔ بات جہاں ہے وہیں پہ رہ جائے گی۔" انہوں نے وضاحت دی۔
"بی گل۔۔۔! وہ مجھے دیکھ بھی چکا ہے اور پیش رفت بھی کر چکا ہے' بس اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ بات کہاں تک جاتی ہے؟ اور میں کیا قدم اٹھاتی ہوں۔ اینی وے آپ پھر بھی یہی دعا کیجیے کہ رضا حیدر کا بیٹا مجھ سے دور رہے۔۔۔ ورنہ پھر!" ماورا کہتے ہوئے یک دم تخت سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور بی گل جواباً" کچھ کہہ بھی نہیں سکی تھیں۔ وہ تو جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی تھیں!

☆ ☆ ☆

فارہ اور آفاق کا نکاح دن کے وقت فارہ کے گھر پہ ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے شام پانچ بجے اپنے مقررہ ٹائم پہ دلہن بنی فارہ کو اسٹیج پہ لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔
اور تب تک تقریباً" سب ہی مہمان بھی آچکے تھے' کیونکہ بارات کراچی سے فیصل آباد لانے کی وجہ سے اشتیاق پردانی نے بہت کم لوگوں کو بارات میں انوائٹ کیا تھا' زیادہ لوگ ولیمہ میں ہی انوائیٹڈ تھے۔ اس لیے جتنے بھی باراتی تھے وہ ان کے ساتھ ہی وقت پہ میرج ہال پہنچ گئے تھے اور فنکشن بڑی جلدی شروع ہو گیا تھا۔
"بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" آفاق نے دلہن بنی فارہ کو دیکھتے ہی سرگوشی کی تھی اور فارہ ابھی اپنی اس تعریف پہ ٹھیک طرح سے خوش بھی نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ہی ان کے عقب سے چند آوازوں کا ملا جلا سا قہقہہ بلند ہوا تھا اور ان دونوں نے ہی بے ساختہ چونک کر اپنے عقب میں دیکھا تھا جہاں عزت' ساشا' عائشہ' حمنہ' حمنہ کی دونوں بچیاں بھی موجود تھیں۔
"اوئے ہوئے۔۔۔! بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں جناب! گھر جانے کا ویٹ بھی نہیں کیا؟" ساشا نے آفاق کو چھیڑا تھا۔
"کیا کروں مائی ڈیئر سسٹر! اتنی خوب صورتی دیکھ کر صبر ہی نہیں ہوا۔" آفاق نے بے چارگی سے کہا۔
"اوہو۔۔۔! اسٹیج پہ یہ حال ہے تو جہاز میں کیا کریں گے؟ رخصتی کے بعد واپسی کی کوفت بھی اٹھانا باقی ہے ابھی۔" عزت نے آفاق کو واپسی کے سفر سے ڈرایا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اتنا اچھا اور اتنا خوب صورت ہم سفر ساتھ ہو تو پھر کیسی کوفت؟ پھر تو سفر طویل سے طویل تر بھی ہو جائے تو کوفت یا بوریت نہیں ہوتی۔" آفاق نے اسے لاجواب کیا تھا۔

"واہ! کیا کمال ہے یار! بیٹھے بیٹھے ہی شاعر بھی ہو گئے ہیں۔" ساشا نے مذاق اڑایا۔

"جس کو بیٹھے بیٹھے اتنی خوب صورت بیوی مل جائے وہ بندہ شاعر ہو ہی جاتا ہے۔" اس نے کہتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"عزت! بابا تمہارا پوچھ رہے تھے۔" تیمور اور ولید اسٹیج کے قریب آکر ٹھہرے ہی تھے کہ تیمور کو رضا حیدر کا پیغام یاد آگیا تھا۔

اور عزت' ولید کو دیکھتے ہی صبح والا واقعہ یاد کرتے ہوئے نظریں چرا گئی تھی۔

جبکہ ولید تو پہلے ہی اس کی طرف دیکھنے سے کترا رہا تھا۔

"جی اچھا۔۔۔!" وہ آہستگی سے سر ہلا کر کہتے ہوئے آفاق اور فارہ کے صوفے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آگئی تھی۔

"ہیلو۔۔۔! کیسے ہیں آپ؟" وہ ولید کے پاس سے چپ چاپ گزر جاتی یہ بھی ناممکن ہی تھا۔

"الحمدللہ۔۔۔! بہت اچھا ہوں اور اچھے حال میں ہوں۔" اس نے لاپروائی ظاہر کی تھی۔

"ہوں! نظر تو آرہا ہے۔" وہ آہستگی سے کہتے ہوئے اس کے پاس سے گزر گئی تھی اور ولید اتنی ہی آہستگی سے سر جھکائے رہ گیا تھا۔

"ولید۔۔۔!" تیمور نے آہستگی سے اسے ٹہوکا دیا تھا۔

"ہوں۔۔۔؟" وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"سامنے دیکھو۔" تیمور نے بغیر اشارے کے اسے متوجہ کیا تھا۔

اور ولید نے بڑے ہی غیر محسوس انداز میں سامنے دیکھا تھا اور سامنے سے آتی لڑکی کو دیکھ کر ولید کی نظریں واقعی چند ثانیے کے لیے ٹھہر گئی تھیں۔

اس لڑکی کی شخصیت کتنی باوقار' کتنی مضبوط اور کتنی پُراثر ہے یہ تو پہلی نظر دیکھ کر ہی محسوس ہو رہا تھا اور اس کی خوب صورتی اور اس کی ڈریسنگ دیکھ کر تو ولید دل ہی دل میں اسے سراہنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"بتاؤ۔۔۔؟" تیمور نے اسے ٹہوکا دیا۔

"ماورا مرتضیٰ۔۔۔ یہ ماورا مرتضیٰ ہے نا۔۔۔؟" ولید اس کی چال ڈھال اور رکھ رکھاؤ سے ہی پہچان گیا تھا کہ وہ لڑکی ماورا مرتضیٰ ہی ہو سکتی ہے کیونکہ تیمور نے اس کی شخصیت کا نقشہ ہی کچھ ایسا کھینچ کے بتایا تھا کہ ولید کے ذہن میں سب کچھ فیڈ ہو گیا تھا۔

"ہاں! فیصل آباد میں اس طرز کی صرف ایک ہی لڑکی ہو سکتی ہے اور وہ ہے ماورا مرتضیٰ۔" تیمور نے جیسے فخر سے کہا تھا اور ولید نے واقعی سراہنے والے انداز میں بھنویں اچکائی تھیں۔

"ہیلو۔۔۔!" وہ ان کے پاس سے گزر ہی رہی تھی کہ تیمور نے جان بوجھ کر اسے مخاطب کر لیا تھا۔ "ہائے۔۔۔!" لیکن وہ رکی نہیں تھی اور تیمور خوش ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

"ایکسکیوزمی مس ماورا!" اس نے بے ساختہ اسے پکارا۔

"یس۔۔۔؟" ماورا ٹھہری تھی۔۔۔ مگر پلٹی نہیں۔

"پلیز۔۔۔! جسٹ فائیو منٹس۔" وہ اسے روکنا چاہتا تھا۔

"وائے۔۔۔" ماورا بہت رف ہو رہی تھی اور تیمور اپنی ایسی عزت افزائی کے باوجود بھی کوئی انسلٹ اور کوئی

بیگی محسوس نہیں کر رہا تھا۔

"میں نے آپ کو کسی سے ملوانا تھا۔" تیمور نے وجہ بتائی۔

"ہونہہ۔۔۔! مجھے آپ سے ملنا پسند نہیں ہے تو کسی اور سے کیسے مل سکتی ہوں؟" ماورا نے اس کی سمت پلٹتے ہوئے اسے ایک منہ توڑ قسم کا جواب دیا تھا۔

"میری بات تو چلیں ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن کسی اور نے بھلا کیا کیا ہے؟ کیا قصور ہے کسی اور کا۔" تیمور بڑے موڈ میں پوچھ رہا تھا۔

"ان کا قصور یہ ہے کہ ان سے ملوانے والے آپ ہیں۔۔۔ آپ مسٹر تیمور حیدر آپ۔"

"لیکن مس ماورا۔۔۔!" تیمور نے کچھ کہنا چاہا۔۔۔ مگر وہ درمیان میں ٹوک گئی تھی۔

"پلیز۔۔۔! جسٹ اسٹاپ اٹ۔۔۔ میں یہاں اپنی دوست کی شادی میں آئی ہوں لوگوں سے تعلقات بڑھانے نہیں آئی۔"

ماورا خاصے دوٹوک اور بے لچک انداز میں کہہ کر پلٹی اور اسٹیج کی طرف بڑھ گئی تھی' جبکہ اس کے پیچھے ولید تیمور کی حالت دیکھ کر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا اور پھر اس نے جب جب تیمور کو دیکھا تھا اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"جی بابا؟ آپ نے بلوایا تھا؟" عزت بڑی ترنگ میں آکر رضا حیدر کے پاس کھڑی ہوئی تھی اور وہ اپنے دوست سے بات کرتے کرتے رک گئے تھے۔

"جی ہاں بیٹا! بلوایا تھا۔۔۔ ان سے ملو' یہ ہیں میرے دوست قیام مرزا۔۔۔" انہوں نے اپنے ہم عمر آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہائے انکل۔۔۔! کیسے ہیں آپ؟" عزت بہت خوشگوار لہجے میں بولی تھی اور اس کی آواز پہ کسی اور کے ساتھ باتوں میں مصروف قیام مرزا کا بیٹا یک دم اس کی طرف پلٹا تھا۔

"ہیلو بیٹا! میں بالکل ٹھیک ہوں آپ سناؤ۔" قیام مرزا عزت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"فائن۔۔۔!" عزت نے مسکرا کے کہا۔

"اور بیٹا! ان سے ملو' یہ ہے میرے دوست کا اکلوتا سپوت مونس مرزا۔" رضا حیدر نے بہت ہی پُرشوق اور گہری نظروں سے عزت کی طرف دیکھتے مونس مرزا کا تعارف کروایا تھا۔

"ہیلو۔۔۔!" عزت نے اب کی بار بہت نارمل سا ہیلو کہا تھا۔

"ہائے۔۔۔!" جبکہ مونس مرزا نے بڑی خوشی اور جیسے بڑے استحقاق بھرے انداز میں اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"آپ کیسے ہیں۔۔۔؟" عزت نے اس کا ہاتھ یکسر نظرانداز کر ڈالا تھا۔ قیام مرزا اور رضا حیدر اسے دیکھ کر رہ گئے تھے جبکہ مونس مرزا نے اپنی مٹھی اور اپنے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

اور پھر عزت نے محسوس کیا تھا کہ شادی کے تمام فنکشن میں اور فیصل آباد سے لے کر کراچی تک سفر کے دوران بھی مونس مرزا کی نگاہیں اس کے گرد رہی تھیں اس کی نگاہوں کا مرکز صرف وہی رہی تھی اور عزت کو اس کا اس طرح دیکھنا ذرا بھی پسند نہیں آیا تھا' وہ دل ہی دل میں غصے سے بل کھاتی ہوئی گھر آئی تھی۔

(باقی آئندہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل ہے

مادرا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اشتیاق یزدانی 'آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت 'تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر 'تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا 'عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر 'ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور 'ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کہ وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور 'فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

—11—
گیارہویں قسط

"مجھے جاب مل گئی ہے۔"

اس نے انتہائی مضبوط اور دو ٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اعلان کیا اور اپنے دھیان میں مگن کپڑے تہ کر کے رکھتی عافیہ بیگم کے ہاتھ ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

"اچھا۔۔۔ کہاں۔۔۔؟" انہوں نے اپنے دھیان کی طنابیں اس کی طرف موڑ دیں۔ اس نے انہیں جواب دینے سے پہلے اک نظر بی گل کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئیں کیوں کہ انہیں خدشہ تھا کہ عافیہ کھڑے قد سے گر جائیں گی۔

"کہاں جاب ملی ہے۔۔۔؟" انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

"کراچی کی ایک ٹیکسٹائل کمپنی میں۔۔۔" اس نے وہ بم پھوڑ ہی دیا تھا جس سے بی گل کو عافیہ بیگم کے مرجانے کا خدشہ تھا۔

"کیا۔۔۔؟" ان کے منہ سے یہ لفظ بھی بہت ہی مری آواز میں نکلا اور ان کے ہاتھ میں پکڑا اس کا دوپٹہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے فرش پہ جا گرا۔

"جی۔۔۔! مجھے کراچی کی ایک ٹیکسٹائل کمپنی میں جاب مل گئی ہے اور کمپنی کی طرف سے گھر اور گاڑی کی سہولت بھی مہیا کی جائے گی اس لیے بہت جلد ہمیں کراچی شفٹ کرنا ہو گا۔"

وہ ہنوز اسی لہجے میں بات کر رہی تھی اور عافیہ بیگم کا دماغ چکرا گیا تھا۔ وہ خود کو سنبھال نہیں پائیں۔ انہیں بہت زور کا چکر آیا تھا اور وہ لہرا کے سیدھی فرش پہ آگری تھیں۔

"ہائے اللہ۔۔۔ میری بچی۔۔۔ میں نے کہا بھی تھا۔۔۔ وہ سنے گی تو مر جائے گی۔" وہ اپنا سینہ پیٹتے ہوئے اٹھ کر عافیہ

بیگم کے قریب ہی فرش پہ بیٹھ گئیں۔

"عافیہ۔۔۔ عافیہ۔۔۔ بیٹا آنکھیں کھولو۔۔۔ عافیہ کیا ہو گیا ہے بیٹا۔۔۔؟" بی گل یک دم پریشان ہو کر ان کا چہرہ تھپتھپانے لگیں۔ ماورا نے بی گل کی مدد سے انہیں پلنگ پر لٹایا اور "میں ڈاکٹر کو لے کر آتی ہوں۔" وہ انہیں چھوڑ کر اپنا پرس اٹھانے لگی۔

"رہنے دو۔۔۔ ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں ہے 'یہ دوا سے ٹھیک نہیں ہو گی 'خوامخواہ فضول خرچی کرو گی۔" بی گل نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"تو پھر۔۔۔؟ کیسے ٹھیک ہوں گی یہ؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم خود جانتی ہو۔۔۔" انہوں نے بڑی لاپروائی سے کہا ماورا ان کے انداز سے ہی سمجھ گئی کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔

"ایم سوری بی گل۔۔۔! میں انہیں کوئی جھوٹی تسلی نہیں دے سکتی۔ آج انہیں جھوٹی تسلی دوں اور کل پھر وہی کام کروں تو آپ بھی جانتی ہیں کہ کل بھی یہی تماشا ہو گا اور کل پھر مجھے میڈیسن لینے جانا ہی پڑے گا۔" ماورا نے انتہائی تیکھے لہجے میں کہتے ہوئے معذرت کی۔ عافیہ بیگم کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"لیکن بیٹا۔۔۔!" بی گل مزید کچھ کہنا چاہتی تھیں۔

"نہیں بی گل۔۔۔ اب نہیں۔۔۔ اب اگر انہوں نے ٹھیک ہونا ہے تو میڈیسن سے ہی ٹھیک ہونا ہے 'میری یا آپ کی جھوٹی تسلی سے نہیں۔ کیوں کہ میں جو فیصلہ کر چکی ہوں 'وہ کر چکی ہوں اب اس فیصلے سے ہٹنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے میرا۔ چاہے آپ لوگ میرا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اسی ہفتے یہاں سے شفٹ کرنا ہے 'آپ لوگ اچھی طرح سوچ لیں۔۔۔ ورنہ میں اکیلی بھی جا سکتی ہوں۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور بی گل ایک بار پھر چپ کی چپ رہ گئی تھیں۔

جبکہ عافیہ بیگم نے ان کی طرف سے کروٹ بدل لی تھی 'مگر بی گل جانتی تھیں کہ وہ یقیناً" دوسری طرف چہرہ چھپائے رو رہی ہیں۔

"عافیہ۔۔۔! تسلی رکھو بیٹا۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے پھر بھی تسلی دینے کی ہی کوشش کی تھی۔

"تسلی۔۔۔ کیسی تسلی بی گل! وہ تسلی جو اس نے مجھے دی ہی نہیں۔ وہ تسلی جو اس کے پاس ہے ہی نہیں۔۔۔ وہ تسلی جس کا اسے احساس ہی نہیں یا پھر وہ تسلی جو وہ دینا نہیں چاہتی اور آپ زبردستی دلانا چاہتی ہیں۔۔۔ بتائیں بی گل! کیا تسلی رکھوں اور کیسی تسلی رکھوں۔" عافیہ بیگم بی گل کی بات پر تڑپ کر اٹھ بیٹھی تھیں۔

اور بی گل بھی یہی چاہتی تھیں کہ وہ اپنے ڈر 'خوف اور اپنی ناگواری کا یونہی تڑپ کر اظہار کریں اور اپنے اندر کا غبار نکال دیں۔ یوں چپ کر کے یا گھٹ گھٹ کے نہ رہیں۔

"تو پھر اور کر بھی کیا سکتے ہیں آخر۔۔۔ تسلی رکھنے کے علاوہ اور کوئی چارا ہے ہی کہاں؟" بی گل انہیں بڑے طریقے سے ذہنی طور پر تیار کر رہی تھیں تاکہ وہ یہ بات جان لیں کہ ماورا اب کسی طور رکنے والی نہیں ہے۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ پہلے ہی ہتھیار ڈال چکی ہیں؟" عافیہ بیگم کو اور زیادہ پتنگے لگ گئے۔

"بعد میں بھی تو ڈالنے ہی ہیں نا۔" بی گل نے بڑے سکون سے وجہ بتائی تھی۔

"مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔" انہوں نے بہت ہی سختی سے کہتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔۔۔ اپنی بیٹی کو باغی کر دو۔ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دو۔ وہ جہاں جانا چاہتی ہے چلی جائے۔ اور جو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرنا چاہتی ہے کرلے تمہاری بلا سے۔" وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
"بی گل۔۔۔! مجھے آپ کے ساتھ کی ضرورت ہے۔" عافیہ بیگم چیخی تھیں۔
"اور اسے، ہم دونوں کے ساتھ کی ضرورت ہے عافیہ!" بی گل کا لہجہ بھی بدل چکا تھا۔
"وہاں رضا حیدر بھی ہوگا بی گل۔۔۔؟" عافیہ بیگم نے اپنا رونا رویا۔
"رضا حیدر تو اس دنیا میں بھی ہے تو کیا تم اس دنیا سے بھی بے دخل ہو جاؤ گی؟" بی گل کے جواب اکثر کرارے ہوتے تھے۔
"مجھے سمجھنے کی کوشش کریں پلیز۔۔۔ وہ مجھ سے چھن جائے گی۔۔۔ میں۔۔۔ میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گی۔"
عافیہ بیگم بہت چیخی تھیں بہت کرلائی تھیں بہت واویلا کیا تھا مگر ماورا نے کوئی ایک بھی کمزور اور جذباتی سین اپنے احساسات کے قریب نہیں آنے دیا تھا' وہ ان کی طرف سے مکمل طور پہ بے بہرہ ہو چکی تھی اور بی گل کی لاتعلقی کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی ان کی طرف سے لاپروا ہو گئی تھیں۔ عافیہ بیگم سچ مچ بستر سے لگ گئیں کیوں کہ ماورا نے سچ مچ بغاوت کا اعلان کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا اب تک ناراض ہو۔۔۔؟"
آفاق نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنے برابر بیٹھی فارہ سے پوچھا۔ ان دونوں کے بیچ شادی کی پہلی رات سے ہی اک کھنچاؤ اور ناراضی سی چلی آ رہی تھی جس کو آفاق نے بارہا ختم کرنے کی کوشش کی مگر نہیں کر سکا تھا۔ کیوں کہ فارہ کوئی رسپانس ہی نہیں دیتی تھی۔
"نہیں۔۔۔! میری آپ سے کوئی ناراضی نہیں ہے۔" اس نے ہنوز لاتعلقی سے جواب دیا۔
"تو پھر کس سے ناراض ہو؟" آفاق نے گردن موڑ کر ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھا' وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
"شاید اپنے آپ سے۔۔۔" وہ یوں مدھم آواز میں بول رہی تھی جیسے اپنے آپ سے بات کر رہی ہو۔
"اپنے آپ سے کیوں۔۔۔؟" آفاق نے ہاتھ بڑھا کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا جس پہ مہندی کے مدھم سے نقش و نگار ابھی بھی موجود تھے۔
"کیوں کہ ہر بار بہل جاتی ہوں' کبھی معافی سے' کبھی تلافی سے۔۔۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔
"تو اس میں ناراضگی والی کیا بات ہے۔ یہ تو تمہاری محبت ہے کہ تم ہر بار بہل جاتی ہو۔۔۔ کیوں کہ محبت تو بہلنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔" آفاق نے اس کی بات کو اپنے ہی طریقے سے لیا تھا۔
"اور آپ کی محبت۔۔۔ وہ کیا کرتی ہے۔۔۔ یہ کبھی سوچا آپ نے۔۔۔؟" فارہ نے طنز کیا۔
"سوچتا ہوں۔۔۔ اکثر سوچتا ہوں۔ میری محبت بھی تمہاری محبت سے کم نہیں ہے۔ غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی کبھی معافی اور کبھی تلافی کرتی ہے' کبھی دوسروں کے سامنے اور کبھی تمہارے سامنے بے وجہ ہی شرمندہ کرتی رہتی ہے۔" آفاق آہستگی سے کہتے ہوئے ہنسا اور پھر سر جھٹک دیا۔
"بے وجہ۔۔۔ یہ سب بے وجہ ہے؟" فارہ غصے سے متوجہ ہوئی۔
"ہاں۔۔۔ بے وجہ ہی تو ہے۔۔۔ اس میں میری کوئی دانستہ غلطی تو نہیں تھی۔ مجھے اپنے دوست کی وجہ سے اچانک

جانا پڑ گیا تھا۔" آفاق نے پھر وہی بہانہ سامنے رکھا۔
"کس دوست کی وجہ سے آپ کو اچانک جانا پڑ گیا تھا۔ کیا مجھے اس دوست سے ملوا سکتے ہیں آپ۔۔۔؟" فارہ نے اس کی طرف رخ موڑتے ہوئے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔
"یعنی تمہیں مجھ پہ یقین نہیں ہے۔۔۔؟"
"آپ نے بے یقین ہی اتنا کر دیا ہے کہ اب یقین کرنا بھی چاہوں تو دل نہیں مانتا۔" فارہ کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا اور آفاق نے بے ساختہ گاڑی کو بریک لگایا۔
"فارہ پلیز۔۔۔! کیوں اتنی چھوٹی سی بات پہ اتنی ٹینشن لے رہی ہو۔۔۔؟ پلیز بات مانو۔۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" آفاق نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی سمت موڑا۔
"یہ اتنی چھوٹی سی بات نہیں ہے آفاق۔۔۔! میں کیسے یقین کر لوں کہ شادی کی رات آپ کے کسی دوست نے آپ کو بلایا اور آپ اٹھ کر چلے گئے۔۔۔ آپ کے موبائل پہ آپ کے دوست کی کال آئی' موبائل بجا' آپ نے بات کی اور مجھے پتا ہی نہ چلا۔۔۔ حالانکہ سوئے ہوئے زیادہ دیر تو نہیں گزری تھی؟" فارہ نے بہت سے نکتے اٹھا ڈالے تھے جن کا جواب آفاق کے پاس واقعی نہیں تھا۔
"بتائیں آفاق۔۔۔؟ مجھے آپ کے دوست کی کال کا پتا کیوں نہیں چلا۔۔۔ اور اگر میں یہ مان بھی لوں کہ میں گہری نیند سو رہی تھی اور مجھے پتا نہیں چلا تو اس بات کا آپ کیا جواز پیش کریں گے کہ آپ کا موبائل گھر پہ کیوں تھا۔۔۔؟ اگر آپ کا دوست پریشانی میں تھا' مشکل میں تھا' پولیس کیس تھا تو پھر آپ کو اپنا موبائل اپنے ساتھ لے کر جانا چاہیے تھا۔ آپ کو موبائل کی کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی۔ پھر بھی آپ موبائل لے کر نہیں گئے۔۔۔ کیوں آفاق۔۔۔؟" فارہ اب اونچی آواز میں چیخ اٹھی تھی۔
"میں جلدی میں تھا فارہ۔۔۔ مجھے موبائل لے جانا یاد ہی نہیں رہا۔" آفاق اسے بار بار سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔
"جھوٹ مت بولیں آفاق۔۔۔ آپ اگر جلدی میں تھے تو اپنے موبائل سے اپنے دوست کی کال کا ریکارڈ ڈیلیٹ کرنا کیسے یاد رہا آپ کو۔۔۔؟" اس نے ایک اور پوائنٹ نکالا۔
"ریکارڈڈ ڈیلیٹ کرنا۔۔۔؟" آفاق کو اچنبھا ہوا۔
"ہاں ریکارڈڈ ڈیلیٹ کرنا۔۔۔ آپ کے دوست کی جو کال آئی تھی۔ وہ آپ کے کال لاگ میں ہونی چاہیے تھی نا۔۔۔؟ اور اگر آپ نے ڈیلیٹ نہیں کی تو ظاہری بات ہے کہ کال آئی ہی نہیں تھی' آپ جہاں بھی گئے تھے اپنی مرضی سے گئے تھے اور مجھ کو بتائے بغیر مجھ سے چوری گئے تھے۔"
اس نے آخر میں بات ہی ختم کر ڈالی تھی اور آفاق چپ کا چپ رہ گیا تھا۔ اندر سے پریشان بھی ہوا تھا کہ فارہ نے کہاں تک سوچ لیا تھا۔
"دیکھو فارہ۔۔۔ پلیز۔۔۔ فی الحال کوئی بھی ٹینشن مت لو۔۔۔ میں اس وقت تمہیں صرف اس لیے اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں تاکہ تمہارا الجھا ہوا ذہن کچھ فریش ہو سکے' لیکن یوں گھر سے باہر آ کر بھی اگر تم یہی سب کچھ سوچتی رہو گی تو تمہارا ذہن فریش ہونے کے بجائے مزید الجھتا جائے گا۔۔۔ سو۔۔۔ پلیز۔۔۔ پلیز بس کرو اب۔۔۔"
آفاق نے پھر اسے بہلایا تھا اور فارہ نے سر جھٹک دیا۔
"اوکے۔۔۔! میں کچھ نہیں کہتی اور کوئی ٹینشن نہیں لیتی' لیکن پلیز آپ بھی اس ٹاپک پہ کوئی بات مت کریں۔" اس نے آفاق کو مزید صفائی دینے سے روکا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اوکے۔۔۔ نہیں کروں گا' لیکن تم پلیز اپنا موڈ تو ٹھیک کرو۔۔۔" آفاق نے کہتے ہوئے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی تھی۔

"میرا موڈ ٹھیک ہے۔۔۔ آپ گھر چلیں۔" اس کے موڈ میں بے زاری اور کوفت تھی۔

"گھر۔۔۔؟ لیکن میں تو کھانا کھانا چاہ رہا تھا۔" آفاق کو اچنبھا ہوا۔

"گھر جا کر کھا لیجیے گا۔"

"فارہ۔۔۔!"

"پلیز آفاق! مجھے گھر جانا ہے۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔

☼ ☼ ☼

"عزت۔۔۔!" وہ اپنی دھن میں مگن کہیں جا رہی تھی جب تیمور نے اسے آواز دے کر روکا۔

"جی بھائی۔۔۔!" وہ اس کی طرف پلٹی۔ تیمور لان میں بیٹھا چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔۔۔!" اس نے اپنے مقابل کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا اور مجبوراً" عزت اپنا کہیں جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے آکر اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

"بڑے فارغ نظر آرہے ہیں آج کل۔۔۔ خیریت۔۔۔؟" عزت نے اسے ہمیشہ مصروف ہی دیکھا تھا' لیکن پچھلے کچھ عرصہ سے وہ اکثر فارغ نظر آنے لگا تھا جس کو اپنی لاپروائی کے باوجود عزت نے بھی نوٹ کیا تھا اور کہہ بھی دیا تھا۔

"بس۔۔۔! کیا کروں۔۔۔ کام کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔" وہ چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے مسکرایا اور اس کی اس ذو معنی سی مسکراہٹ پہ عزت کے ذہن میں بھی ایسی ہی ذو معنی سی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

"اچھا۔۔۔! تو پھر کیا کرنے کو دل چاہتا ہے۔۔۔؟"

"محبت کرنے کو دل چاہتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں کہہ کے رہ گیا۔

"بتائیں نا۔۔۔ کیا کرنے کو دل چاہتا ہے۔۔۔؟" وہ اصرار کرنے لگی۔

"تم سے لڑائی کرنے کو دل چاہتا ہے۔" کچھ نہ سوجھا تو اس نے یہ کہہ دیا اور عزت اس کا جواب سن کر پہلے حیران ہوئی' پھر مسکرائی اور پھر اسی بات کو سوچتے ہوئے یک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اوہ۔۔۔! تو مجھ سے لڑائی کرنے کو دل چاہتا ہے آپ کا۔" وہ کافی کھل کر ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں۔۔۔!" وہ بڑی معصومیت سے سر ہلا رہا تھا۔

"مگر کس بات پہ۔۔۔؟" اب وہ بھی دلچسپی کی انتہا پہ تھی۔

"بس ایویں۔۔۔ بلاوجہ۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔

"اوں ہوں۔۔۔! بلاوجہ کی لڑائی بھی کوئی لڑائی ہوتی ہے بھلا۔۔۔؟ لڑنے کا بھی مزا نہیں آتا۔ ہاں اگر آپ کا سچ مچ لڑنے کو دل چاہ رہا ہے تو ابھی کوئی وجہ کری ایٹ کر لیتے ہیں کوئی برا سا ٹاپک رکھ لیتے ہیں۔" وہ بھی میدان میں اتر چکی تھی اور تیمور اس کے انداز پہ مسکرا اٹھا تھا۔

"برا سا کیوں۔۔۔؟ اچھا سا کیوں نہیں۔۔۔؟"

"اچھے ٹاپک پہ لڑائی نہیں ہوتی۔" عزت نے جواز سمجھایا۔

"ہوں۔۔۔! یہ بات بھی درست ہے۔" اس نے اتفاق کیا۔

"اوکے۔۔۔! تو پھر جلدی شروع کریں۔۔۔ پھر مجھے کہیں جانا بھی ہے۔" عزت نے اسے لڑنے کے لیے اکسایا۔

"جانا کہاں ہے۔۔۔؟"

"شاپنگ پہ۔۔۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"ارے۔۔۔! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔۔۔ میں بھی تم سے شاپنگ کے لیے ہی کہنے والا تھا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟ شاپنگ کے لیے کہنے والے تھے۔۔۔؟" عزت نا سمجھی سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ دراصل آج ولید کی چھوٹی سسٹر کا برتھ ڈے ہے' کبھی کبھار اس سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ بھی مجھے بھائی ہی کہتی ہے۔ اس لیے سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ آج میں بھی اس کی خوشی میں شریک ہو جاؤں اور اسے سرپرائز دوں۔" تیمور نے اسے اک نئی بات بتا کر چونکا دیا تھا۔

"ولید کی چھوٹی سسٹر کا برتھ ڈے۔۔۔!" اس کی سوچ اب کہیں سے کہیں جا پہنچی تھی۔

"کیا خیال ہے۔۔۔ میرے ساتھ چلو گی شاپنگ پہ۔۔۔؟" اب تیمور نے اسے چونکانے کے بعد متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"دراصل مجھے لڑکیوں کی شاپنگ کا کچھ سینس نہیں ہے نا اس لیے۔۔۔ وہ تو ہے بھی کافی چھوٹی۔۔۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا لوں اور کیا نہ لوں۔۔۔؟"

"آپ ان کے گھر جائیں گے۔۔۔؟" اس نے اصل نکتہ اٹھایا۔

"آف کورس۔۔۔! اسے سرپرائز دینا ہے تو اس کے گھر ہی جانا پڑے گا نا۔۔۔؟" وہ لاپروائی سے بولا۔

"کیا میں بھی جا سکتی ہوں ان کے گھر۔۔۔؟" عزت نے جھجکتے ہوئے سوال پوچھا۔

"ارے ڈیٹس گریٹ یار۔۔۔! مزا آئے گا۔۔۔ تم ضرور چلو۔۔۔ اس طرح آنٹی بھی خوش ہوں گی۔" تیمور کو اس کا ارادہ اچھا لگا تھا۔ فوراً" ہاں میں ہاں ملائی۔

"تو پھر میں بھی اس کے لیے گفٹ لے لوں۔۔۔؟"

"ارے۔۔۔! بالکل۔۔۔ ضرور لو۔۔۔ گفٹ لینے اور دینے سے تو محبت اور بھی بڑھتی ہے۔ اچھا لگے گا۔ وہ خوش ہو جائے گی۔ ولید بھی۔"

"اوکے۔۔۔! تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ چلتے ہیں۔" عزت فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے چائے تو ختم کر لینے دو۔۔۔" تیمور نے اسے روکا۔

"اب ریسٹورنٹ سے پی لیجیے گا۔۔۔ چلیے۔۔۔ اٹھیے۔۔۔" اس نے تیمور کے پاس آتے ہوئے تیمور کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتے ہوئے اٹھانے کی کوشش کی۔

"اچھا بابا۔۔۔ چلتا ہوں۔۔۔ ایک منٹ ٹھہرو تو سہی۔۔۔" تیمور ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کا تو شاپد لڑنے کو دل چاہ رہا تھا۔" گاڑی روڈ پہ آتے ہی عزت نے شرارت سے اسے چھیڑا تھا۔

"لڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بلکہ تمہارے ساتھ مل کر موج مستی کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔" تیمور مسکراتے ہوئے بولا اور جواباً" عزت بھی ہنس پڑی کیوں کہ ایسی موج مستی پہ تو اس کا دل بھی خوش ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یار۔۔۔! یہ ان میں کیسی ہوا بھر رہے ہو تم۔۔۔؟ پھولتے جا رہے ہیں۔۔۔ پھولتے جا رہے ہیں۔۔۔ پھٹ ہی نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہے۔۔۔؟" ولید نے غباروں میں ہوا بھرتے وحید کو حیرات اور تعجب سے دیکھا۔

"یہ میرے منہ سے لگ کر امر ہوتے جا رہے ہیں۔" وحید نے غبارے کو گرہ لگاتے ہوئے فخریہ سے انداز میں کہا۔

"ہاہاہا۔۔۔! منہ نہ ہوا۔۔۔ آب حیات ہو گیا۔" ککو کمرے سے نکلتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

"ہاں۔۔۔! تو ہے نا آب حیات۔۔۔ یقین نہیں آتا تو ان غباروں کو دیکھ لو۔" وحید نے اپنے آس پاس بکھرے بے حد پھولے ہوئے غباروں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تمہارے منہ کا کمال نہیں ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ بھائی غبارے ہی اچھی کوالٹی کے لائے تھے۔" ککو نے وحید کا منہ چڑایا۔ وحید تلملا کر رہ گیا۔

"ککو کی بچی۔۔۔! میں نے تمہاری خاطر اپنی قیمتی سانسیں خرچ کر کے ان میں ہوا بھر بھر کے پورا صحن بھر دیا ہے اور تمہیں پھر بھی یہی فخر خوش کر رہا ہے کہ بھائی غبارے اچھی کوالٹی کے لائے ہیں۔" وحید بھی دانت کچکچانے لگا تھا۔

"ویسے کام تو تمہیں بہت اچھا ملا ہے۔۔۔ ہوا بھرنے کا۔" ککو نے مذاق اُڑایا۔ وحید اسے پکڑنے کے لیے لپکا' لیکن ہاتھ میں پکڑا غبارہ چھوٹ گیا تھا اور اس کی ہوا نکل گئی تھی اور ساتھ ہی پاؤں کے نیچے آجانے کی وجہ سے دو غبارے بھی پھٹ گئے تھے۔

"لو۔۔۔ ہو گئے امر۔۔۔" ککو بے ساختہ ہنسی۔

"لو۔۔۔ یہ رہی اچھی کوالٹی۔۔۔" وحید نے بھی تمسخرانہ انداز میں پاؤں پٹخا ان دونوں کی نوک جھونک پہ دیوار کے ساتھ کرسی رکھ کے کرسی پہ کھڑے ہو کر دیوار اور چھت کے ساتھ غبارے لگاتے ولید کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"ارے بیٹا۔۔۔! تم تو ایسے تیاری کر رہے ہو جیسے ہمارے گھر بہت سے مہمان آنے والے ہوں۔" زبیدہ بیگم نے استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے ان تینوں کے اتنے جوش و خروش اور اتنی تیاری پہ چوٹ کی۔

"اور وہ بھی ولید بھائی کی سسرال سے۔۔۔" وحید نے اب بڑے بھائی کو نشانے پہ رکھا۔

"سانسیں تو تمہاری خشک ہو رہی ہیں ہوا بھر بھر کے۔۔۔؟" ولید نے بھی مذاق اڑایا۔

"میں نے تو صرف ہوا بھری ہے' مگر آپ تو غباروں کے ساتھ غبارہ ہی ہو گئے ہیں' دیوار سے لٹک گئے ہیں۔"

وحید بھی آخر اسی کا بھائی تھا۔ سیر کو سوا سیر ثابت ہونے والا۔۔۔!

"جب تمہاری سسرال سے کوئی آیا تو تم چھت سے لٹکو گے۔۔۔ آثار تو ہمیں پہلے ہی نظر آرہے ہیں۔" ولید نے اس کے پٹر پٹر بولنے پہ طنز کیا تھا' لیکن اس سے پہلے کہ جواباً" وحید بھی مزید گل افشانی کرتا اتنے میں باہر دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ چاروں ہی چونک گئے۔

"لیں جی۔۔۔ آگئے آپ کی سسرال والے۔۔۔" وحید نے مسکراتے ہوئے شرارت سے اشارہ کیا۔

"بکواس نہیں کرو۔۔۔ جاؤ دیکھو باہر کون ہے۔" ولید نے اسے گھورا اور وحید پھر بھی مسکرانے سے باز نہیں آیا تھا۔

"اٹس اوکے۔۔۔! آپ دیوار سے ٹنگے رہیں۔۔۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا اور ولید اس کی شرارت پہ مسکراتے ہوئے پلٹ کر دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

لیکن اُدھر بڑے ہی بے نیاز انداز میں دروازہ کھولنے والا وحید اپنے سامنے کھڑے تیمور حیدر اور ایک لڑکی کو

دیکھ کر سچ مچ گڑبڑا گیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔! کیسے ہو۔۔۔؟" تیمور نے ہی اسے متوجہ کیا۔

"السلام علیکم۔۔۔!" "ج۔۔۔ جی۔۔۔ ٹھیک ہوں۔۔۔ آ۔۔۔ آپ۔۔۔ آئیں نا۔۔۔ اندر آجائیں۔۔۔" وہ اس کے متوجہ کرنے پہ چونکا اور ہکلا گیا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! ولید ہے گھر پہ۔۔۔؟" تیمور ولید کی غیر موجودگی میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

"جی۔۔۔! گھر پہ ہی ہیں۔۔۔ آپ آجائیں پلیز۔۔۔" وحید کہتے ہوئے سامنے سے ہٹ گیا اور تیمور عزت کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"وحید۔۔۔! کہاں چلے گئے ہو۔۔۔ کون ہے باہر۔۔۔؟" ولید اپنے کام میں مصروف ابھی تک غبارے لٹکا رہا تھا۔

"آپ کے دوست۔۔۔" وحید کی دھیمی سی آواز سنائی دی تھی۔

"کون۔۔۔ تیمور۔۔۔؟" ولید نے چونک کر پیچھے مڑ کے دیکھا اور پھر جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔ تیمور تو تیمور۔۔۔ تیمور کے ساتھ کھڑی عزت حیدر بھی بڑی دلچسپی اور بڑے مزے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ ماشاء اللہ۔۔۔ بہت اچھے لگ رہے ہو۔" تیمور اسے ذرا ستائشی انداز میں سراہتے ہوئے آگے بڑھ آیا۔

"تھینک یو۔۔۔!" ولید خود پہ ہونے والے اس اچانک حملے کے بعد بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کمپوز کرتا کرسی سے نیچے اتر آیا۔

"السلام علیکم آنٹی۔۔۔!" تیمور اب اسے چھوڑ کر زبیدہ بیگم کی طرف متوجہ ہوا۔ اور زبیدہ بیگم آگے بڑھ کے کافی خوش دلی سے اس سے ملی۔

"السلام علیکم۔۔۔!" عزت نے بھی کافی مدھم آواز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! آؤ بیٹھو۔۔۔" انہوں نے اس کے ماتھے پہ پیار کرنے کے بعد کرسی کی طرف اشارہ کیا جبکہ عزت ان کے اتنے محبت بھرے انداز پہ مسرور سی ہو گئی۔ اور ولید ان دونوں کا یہ محبت بھرا سین دیکھ کر نظریں چُرا گیا۔

"یہ ککو کے لیے۔۔۔ ککو ادھر آؤ۔۔۔" تیمور نے ایک طرف کھڑی ککو کو خود ہی مخاطب کیا۔ وہ عزت کی وجہ سے جھجکتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" تیمور نے اس کا رخسار تھپکتے ہوئے بہت پیار اور نرمی سے پوچھا۔

"جی۔۔۔ ٹھیک ہوں۔" اس نے اپنا چہرہ بے حد جھکا رکھا تھا۔

"ٹھیک ہو تو پھر چہرہ اوپر کرو۔۔۔ اور ادھر میری طرف دیکھو۔" تیمور نے اسے اپنی طرف دیکھنے پہ اکسایا۔

"جی۔۔۔" اس نے بمشکل چہرہ اوپر کرنے کی ہمت کی تھی اور تیمور اس کے انداز پہ یکدم قہقہہ لگا کر ہنسا اس کے ہنسنے پہ باقی سب بھی مسکرا دیے۔

"گڈ۔۔۔! نائس بے بی۔۔۔" تیمور نے پیار سے کہتے ہوئے اسے گفٹ تھمایا۔ "ہیپی برتھ ڈے۔۔۔" ساتھ ہی اسے وش بھی کیا۔

"تھینک یو بھائی۔۔۔" وہ گفٹ دیکھ کر خوش ہوئی تھی زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ تیمور نے اسے یاد رکھا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے۔۔۔" عزت نے بھی آگے بڑھ کے اسے اپنی طرف سے ایک گفٹ تھمایا تو ککو پھر جھجک گئی تھی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ارے۔۔۔ لے لو بیٹا۔۔۔ یہ بھی تمہاری سسٹر ہی ہے۔" تیمور نے اسے اکسایا۔
"سسٹر۔۔۔؟" ککو نے اسے پہچانا نہیں۔
"ہاں گڑیا۔۔۔! یہ میری سسٹر ہے تو پھر تمہاری بھی تو سسٹر ہوئی نا۔۔۔؟"
"یہ آپ کی سسٹر ہیں۔۔۔؟" ککو نے یک دم بڑے شوق اور بڑے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔
"تو بیٹا۔۔۔ آپ کے خیال میں۔۔۔ میں اپنی کسی گرل فرینڈ کو ساتھ لیے پھر رہا ہوں۔۔۔؟" تیمور مسکرایا اور ککو اس کی بات پہ پہلے زور سے ہنسی پھر شرمندہ ہو کے رہ گئی تھی۔
"ایم سوری بھائی۔۔۔!" اس نے معذرت کی۔
"اٹس اوکے۔۔۔! میں آپ کے بھائی جیسا کمینہ نہیں ہوں۔" تیمور نے آخری جملہ ذرا دبے لفظوں میں کہا تھا۔ لیکن قریب کھڑی عزت اور ولید نے با آسانی سن لیا تھا' عزت کے کان کھڑے ہو گئے۔ تیمور نے اس پہ یہ چوٹ کیوں کی' کیا اس کی کوئی گرل فرینڈ بھی ہے۔۔۔؟
عزت نے وہیں کھڑے کھڑے اندازے لگانے شروع کر دیے۔
"کیا بات ہے آج بڑی مستی سوجھ رہی ہے تمہیں۔۔۔؟" ولید اس کے چہرے کی اور اس کے لہجے کی خوشی فوراً ہی بھانپ گیا۔
"ہاں یار۔۔۔! مجھے خود بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔" تیمور مسکرایا۔
"وجہ۔۔۔؟" وہ عزت اور ککو کے وہاں سے ہٹتے ہی استفسار پہ اتر آیا تھا۔
"سنگدلوں کی عدالت میں میری درخواست منظوری پا گئی ہے۔" تیمور کے مبہم سے جواب پہ وہ بے ساختہ چونکا۔

"مطلب۔۔۔؟" ولید کو حیرانی ہوئی۔
"مطلب وہی ہے جو تم سمجھ چکے ہو۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔
"یعنی قبولیت پا گئے ہو۔۔۔؟" ولید چہکا۔
"بس اللہ کا احسان ہے۔" تیمور عاجزی سے بولا۔
"تو پھر کب۔۔۔؟" اس نے اس کے آنے کے بارے میں پوچھا۔
"بہت جلد۔۔۔!" وہ دونوں گفتگو اس انداز میں کر رہے تھے کہ کوئی اور سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔
"واہ جی واہ۔۔۔! پھر تو تم مبارک باد کے حق دار ہوئے۔۔۔"
"خیر مبارک۔۔۔" تیمور بھی آج بڑے موڈ میں۔
"بھائی! لائٹ چلی جائے گی' ککو سے کہیں کیک جلدی کاٹ لے' پھر سب کچھ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔" وحید نے ولید کے ادھورے چھوڑے ہوئے کام کو مکمل کرتے ہوئے دہائی دی تھی۔
"ارے ہاں بیٹا۔۔۔! یہ تو صحیح کہہ رہا ہے۔۔۔ چلو بیٹھو تم لوگ۔۔۔ ککو! تم میرے ساتھ آؤ کچن میں۔۔۔" زبیدہ بیگم ولید اور تیمور کو بیٹھنے کا اشارہ کرتیں' ککو کو ساتھ لیے کچن میں چلی گئی تھیں۔
"آپ بھی بیٹھیں نا۔۔۔" وحید عزت کے لیے کرسی کھینچ لایا۔
"تھینک یو۔۔۔! لیکن میں وہاں بیٹھنا چاہتی ہوں۔" عزت نے صحن میں بچھی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔
"چارپائی پہ۔۔۔؟" وحید جھجکا۔
"ہاں۔۔۔! آن فیکٹ میں کبھی چارپائی پہ بیٹھی نہیں نا اس لیے۔۔۔" عزت کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"اوکے۔۔۔! ادھر بیٹھ جائیے۔۔۔" وحید کندھے اچکاتے ہوئے صحن میں آ گیا اور اس کے پیچھے عزت بھی برآمدے سے صحن میں آ گئی۔
"پلیز۔۔۔!" وحید نے اشارہ کیا۔
"تھینکس۔۔۔!" وہ مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی۔
"ویلکم میم۔۔۔!" جواباً وہ بڑے موزب سے انداز میں بولا۔
"میم۔۔۔؟" وہ ٹھٹکی۔
"جی۔۔۔! تو اور کیا کہوں۔۔۔ مجھے تو آپ کا نام ہی نہیں پتا۔۔۔ اور ویسے بھی آپ مجھ سے بڑی ہیں۔"
"اوہاں۔۔۔! میرا نام عزت حیدر ہے۔۔۔ تم مجھے عزت بھی کہہ سکتے ہو۔" وہ لاپروائی سے بولی۔
"عزت نائس نیم۔۔۔ بٹ میں آپ کو عزت نہیں کہہ سکتا۔۔۔ ہاں اگر آپ اجازت دیں تو عزت آپی ٹھیک رہے گا۔" ان دونوں کی اپنی ہی گپ شپ شروع ہو چکی تھی۔
"اوکے۔۔۔ اجازت ہے۔۔۔ کہہ سکتے ہو۔" وہ مسکرائی۔
"تھینک یو۔۔۔!" وحید خوش ہوا۔
"پڑھتے ہو۔۔۔؟" ان کی بے تکلفی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ ولید تیمور سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کن انکھیوں سے انہیں بھی دیکھ رہا تھا جو وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی بات پہ مسکرا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

عزت تیمور کے ساتھ گاڑی سے اتر کر ابھی اندر آئی ہی تھی کہ اس کا سیل فون بجنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے جونہی سیل فون نکال کر دیکھا' حیران رہ گئی تھی۔ ولید کال کر رہا تھا۔
"ہیلو۔۔۔!" کال بند ہونے ہی والی تھی کہ اس نے کال ریسیو کر لی۔
"السلام علیکم۔۔۔!" دوسری طرف سے ولید کی ٹھہری ہوئی سی آواز سنائی دی۔
"وعلیکم السلام۔۔۔! آپ کون۔۔۔؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنی۔
"میں ولید۔۔۔ ولید رحمان بات کر رہا ہوں۔" اس کی آواز کا ٹھہراؤ ہنوز تھا۔
"کون ولید رحمان۔۔۔؟" وہ بڑے سکون سے کہتی سیڑھیاں طے کر کے اوپر اپنے بیڈ روم میں آ گئی اور بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی اپنا پرس بیڈ پہ اچھال دیا۔
"تیمور کا دوست۔۔۔" اس کے پاس بھی وہی پرانا حوالہ تھا۔
"اوہ اچھا۔۔۔! وہ ولید۔۔۔؟" وہ جیسے کچھ یاد آنے پہ بولی تھی۔
"جی۔۔۔! وہی ولید۔۔۔" وہ بھی اسی کے سے انداز میں زور دے کر بولا تھا۔
"اوکے۔۔۔! کہیے۔۔۔ کیسے یاد کیا آپ نے۔۔۔؟" وہ بات کرتے کرتے خود بھی بہت مزے سے بیڈ پہ لیٹ گئی۔
"آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے۔"
"کس بات کا۔۔۔؟" وہ نا سمجھی سے بولی۔
"میرے گھر آنے کے لیے اور ککو کے لیے گفٹ لانے کے لیے۔۔۔" ولید کو ان دونوں بہن بھائی کا اتنی اپنائیت اور اتنے خلوص سے آنا اور ان کی اس چھوٹی سی خوشی میں شریک ہونا بہت اچھا لگا تھا۔ زبیدہ بیگم وحید اور ککو کو بھی ان دونوں کی آمد پہ بہت خوشی ہوئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

"لیکن اس بات کے لیے آپ کو شکریہ ادا نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ہم آپ کے لیے نہیں آئے تھے۔ ہم تو ککو کے لیے آئے تھے اور ککو کو شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ ہمارے لیے ہماری سسٹر ہی ہے۔" عزت نے بڑی لاپروائی سے کہتے ہوئے ولید کو لاجواب کر دیا تھا۔

"آپ لوگ ایسا سوچتے ہیں میں تو اس کے لیے بھی آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔"

"ہم لوگ تو ایسا سوچتے ہی ہیں۔۔۔ آپ بتائیں آپ کیا سوچتے ہیں؟" عزت کی پرانی رگ پھڑکی۔

"کیا مطلب؟" وہ سمجھ نہ سکا۔

"یہی کہ کیا آپ بھی تیمور بھائی کی سسٹر کو اپنی سسٹر سمجھتے ہیں؟" اس نے ولید کو کرنٹ لگا دیا تھا۔

"لاحول ولا۔۔۔!" وہ دل ہی دل میں پڑھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا بتایا نہیں آپ نے۔۔۔؟" وہ اس سے اگلوانا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر۔۔۔ کافی ٹائم ہو چکا ہے۔۔۔ میں فون بند کرتا ہوں۔" وہ صاف ٹال گیا تھا اور عزت شرارت سے اپنا ہونٹ دباتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"اوکے۔۔۔! سمجھتے رہیں۔۔۔ لیکن تیمور حیدر کی بہن آپ کو اپنا بھائی ہرگز نہیں سمجھتی کیوں کہ وہ ککو جیسی اچھی بچی نہیں ہے۔" عزت نے بڑی لاپروائی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

لیکن چند سیکنڈز کے توقف کے بعد کچھ سوچتے ہوئے اس نے پھر سیل فون اٹھایا اور اس کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو۔۔۔!" ولید آج کچھ نارمل ہی پیش آ رہا تھا۔

"میں نے آپ کو بتانا تھا کہ بہرحال جو کچھ بھی تھا مجھے آپ لوگوں کے گھر آنا، ککو، وحید اور آنٹی سے ملنا، آپ کی کار کردگی دیکھنا اور چارپائی پہ بیٹھنا بہت اچھا لگا۔ آپ کے گھر میں گزری ہوئی آج کی شام میرے لیے ہمیشہ ایک خاص اور یادگار شام رہے گی۔"

عزت نے خاصے کھلے دل سے اظہار کیا تھا۔ ولید کو یہ سب سن کر اندر سے حقیقتاً "بہت خوشی محسوس ہوئی تھی۔

"تھینکس اگین۔۔۔!"

"ویلکم۔۔۔!" عزت نے بڑے نرم سے انداز میں مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج صبح سے ہی کراچی کا موسم قدرے ابر آلود ہو رہا تھا۔

اور اس ابر آلود موسم کا اثر تمام شہریوں کے مزاج پہ بہت اچھا ثابت ہوا تھا۔

اکثر دفاتر میں لوگ کام چھوڑ کر کھڑکیوں اور دروازوں سے باہر جھانک کر موسم سے لطف اندوز ہونے کے خواہش مند نظر آ رہے تھے، لیکن افسوس کہ پورا دن بارش نہیں برسی تھی، لیکن جیسے ہی شام کا وقت ہوا بارش کی راگنی بھی شروع ہو گئی تھی۔

تیمور کا ارادہ فارہ کی طرف جانے کا تھا لیکن پھر ان لوگوں کی انجوائے منٹ کا خیال کر کے اس نے اپنا ارادہ بدلا اور سیدھا گھر آ گیا اور پورچ سے بھیگتے ہوئے اور بچتے بچاتے ہوئے وہ تقریباً "بھاگتا ہوا اندر آیا تھا۔

"ارے سنبھل کے بیٹا سنبھل کے۔۔۔ کہیں پاؤں نہ پھسل جائے۔" کاریڈور سے باہر نکلتی رابعہ بیگم نے اسے بھاگنے سے روکا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"گڈ ایوننگ مام۔۔۔!" وہ انہیں دیکھ کر ٹھہرا۔
"جیتے رہو۔۔۔ خوش رہو۔"
"کہاں جارہی ہیں آپ۔۔۔؟" تیمور نے بالوں سے بارش کا پانی جھاڑتے ہوئے پوچھا۔
"عزت کی گاڑی دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی تک یونیورسٹی سے واپس نہیں آئی اور دیکھو شام ہورہی ہے۔" وہ قدرے پریشانی سے بولی تھیں۔
"ارے ڈونٹ وری مام۔۔۔! آجائے گی وہ۔۔۔ یقیناً "ساشا" وغیرہ کے ساتھ ہوگی۔۔۔ آپ اندر چلیے۔" تیمور نے ان کے کندھے کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے ان کا رخ دوبارہ کاریڈور کی سمت موڑ لیا تھا۔
"لیکن بیٹا۔۔۔! یہ بھی تو دیکھو نا کہ موسم کتنا خراب ہورہا ہے؟" ان کی پریشانی ہنوز تھی۔
"پلیز مام۔۔۔! آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہے یا پہلی دفعہ گھر سے باہر نکلی ہے؟" تیمور نے خفگی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ چلتے چلتے ڈرائنگ روم میں آگیا۔
"اسے جب بھی گھر آنے میں دیر ہوتی ہے مجھے اسی طرح پریشانی ہونے لگتی ہے' تم بھی تو جانتے ہو کہ کیسی سرپھری سی لڑکی ہے وہ' نجانے کب کیا کر بیٹھے۔ بس اسی وجہ سے ڈر لگا رہتا ہے مجھے۔"
"یہ لیں جناب۔۔۔ میں آگئی گھر۔۔۔ اب تو نہیں لگے گا نا آپ کو ڈر۔۔۔؟" عزت بھی بارش میں بھیگتی ہوئی اسی وقت اندر آئی تھی اور رابعہ بیگم کی آواز سن کر ڈرائنگ روم میں ہی آگئی تھی۔
"لیں۔۔۔ اب مطمئن ہوجائیں۔" تیمور عزت کی طرف پلٹتے ہوئے مسکرایا۔
"تو نہ ہوں؟ آخر ماں ہیں میری۔۔۔" عزت تیمور سے کہتی ہوئی رابعہ بیگم سے لپٹ گئی۔ اور اس کے یہ لاڈ پیار کبھی کبھار ہی ہوتے تھے۔
"تو میں کون سا کہہ رہا ہوں کہ دشمن ہیں؟" تیمور ہنسا تھا۔
"ارے واہ۔۔۔! یہاں تو بڑے جذباتی سین چل رہے ہیں؟" رضا حیدر بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ٹھٹک گئے تھے۔
"لیں جناب۔۔۔! میرے ابا جی بھی آگئے۔" عزت خاصے دیسی انداز میں چہکی اور وہ سب ہنسنے پہ مجبور ہوگئے تھے۔
"کہاں گئے تھے آپ۔۔۔ قیام بھائی کا فون آرہا تھا' انہوں نے ہمیں اپنے گھر دعوت پہ بلایا ہے' کہہ رہے تھے کہ ہم لوگ ان کے گھر نہیں گئے۔" رابعہ بیگم کے منہ سے قیام مرزا اور ان کے گھر دعوت کا ذکر سن کر عزت کا منہ کڑوا ہوگیا تھا۔
"ہاں۔۔۔! مجھے بھی کال آئی تھی اس کی۔۔۔" رضا حیدر نے بھی اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"میں ذرا چینج کرلوں۔" عزت لاتعلقی سے کہتی اٹھ گئی تھی۔ اسے مونس مرزا کی وجہ سے اس کے والدین سے بھی چڑ ہوگئی تھی۔
"او کے بابا۔۔۔! میں بھی چلتا ہوں۔۔۔ مجھے بھی چینج کرنا ہے۔" وہ بھی کہتے ہوئے باہر نکل آیا تھا۔
لیکن بیڈ روم میں پہنچ کر کپڑے چینج کرنے کے بعد جیسے ہی اس نے اپنے بیڈ روم کی کھڑکی کھولی' اس کے موڈ کا خوش گوار پرندہ سیدھا ماورا مرتضیٰ کی یاد کی منڈیر پہ جا بیٹھا تھا اور بڑی ترنگ سے چہچہانے لگا تھا۔
موسم کی خوش گواریت اس کے دل پہ اثر انداز ہورہی تھی اور اس کا دل سیل فون کی طرف ہمک رہا تھا۔۔۔ مگر افسوس کہ ادھر سے کال ہی ریسیو نہیں ہوئی تھی' وہ کتنی ہی بار کال کرتا رہا۔۔۔ مگر بے سود۔۔۔!

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں اپنے بستر پہ بے حد گہری نیند سو رہی تھی۔
جب ایک پانی کا قطرہ اس کے چہرے پر گرا تھا اور وہ گہری نیند سے کسمسائی تھی۔
پھر چند سیکنڈ کے توقف سے ایک اور قطرہ ٹپکا اور اگلے چند سیکنڈز میں ایک اور اور پھر یونہی اس کے کسمسانے اور ادھر ادھر سر مارنے کے بعد بھی یہ سلسلہ نہ رکا تو اس نے یک دم آنکھیں کھول دی تھیں اور پھر اپنے سوئے ہوئے دماغ کو حاضر کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ اور اس کے چہرے پہ یہ پانی کے قطرے کہاں سے ٹپک رہے ہیں؟
اور جیسے ہی اس نے نائٹ بلب کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی' اس کا دھیان کمرے کی چھت کی طرف چلا گیا۔
مسلسل ٹپکنے والے پانی کے یہ قطرے کہیں اور سے نہیں بلکہ چھت سے ٹپک رہے تھے۔
یعنی باہر بارش ہورہی تھی اور اس کے کمرے کی چھت ٹپکنا شروع ہوگئی تھی اور یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی' ایسا تو پہلے بھی کئی دفعہ ہوچکا تھا۔
"اف۔۔۔! یہ ایک نئی مصیبت ہے۔" وہ کمبل پیچھے ہٹا کر جھنجلاہٹ کے مارے بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
اس کا تکیہ اور کمبل کا کچھ حصہ بھی بھیگ چکا تھا۔ لیکن جب اس نے لائٹ آن کی تو وہ چیخ کے رہ گئی تھی۔
"اوہ مائی گاڈ۔۔۔! یہ کیا ہوگیا۔۔۔؟" کمرے کے ایک کونے میں انتہائی سلیقے سے سیٹ کیا گیا کمپیوٹر سسٹم پانی کے چھینٹوں سے شرابور نظر آرہا تھا۔
"ماورا۔۔۔! ماورا۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔ کیا ہوا ہے؟" عافیہ بیگم اپنی ساری خفگی اور ناراضی کہیں چھوڑ کر اپنے کمرے سے بھاگی چلی آئی تھیں۔
اور اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹ ڈالا تھا۔
"دیکھ لیں کیا ہوا ہے؟" اس نے آگے بڑھ کے دروازہ کھول دیا تھا اور عافیہ بیگم کمرے کا حشر دیکھ کر دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی رہ گئیں اس کا بستر اور کمپیوٹر پانی سے بھیگ رہا تھا اور فرش پہ بھی کہیں کہیں پانی کے چھینٹے سے نظر آرہے تھے۔
یوں لگ رہا تھا جیسے اس کمرے کی ساری چھت ہی چھلنی ہوگئی ہو' جگہ جگہ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔
"ارے کیا ہوگیا ہے؟ کیا اودھم مچا رکھا ہے تم ماں بیٹی نے۔۔۔؟" بی گل بھی بے چاری نیند سے اٹھ کر گرتی پڑتی آگئی تھیں۔
"جی۔۔۔ آجائیں۔۔۔ آپ بھی دیکھ لیں۔۔۔ یہ ہے ہماری اوقات اور یہ ہے ہمارا فیوچر۔۔۔" ماورا طنزیہ کہتی ہوئی انہیں بھی اندر لے آئی' بی گل چپ ہو کے رہ گئی تھیں۔
"ہونہہ۔۔۔! رات دو بجے کا ٹائم ہے۔ لوگ اس اندھا دھند بارش میں آرام سے اپنے بستروں میں سو رہے ہیں اور ہم بے وقوفوں کی طرح کھڑے حسرت سے اپنے بستروں کو دیکھ رہے ہیں۔ واہ کیا کمال کی سچویشن ہے؟" ماورا اندر ہی اندر تلملاتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی اور اس کی بڑبڑاہٹ سے دل ہی دل میں پریشان ہوتی عافیہ بیگم آگے بڑھ کے اس کا کمپیوٹر وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ پہ رکھنے لگیں۔ اور ماورا دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کے رہ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ کیوں کھڑی ہیں بی گل! آپ بھی اُن کی ہیلپ کیجیے۔ اتنا کام پڑا ہے آخر۔۔۔؟" ماورا جل کے بات کررہی تھی۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ کیوں کہ اسے پتا تھا کہ اس کی ماں رات کے اس پہر اتنی کوفت اٹھانے کے بعد بھی اف نہیں کرے گی۔

"اللہ کا نام لو میرا بچہ۔۔۔! باہر اتنی بارش ہورہی ہے' اتنا طوفان مچا ہوا ہے۔۔۔ ایسے موسم میں غصہ نہیں کرتے' بلکہ نرم پڑجاتے ہیں۔" بی گل نے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"بی گل۔۔۔! میں کیسے نرم پڑجاؤں۔۔۔؟ میں اس وقت گہری نیند سے اٹھی ہوں۔ صرف اس چھت ٹپکنے کی وجہ سے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ نرم پڑجاؤں؟" ماورا جھنجلائی تھی۔

"تو یہ غصہ کس پہ کررہی ہو۔۔۔؟ اپنے خدا پہ۔۔۔ جس کی وجہ سے یہ بارش ہورہی ہے۔۔۔ یا پھر اپنی ماں پہ۔۔۔ جس کی وجہ سے تمہارے سر پہ ایسی کمزور سی چھت ہے۔۔۔؟"

بی گل کو ہمیشہ اس پہ پیار ہی آتا تھا' لیکن اس وقت اس کا بے وجہ غصہ دیکھ کر انہیں بھی غصہ آگیا تھا۔

"یعنی مجھے اب غصہ کبھی نہیں کرنا چاہیے۔۔۔؟" وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بی گل کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"ہاں۔۔۔! نہیں کرنا چاہیے۔ رحمت اور زحمت سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اس میں کسی انسان کا کیا قصور ہے بھلا۔۔۔؟" بی گل نے اب ذرا تحمل سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اوکے۔۔۔! نہیں کرتی غصہ۔۔۔ لیکن یہ بتائیں کہ کیا ہم ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔۔۔؟ کیا ہمیں یہیں مرنا اور یہیں جینا ہے؟ کیا ہمیں اپنی قسمت اور اپنے حالات بدلنے کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں مارنے چاہئیں؟" وہ بھی اب کی بار کافی ضبط سے کام لیتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاتھ پاؤں مارو۔۔۔ ضرور مارو۔۔۔ لیکن یہ کون سا وقت ہے چیخنے چلانے کا۔۔۔؟" بی گل اور ماورا ہی ایک دوسرے سے الجھ رہی تھیں جبکہ عافیہ بیگم اس کا بستر اور کمپیوٹر وغیرہ اٹھانے اور سمیٹنے میں مصروف تھیں۔

"میں بھی تو اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ یہ کون سا وقت ہے کہ ہم سب کے سب چھت ٹپکنے کا تماشا دیکھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی اس وقت آرام۔۔۔"

"بس کرو ماورا۔۔۔ پلیز بس کرو۔۔۔ کس پہ چلا رہی ہو۔۔۔ کس لیے چلا رہی ہو۔۔۔ مجھ پہ نا۔۔۔ کیوں کہ میری وجہ سے تمہیں یہ سب برداشت کرنا پڑ رہا ہے' یہ بارش کا پانی۔۔۔ چھوٹا کمرا۔۔۔ یہ کوفت' یہ بے زاری۔۔۔ سب میری وجہ سے ہے نا۔ ورنہ تمہاری قسمت تو تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیتی۔۔۔ لیکن مجھ پہ چیخنے چلانے سے پہلے کبھی ایک بار یہ بھی تو سوچو کہ وہ لوگ بھی تو ہیں جن کے پاس یہ چھت بھی نہیں ہے۔ جو اتنی سی چھت کو بھی ترستے ہیں' جو کھلے آسمان تلے سوتے ہیں۔ تم تو صرف چھت ٹپکنے پہ چلا رہی ہو اور تمہاری برداشت سے باہر ہورہا ہے' ان لوگوں کو دیکھو جن کے اوپر چھت ہی آگرتی ہے اور پانچ پانچ۔۔۔ چھ۔۔۔ چھ۔۔۔ افراد جاں بحق ہوجاتے ہیں۔۔۔ لیکن پھر بھی تمہاری طرح کوئی ناشکری نہیں کرتا ہوگا اور نہ ہی اس طرح چلاتا ہوگا کیوں کہ انہیں اپنے ماں باپ سے یا اپنے خدا سے اختلاف نہیں ہوتا جبکہ تمہیں ہے اور وہ بھی صرف میری وجہ سے۔۔۔ لیکن فکر مت کرو۔۔۔ یہ سب آخری بار ہوا ہے۔۔۔ آئندہ نہیں ہوگا۔ تم کراچی جانا چاہتی ہو تو جاؤ۔۔۔ اپنی قسمت بنانا چاہتی ہو تو بناؤ۔۔۔ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

عافیہ بیگم یک دم جب زور زور سے بولنے پہ آئیں تو بولتی ہی چلی گئیں اور پھر سب کچھ وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اور وہ دونوں جوں کی توں اپنی جگہ پہ کھڑی رہ گئیں۔

بارش کے شور کے علاوہ ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا اور بجلی بھی چلی گئی تھی جس کی وجہ سے ہر طرف اندھیرا ہی

اندھیرا نظر آنے لگا تھا اور یوں وہ رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔

لیکن اس رات کی صبح بہت نرالی تھی۔ وہ کام با آسانی ہوگئے تھے جن کے لیے ماورا کو بہت سے پاپڑ بیلنے پڑتے' مگر وہ سارے کام اس ایک رات میں ہوگئے تھے۔

عافیہ بیگم نے اپنی بیس سالہ جاب سے استعفیٰ دے دیا تھا اور اپنا سامان باندھنا شروع کردیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں کل کراچی آرہی ہوں۔" ماورا کا لہجہ بہت سپاٹ سا محسوس ہورہا تھا' لیکن اس کے منہ سے نکلنے والے اتنے سے جملے سے ہی بے پناہ خوش ہونے والے تیمور حیدر کو اس کے سپاٹ لہجے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"اوکے۔۔۔! میں ریسیو کرنے کے لیے آجاؤں گا۔"

"نہیں۔۔۔ آپ نہیں۔۔۔ فارہ آئے گی۔ میں اسے کہہ دوں گی۔" اس نے منع کردیا تھا۔

"لیکن اس میں کیا پرابلم ہے بھلا۔۔۔؟" تیمور کو برا لگا تھا۔

"پرابلم ہے یا نہیں۔۔۔ بس فارہ آئے گی۔ آپ فلیٹ کی چابی اسے دے دیں اور میں پرسوں آفس جوائن کرلوں گی۔ میں جس کام کے لیے آرہی ہوں وہ جلدی اسٹارٹ کرنا چاہتی ہوں۔" ماورا کا انداز اور الفاظ دونوں ہی بہت دوٹوک سے ہورہے تھے۔

"اوکے۔۔۔! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" تیمور نے متبسم لہجے میں کہہ کر فون بند کردیا تھا اور چند سیکنڈ یونہی ایک خوش گوار حیرت کے زیر اثر رہنے کے بعد فارہ کا نمبر ڈائل کرکے یہ خوش خبری اسے بھی سنادی تھی۔

فارہ نے آج سے ہی آنے والے کل کے لیے تیاری شروع کردی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو
نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں
میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

شریک سفر
زہرہ ممتاز
قیمت -/550 روپے

ساری بھول ہماری تھی
راحت جبیں
قیمت -/300 روپے

ملنے کا پتا: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نیو وکی لائبریری اینڈ فریمنگ شاپ
ساؤنڈ سسٹم اور ایجنسی کی سہولت موجود ہے
نئے اور پرانے ڈائجسٹ ناول فروخت کیے جاتے ہیں
دکان نمبر 3 احمد بازار ہری پور

وصل لاحاصل

نبیلہ عزیز

ماورا مرتضیٰ 'عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئرپورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ ثمینہ اور نیو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیو کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی 'آفاق سے حد درجہ خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت 'تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

[illegible]

بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر، ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور، ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

—۱۰—

دسویں قسط

آفاق کے کمرے کا کونا کونا تازہ سرخ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔

ان تازہ سرخ پھولوں کی دل فریب اور مسحور کن خوشبو سے پورے کمرے کا ماحول بھی اک سحر انگیز سے احساس کی لپیٹ میں آ چکا تھا اور اس احساس کے باعث بیڈ پہ بیٹھی فارہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا اور ان دھڑکنوں کی دھک دھک اسے اپنی کنپٹیوں تک محسوس ہو رہی تھی۔

بے شک وہ آفاق سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ بے شک وہ اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ بے شک وہ ایک پڑھی لکھی اور ماڈرن لڑکی تھی لیکن پھر بھی آج کے دن اور آج کی رات کے حوالے سے اس کی شرم وہیں کی وہیں تھی اور اس شرم کے ہاتھوں اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگی جا رہی تھیں اور چہرے کی رنگت میں بھی آہستہ آہستہ تبدیلی آ رہی تھی۔ ٹھنڈی رنگت، تپش آلود ہوتی جا رہی تھی۔ دل نے الگ اودھم مچا رکھا تھا۔ فارہ سے سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔

"مے آئی کم ان....؟" دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی اور ساتھ ہی ساشا کی چہکتی ہوئی شرارتی سی آواز ابھری تھی جس پہ فارہ نے فوراً" آہستگی سے سر اٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا۔ ساشا اس کے دیکھنے پہ دروازے کا ہینڈل چھوڑ کر اندر آ گئی۔

"ہیلو! کیا ہو رہا ہے۔ آفاق بھائی کے انتظار کے علاوہ....؟" ساشا نے آتے ہی اسے چھیڑا۔

"گھبراہٹ اور پریشانی...." فارہ اپنے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"ارے.... لو کیوں؟" ساشا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"جس روز دلہن بن کر اس طرح سیج پہ بیٹھو گی نا تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ کیوں؟" فارہ نے کچھ بولنے کی ہمت کر ہی لی تھی۔

"ہاہاہا.... آئی نو! یہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے.... سب کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔ مگر محض ایک روز کے لیے پھر دلہن صاحبہ ساری زندگی بولتی ہی رہتی ہیں اور دولہا بے چارہ ساری زندگی سنتا ہی رہتا ہے۔" ساشا مذاق کرنا شروع ہو گئی تھی اور فارہ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"اوہ....! دلہن صاحبہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ۔ یعنی بات دل کو لگی ہے.... ہوں!" ساشا نے دلچسپی سے فارہ کے چہرے کو جانچا۔

"یار.... سچ پوچھو تو اس وقت کوئی بھی بات دل کو نہیں لگ رہی بلکہ دل پہ لگ رہی ہے۔ اور دل ہے کہ دھڑکا ہی جا رہا ہے۔ دھڑکا ہی جا رہا ہے۔ قابو میں ہی نہیں آ رہا۔" فارہ ہنوز اپنے دل پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔

"او کے او کے یار.... گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دھڑکنے دو جتنا دھڑکتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد اسے قابو کرنے والے ماہر لوگ بھی آ جائیں گے۔ یہ اب ان ہی کے ہاتھوں قابو ہو گا۔" ساشا نے معنی خیزی سے اسے چھیڑا۔

"پلیز یار.... مجھے زِچ مت کرو.... آرام سے بیٹھو۔" فارہ نے خفگی سے کہا۔

"خیر.... میں نے آرام سے کیا بیٹھنا ہے۔ تم اپنے آرام کی فکر کرو اور یہ بتاؤ کہ کھانا کھاؤ گی.... مجھے ثمینہ آنٹی نے اسی لیے بھیجا ہے کہ میں تم سے کھانے وغیرہ کا پوچھ لوں کیونکہ تم نے وہاں فیصل آباد میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔"

ساشا بالآخر اپنی آمد کے مقصد کی طرف آ ہی گئی تھی۔

"نہیں! کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ نہ بھوک ہے نہ پیاس، کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا...." فارہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ تم کچھ کھا پی لو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ کچھ انرجی آ جائے گی۔ ورنہ اس طرح بیٹھے بیٹھے تو تمہارا بی پی لو ہو جائے گا، بیمار پڑ جاؤ گی۔" ساشا نے اسے کچھ کھانے پینے کا مشورہ دیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا.... اگر بھوک لگی تو میں کہہ دوں گی...."

"او کے.... ! چینج وغیرہ کرنا ہو تو ڈریسنگ روم میں چلی جانا تمہارا نائٹ ڈریس وہیں ہے بلکہ ڈریسنگ روم میں اور واش روم میں تمہیں ضرورت کی سب چیزیں مل جائیں گی۔ آنٹی نے تمہاری سب چیزیں خود سیٹ کروا کے رکھی ہیں۔ اس لیے اب تم ریلیکس رہو اور خوشی خوشی اپنے دولہا کو ویلکم کرو.... میں چلتی ہوں گڈ نائٹ...."

ساشا شرارت سے کہہ کر باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد ہی دروازے پہ دوبارہ دستک ہوئی اور فارہ کا دل سنبھلتے سنبھلتے دوبارہ بے قابو اور بے اختیار ہو گیا۔

کیونکہ یہ دستک کس کی تھی یہ تو دل جانتا ہی تھا اور دل اپنی ہی بے اختیاریوں اور گھبراہٹوں پہ بوکھلا رہا تھا کہ وہ دروازہ دھکیل کر اندر آ گیا اور دروازہ بند کر دیا تھا۔

دبیز قالین پہ اس کے قدموں کی چاپ بھی سنائی نہیں دی تھی۔ وہ آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کی سرسراہٹ سے ہی فارہ کا دل کانپ کانپ گیا تھا۔ وہ بڑے غیر محسوس سے انداز میں سمٹ کے رہ گئی۔

"السلام علیکم....!" فارہ کی تو آواز بھی کانپ رہی تھی اور لہجے میں بھی لرزش تھی۔

"شادی مبارک ہو۔" آفاق نے آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے مبارک باد دی۔

"آپ کو بھی...." فارہ نروس ہونے کے باوجود بھی بڑی ہمت اور بڑے حوصلے سے کام لے رہی تھی۔ ورنہ شرم کے مارے تو زبان سے ایک لفظ ادا کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

"ویسے آپ تو اس شادی سے خوش ہی نہیں تھے.... پھر مبارک کس لیے....؟" فارہ خوشی کے ان لمحات میں بھی چوٹ کرنے سے باز نہیں آئی تھی اور آفاق یکدم قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"اُف.... ! سیانے سچ کہتے ہیں کہ لڑکیاں بات کا پیچھا نہیں چھوڑتیں، چاہے اس بات کے بدلے کچھ بھی ہو جائے۔" اس نے ہنستے ہوئے فارہ کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔

"کیونکہ لڑکے کچھ باتیں ایسی کر جاتے ہیں کہ لڑکیوں کے دل سے نکالے نہیں نکلتیں، دل میں پیوست ہو کے رہ جاتی ہیں۔" فارہ نے اسے جتایا تھا کہ وہ اسے پہلے کیا کیا کہہ چکا ہے؟

"او کے یار او کے! ایم سوری.... ایم رئیلی ویری سوری.... میں تم سے جو کچھ بھی کہہ چکا ہوں اور جو کچھ بھی کر چکا ہوں اور جو بھی باتیں تمہارے دل میں شکوے کے طور پہ موجود ہیں، میں ان سب کے لیے تم سے معافی چاہتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں۔۔۔ اس لیے پلیز مجھے دل سے معاف کردو۔۔۔ اپنا غلام سمجھ کر۔"

آفاق نے بڑی محبت اور بڑی چاہت سے کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تھے اور فارہ اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر یکدم تڑپ اٹھی۔ اس نے بے ساختہ آفاق کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

"پلیز۔۔۔! یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ میں نے یہ سب کرنے کے لیے تو نہیں کہا؟"

"مگر مجھے تمہارے سامنے ہاتھ جوڑنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی۔ بس تم معاف کردو تو میرے لیے یہی بہت ہے۔" آفاق واقعی بڑے پرسکون اور تحمل آمیز انداز میں کہہ رہا تھا۔

"مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔" فارہ نے نفی میں گردن ہلائی۔۔۔

"لیکن میں تو پتا نہیں کیا کیا چاہتا ہوں؟" آفاق کے لہجے میں معنی خیزی آگئی۔ فارہ جھینپ گئی تھی۔ اس نے فوراً چہرہ جھکا لیا۔

"کیا ہوا۔ تم نے چہرہ کیوں جھکا لیا ہے۔ میں کیا کیا چاہتا ہوں یہ تو میں نے ابھی بتایا ہی نہیں۔" آفاق نے اسے نروس کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ فارہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"آفاق پلیز!" فارہ کے ہونٹ کپکپائے۔

"کیا پلیز؟" وہ اسے تنگ کر رہا تھا۔

"میرا گفٹ۔۔۔؟" فارہ کو بروقت کوئی اور بات سوجھی تھی۔

"اوہ ہاں۔۔۔! مجھے تو یاد ہی نہیں تھا کہ لڑکیاں گفٹ کے بغیر تو۔" آفاق کی اس ادھوری بات پہ فارہ کے تو چھکے چھوٹ گئے تھے جبکہ آفاق نے بڑے اطمینان سے اپنی جیب سے انتہائی قیمتی اور وزنی دو کنگن نکال کر فارہ کے سامنے لہرائے۔

"مجھے پتا تھا کہ رونمائی کے بغیر تو لڑکیاں اپنا چہرا بھی نہیں دیکھنے دیتیں۔ اسی لیے میں پہلے سے ہی انتظام کر کے آیا تھا۔" اس نے کہتے ہوئے آہستگی سے اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کر دونوں کنگن پہنا دیے اور پھر بہت ہی نرمی سے اس کے ہاتھ کی پشت پہ ایک نرم سا بوسہ دیا۔ فارہ کے جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

کیونکہ آفاق اس کی ذات پہ پوری طرح اپنا استحقاق جمانے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔ اور لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب سے بھی قریب تر ہوتا جا رہا تھا جس سے فارہ کے حواس مختل ہونے لگے تھے۔ بیڈ روم میں پھولوں کی خوشبو کے ساتھ ساتھ تنہائی اور اندھیرا بھی رقص کرنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

فارہ کو سوئے ہوئے ابھی ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ کروٹ بدلتے ہوئے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کسی اجنبی جگہ پہ موجودگی کے احساس نے اسے پوری طرح سے جگا دیا تھا اور جاگنے کے ساتھ ہی تازہ پھولوں کی مہک نے اسے گزشتہ لمحات کی یاد دلائی تو اس کا دھیان فوراً آفاق کی طرف گیا تھا جو اسے اپنے بازو کے حصار میں لیے سویا تھا۔

مگر یہ کیا۔۔۔ بازو کا وہ حصار تو اس کے گرد تھا ہی نہیں؟ اور وہ یکدم چونک اٹھی۔

"آفاق۔۔۔!" اس نے بے ساختہ بیڈ کی دائیں طرف ہاتھ مارا تھا مگر آفاق بیڈ پہ موجود نہیں تھا۔ بیڈ خالی تھا اور وہ اکیلی تھی اور اس اکیلے پن کے احساس نے فوراً ہی اس کی چھٹی حس کا الارم بجا دیا تھا۔

"آفاق۔۔۔!" اب کی بار اس نے ذرا اونچی آواز میں اسے پکارا اور بیڈ سے اٹھ بیٹھی۔

"آفاق!" اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھے لیمپ کے نوب پیڈ کو چھوتے ہوئے اس کی روشنی بڑھا دی تھی اور

پورے بیڈ روم میں نظر دوڑانے کے ساتھ ساتھ باتھ روم کے دروازے کی طرف دیکھا تھا کہ شاید آفاق باتھ روم میں ہو گا مگر باتھ روم کا دروازہ کھلا دیکھ کر فارہ کی پریشانی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

"آفاق اس وقت مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔۔۔؟" وہ خود کلامی کرتی بیڈ کے قریب رکھی چپل پہن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے اپنا وہم دور کرنے کے لیے ایک بار باتھ روم اور ڈریسنگ روم میں جھانک کر دیکھا بھی تھا مگر آفاق کہیں بھی نہیں تھا۔ فارہ کا دل بری طرح پریشان ہوا تھا۔

"آفاق کہاں گیا۔۔۔؟ کس سے پتا کروں؟" اس نے بے بسی سے سوچتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی حل سمجھ میں نہیں آیا۔

"آفاق کو کال کروں۔۔۔؟" وہ اپنے آپ سے سوال کرتے بے ساختہ بیڈ کی طرف پلٹی، لیکن بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا آفاق کا سیل فون دیکھ کر اس کا یہ خیال بھی ناکام رہ گیا تھا۔

باہر جا کر دیکھوں؟ شاید وہ کسی کام سے نکلا ہو۔۔۔؟ شاید کچن میں گیا ہو؟ یا شاید کسی نے اسے بلایا ہو؟" وہ خود ہی اپنے آپ سے سوال و جواب کر رہی تھی لیکن وہ بیڈ روم سے باہر جا کر دیکھنے کا حوصلہ نہیں کر سکی۔

آخر پہلے دن کی دلہن تھی اور رات کا یہ پہر بھی ایک نازک پہر تھا۔ رات ختم ہونے والی تھی اور دن شروع ہونے والا تھا' ایسے میں وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی یا آفاق کا پتا کرتی تو یقیناً "سب کے لیے ایک اور پریشانی کھڑی کر دیتی اور اپنی سبکی کا سامان بھی خود ہی کر دیتی' اس لیے اس نے بڑی ہی سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے خود کو صبر کرنے پہ آمادہ کیا تھا۔ اس صبر اور اس انتظار میں فجر کی اذان ہو گئی لیکن آفاق نہیں آیا البتہ فارہ کی آنکھوں میں آنسو ضرور آگئے تھے' کیونکہ وہ اپنی نئی زندگی کی پہلی رات ہی سکون' خوشی اور سرشاری میں نہیں گزار سکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ایم سوری فارہ! میرے ایک دوست کے ساتھ پولیس کیس ہو گیا تھا اس لیے اس کی ہیلپ کے لیے مجھے فوری اس کے پاس جانا پڑا۔ ہم گہری نیند سو رہی تھیں سو میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

آفاق سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی گھر لوٹ آیا تھا اور فارہ جو اس کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے اکڑ چکی تھی' گیٹ پہ گاڑی رکنے کی آواز آئی تو فوراً "لپک کر ٹیرس کی طرف آئی تھی اور بغیر کسی ہارن کے چوکیدار کو گیٹ کھولتے دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا یعنی گھر والوں سے چھپ کر آنے جانے کا بھی ایک طریقہ تھا۔

البتہ ڈرائیو وے پہ گاڑی سے اترتے آفاق کی نظر سیدھی ٹیرس کی طرف اٹھی تھی اور اس کے چہرے پہ پریشانی اور تفکر کا سایہ سا لہرا گیا تھا۔

جبکہ فارہ ایک جھٹکے سے وہاں سے ہٹ کے اندر آگئی۔ چند سیکنڈز کے توقف سے آفاق بھی بیڈ روم میں آگیا۔

"ہیلو گڈ مارننگ۔۔۔!" اس نے بیڈ پہ سر جھکائے بیٹھی فارہ کو بہت ہی مست سے انداز میں وش کیا مگر جواباً فارہ نے کوئی بھی جواب نہیں دیا۔ وہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔

آفاق دھیمے قدموں سے چلتا ہوا بیڈ پہ اس کے برابر آکر بیٹھ گیا اور اس کے پوچھے بغیر ہی اسے وضاحت دیتے ہوئے معذرت بھی کر لی۔ مگر فارہ اس کی بات سنتے ہی اک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"فارہ پلیز۔۔۔! رکو بات سنو میری۔" آفاق اس کے پیچھے ہی یکدم اٹھ کھڑا ہوا' لیکن تب تک وہ واش روم میں گھس کر دروازہ بند کر چکی تھی اور واش روم میں اس نے اتنی دیر لگا دی تھی کہ ساشا اور ثمینہ یزدانی بھی ان کے کمرے کا ایک چکر لگا کر چلی گئی تھیں اور اس طرح رفتہ رفتہ سب کی آمد و رفت اور موجودگی کی وجہ سے دوبارہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات ہی نہیں ہو سکی تھی اور آفاق فارہ کے سرد و سپاٹ چہرے کو دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر پریشان ہوتا رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ فارہ کا ایسا خوشی سے عاری چہرہ دیکھ کر سب کو ہی پریشانی اور تشویش ہونے لگے گی اور اتنی مشکلوں سے ملنے والی سب کی خوشی ایک دن میں ہی غارت ہو جائے گی اور وہ پھر سے سب کو خوش اور مطمئن کرتا پھرے گا۔ مگر کوشش کے باوجود وہ کچھ نہیں کر سکا۔ نہ ہی فارہ سے بات ہو سکی تھی۔ اس لیے ان کے ولیمے کی تقریب یوں ہی چپ چاپ خاموشی اور بہت ہی عام سے انداز میں گزر گئی تھی۔ بہت سے لوگوں نے اس چیز کا نوٹس بھی لیا تھا مگر وہ دونوں ہی ٹال گئے تھے۔ اب ان دونوں کے دلوں میں کیا کھچڑی پک رہی تھی اور کیا کیا ابال اٹھ رہے تھے۔ یہ تو وہ دونوں ہی جانتے تھے۔

☆ ☆ ☆

ماورا دو' تین جگہوں پر جاب کے لیے انٹرویو دینے کے بعد تھکی ہاری ابھی گھر میں داخل ہوئی ہی تھی کہ اس کا سیل فون بجنا شروع ہو گیا اور اس نے تھکن اور جھنجلاہٹ کے مارے نمبر دیکھے بغیر ہی کال ریسیو کرتے ہوئے سیل فون کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔۔۔" اس کی جھنجلاہٹ اس کی آواز اور اس کے لہجے سے ہی نمایاں تھی۔

"کیسی ہیں؟" دوسری طرف کی آواز اور سوال سن کر ماورا کے جھنجلائے ہوئے اعصاب ایک دم ہی تن گئے۔

"میں نے آپ سے صرف حال پوچھا ہے۔ حال دل نہیں پوچھا کہ آپ سے بتایا نہیں جا رہا۔"

اس نے جان بوجھ کر اسے تنگ کرنے والی بات کی تھی اور واقعی ماورا لب بھینچ لینے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"کیا مجھے اپنا سوال دہرانا پڑے گا۔" وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے ان دونوں کے بیچ بڑی پرانی دوستی چلی آ رہی ہو۔

"دیکھئے مسٹر تیمور حیدر! میرا دماغ اس وقت بہت گرم ہے اور میں پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں' اس لیے پلیز مجھے مزید ڈسٹرب کرنے کی کوشش مت کریں' پلیز فون بند کر دیں۔" ماورا نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے خاصے چبانے والے انداز میں بات کی تھی۔

اور تیمور چونک گیا تھا' کیونکہ اسے اس کی پریشانی کا سن کر خاصی تشویش ہوئی تھی۔

"آپ کی ڈسٹربنس کی وجہ جان سکتا ہوں؟" تیمور نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

"آپ صرف فون بند کر دیں۔ میرے لیے یہی کافی ہو گا۔" ماورا کا انداز ہمیشہ کی طرح تیکھا ہی تھا۔ تیمور اس کی بات سن کر مسکرا دیا تھا۔

"ریکلی۔۔۔" اس نے تصدیق چاہی۔

"آف کورس۔۔۔" جواباً اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"اوکے۔۔۔ یہ لیں۔۔۔ بند کر دیتا ہوں۔" تیمور نے بھی بڑے پرسکون انداز میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور ماورا ذرا حیرانی سے اپنے سیل فون کو دیکھتی رہ گئی تھی کہ اس نے واقعی اتنی شرافت سے اور اتنی سعادت مندی سے فون بند کر دیا ہے؟ یا مذاق کر رہا ہے۔

لیکن چند سیکنڈز کے انتظار کے بعد بھی جب اس نے دوبارہ کوئی کال نہ کی تو اسے یقین آ گیا تھا کہ اس نے واقعی سچ مچ اس کا کہا مان لیا ہے۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" بی گل نے جائے نماز سمیٹتے ہوئے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

"ابھی تو حال ہی پوچھ رہا تھا۔" ماورا نے سیل فون اک طرف رکھ دیا۔

"حال سے آگے تمہیں بڑھنا۔" بی گل کے سوال بھی نرالے ہوتے تھے۔

"وہ تو بڑھنا چاہتا ہے' مگر میں نہیں بڑھنے دے رہی۔" وہ وہیں پہ دیوار کے ساتھ تکیہ رکھ کے نیم دراز سی ہو گئی۔

"مگر کب تک۔" بی گل تسبیح ہاتھ میں پکڑے اس کے برابر ہی تخت پہ بیٹھ گئیں۔

"جب تک ممکن ہو سکا۔" ماورا کے ارادے وہی تھے' جو وہ پہلے بھی بیان کر چکی تھی۔

"اور اس کے بعد۔۔۔" بی گل اب اسے وقتاً فوقتاً ٹٹولتی رہتی تھیں۔ کریدتی رہتی تھیں۔

"اس کے بعد جو ہو گا وہ آپ بھی جانتی ہیں اور بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔ اس لیے بار بار تصدیق کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہو گا وہی جو رضا حیدر کا بیٹا چاہے گا۔"

ماورا نے کہتے ہوئے بات ہی ختم کر ڈالی تھی اور بی گل چپ چاپ تسبیح کے دانے گرانے لگی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"فارہ بیٹا! تیمور تم سے ملنے کے لیے آیا ہے۔"

ثمینہ یزدانی نے دروازے پہ دستک دینے کے ساتھ ہی اسے اطلاع بھی دی تھی اور بیڈ پہ چپ چاپ ٹیک لگائے بیٹھی فارہ یک دم چونک گئی۔

"جی اچھا۔۔۔ میں آ رہی ہوں۔" وہ فوراً بیڈ سے اٹھ گئی اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال اور اپنا دوپٹا درست کرتے ہوئے بیڈ روم سے باہر نکل آئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی سلام کیا۔ تیمور اسے دیکھ کر فوراً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو مائی ڈیئر کزن۔۔۔ کیا ہو رہا تھا۔" تیمور نے فارہ کا سر تھپکتے ہوئے کافی نرمی اور شفقت سے استفسار کیا۔

"اللہ کا کرم ہے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ بس فارغ ہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ جب سے کراچی آئی ہوں' میرے تمام کزنز نے پلٹ کر خبر بھی نہیں لی۔ یوں اگنور کر رہے ہیں جیسے جانتے ہی نہیں۔" فارہ نے لگے ہاتھوں شکوہ بھی داغ دیا اور تیمور اس کے اتنے معصوم اور اپنائیت بھرے شکوے پہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"ارے نہیں سویٹ ہارٹ۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل عزت اور ساشا وغیرہ کے ایگزامز اسٹارٹ ہیں اور میں خود پچھلے چند دنوں سے بہت بزی تھا۔ کل ہی اسلام آباد سے واپس آیا ہوں اور دیکھو! آج اسپیشلی تم سے ملنے کے لیے آفس سے سیدھا یہاں آ گیا ہوں۔ صبح مما اور بابا بھی تمہارا ذکر کر رہے تھے۔" تیمور نے اس کا شکوہ دور کرنے کے لیے ذرا تفصیلی جواب دیا اور اس دفعہ فارہ مسکرا اٹھی تھی۔

"آپ آج اسپیشلی مجھ سے ملنے کے لیے کیوں آئے ہیں؟ کوئی خاص بات۔" فارہ کچھ کچھ کھٹک چکی تھی۔ اس لیے کافی معنی خیزی سے بھنویں اچکا کر پوچھا۔ تیمور بھی اس کی معنی خیز انداز سمجھ گیا تھا۔

"خاص بات بھی خاص لوگوں کے ساتھ ہی ہوتی ہے' اتنا اندازہ تو تمہیں ہو گا ہی۔" وہ بھی سیدھی لائن پہ آ گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ بات بھی خاص لوگوں کی ہی ہوتی ہے۔ اینی وے آپ بات کریں' میں سن رہی ہوں۔" وہ بہت پرسکون انداز میں کہتی اپنے پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"ہوں۔۔۔ تو مائی ڈیئر کزن بات یہ ہے کہ میں نے آج ماورا مرتضیٰ کو کال کی تھی' لیکن وہ مجھے کچھ پریشان اور اپ سیٹ لگی ہیں۔ اس لیے مجھے بھی پریشانی ہو رہی ہے۔ کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ اس کی پریشانی کی کیا وجہ ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تیمور بڑی شرافت سے اپنے مطلب کی بات کی طرف آگیا تھا۔ کیونکہ وہ بات کو گھما پھرا کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اور فارہ اس کی بات سن کر چپ سی ہوگئی تھی کیونکہ وہ ماورا کی پریشانی کی وجہ جانتی تھی۔

"پلیز فارہ.... تم چپ کیوں ہوگئی ہو۔ بتاؤ نا ماورا مرتضیٰ کو کیا پریشانی ہے آخر؟ وہ مجھے نہیں بتائے گی لیکن تمہیں تو پتا ہوگا ہی۔" تیمور نے فارہ کو بولنے پہ اکسایا تھا۔

"جی۔ پتا ہے مجھے کہ وہ کیوں پریشان ہے؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر بتاؤ ناں۔" تیمور اب بے صبر ہونے لگا تھا۔

"وہ دراصل جاب کی وجہ سے پریشان ہے، ہم دونوں کلاس فیلو ہیں۔ ہماری ڈگری بھی ایک ہی ہے۔ لیکن یونیورسٹی سے فری ہوتے ہی میری شادی ہوگئی۔ اور اس نے جاب کی تلاش شروع کردی۔ اس نے دو، تین ٹیکسٹائل کمپنیز میں اپلائی بھی کیا ہے، مگر ابھی تک کہیں سے بھی اسے مثبت جواب موصول نہیں ہوا اور وہ فراغت کے دن گزارتے ہوئے تنگ آچکی ہے۔ وہ کچھ کرنا چاہتی ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتی ہے۔ اس لیے اتنے دنوں سے بے زار، بے زار سی لگ رہی ہے اور کافی اکتائی ہوئی سی ہے۔"

فارہ نے فوراً ہی ماورا کی پریشانی کی ساری وجہ کھول کے سامنے رکھ دی اور تیمور کے اتنی دیر سے تنے ہوئے اعصاب ایک دم سے ڈھیلے پڑ گئے تھے، کیونکہ جاب کا مسئلہ تو کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ پریشانی ہے اس کو؟" وہ آہستگی سے بولا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن ایسی ہی چند اور بھی چھوٹی موٹی پریشانیاں ہیں جو وہ حل کرنا چاہتی ہے، مگر ابھی ان کا کوئی حل نہیں نکل رہا۔

مثلاً" یہی کہ وہ کراچی آنا چاہتی ہے، یہاں رہنا چاہتی ہے، یہاں جاب کرنا چاہتی ہے، لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟"

"اس کی مدر کو اپنا گھر اور اپنا شہر چھوڑ کر دوسرے شہر جانا پسند نہیں ہے۔ وہ اس کے ارادوں کے خلاف ہیں۔ وہ کراچی نہیں آنا چاہتیں۔" اس نے نفی اور مایوسی میں جواب دیا۔

"اور ماورا۔۔۔" وہ اس کی پسند کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"ارے تیمور بھائی.... اسے تو جنون ہے کراچی آنے کا۔ وہ کراچی شہر کے لیے بہت کریزی ہے۔ اسے یہاں آنے کا اور یہاں رہنے کا آج موقع ملے تو وہ آج آجائے، ذرا سی دیر بھی نہ کرے۔" فارہ نے بڑے جوش و خروش سے اس کے شوق کے بارے میں بتایا تھا۔

اور تیمور کے ذہن نے لمحے کے ہزارویں حصے میں ماورا کے شوق اور اس کی ضرورت کا سارا سیٹ اپ سوچ لیا بس اب اس کا اظہار کرنا باقی تھا۔

"کیا بات ہے تیمور بھائی! آپ کیا سوچنے لگ گئے؟" فارہ کو اس کی خاموشی پہ تجسس ہوا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ اگر اس کی تمام پریشانیوں کا حل میں پیش کروں تو کیا خیال ہوگا تمہارا؟"

"کیا حل؟" فارہ نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے آل ریڈی ایک فیبرکس ڈیزائنر کی ضرورت ہے، دو روز پہلے میں اخبار میں ایڈ بھی دے چکا ہوں، رہنے کے لیے ایک لگژری ڈیکوریٹڈ فلیٹ اور گاڑی کی سہولت بھی مہیا کروں گا، بلکہ اسے کسی بھی اور چیز کی ضرورت ہوئی تو اس کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ وہ کراچی آنا چاہتی ہے تو آسکتی ہے۔ میری طرف سے اس کے لیے جاب، گھر اور گاڑی تینوں چیزیں حاضر ہیں۔ چاہے وہ کل آجائے۔" تیمور نے اپنی طرف سے ایسی آفر دے کر فارہ کو بیٹھے بیٹھے شاکڈ کر ڈالا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ سچ کہہ رہے ہیں تیمور بھائی۔" اس نے جیسے تصدیق کے لیے پوچھا۔

"آف کورس سویٹ ہارٹ! میری طرف سے یہ ایک کھلی آفر ہے تم اسے دے سکتی ہو اور اس کا جو بھی جواب ہو مجھے فون کر کے بتا دینا میں منتظر رہوں گا۔"

وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی تقلید کرتے ہوئے فارہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"لیکن آپ نے تو کچھ لیا ہی ہیں؟ چائے تو ویسے کی ویسی ہی رکھی ہے؟" فارہ کی نظر اس کے سامنے رکھے کپ کی طرف گئی تھی۔

"نو تھینکس ڈیئر! ابھی کسی چیز کی بھی طلب نہیں ہے ان شاءاللہ جب فیکسٹ ٹائم آوں گا تو پھر ضرور پیوں گا پرامس۔" تیمور نے فارہ کا سر تھپکتے ہوئے کہا اور فارہ مسکرا دی۔

"یعنی آپ سچ مچ کسی خاص بات کے لیے ہی آئے تھے؟"

"ہاں بس! کیا کرتا' مجبوری تھی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ ماورا کبھی بھی مجھے اپنی پریشانی یا اپنا مسئلہ نہیں بتائے گی۔ البتہ مسز آفاق کو ضرور پتا ہو گا کہ اسے کیا پریشانی ہے۔؟" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"وہ پریشان ہے اس کی وجہ تو مجھے پتا ہے۔ لیکن اس کی پریشانی پہ آپ کیوں پریشان ہیں' یہ نہیں پتا۔" فارہ ذرا شرارت سے بولی۔ شاید وہ تیمور کے منہ سے کچھ سننا چاہتی تھی۔

"تم ایک بار اسے کراچی لے آؤ' پھر وجہ بھی بتا دوں گا۔" وہ ہنسا۔

"اوکے۔ ٹرائی کرتی ہوں۔" فارہ نے ہامی بھر لی اور تیمور وہاں سے نکل آیا۔

☆ ☆ ☆

"ماورا! تمہارا فون بج رہا ہے۔" ماورا کچن میں کام کر رہی تھی جب اسے عافیہ بیگم کی آواز سنائی دی تو وہ تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے باہر نکل آئی۔

"آپ پلیز۔ ہنڈیا دیکھ لیجیے۔" وہ چولہے کی طرف اشارہ کرتی اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور فارہ کا نام دیکھ کر کال ریسیو کرتی ہوئی سیڑھیوں کے قریب چلی گئی۔

"ہیلو! کیسی ہو؟" اس نے چھوٹتے ہی اس کا حال پوچھا۔

"الحمدللہ! فٹ ہوں۔ فائن ہوں۔ اور فریش بھی۔ تم بتاؤ سب کیسا چل رہا ہے۔ جاب ملی؟" فارہ بڑی مشکل سے اپنی خوشی پہ قابو پا کر اس سے بات کر رہی تھی۔

"نہیں۔ ابھی کہیں سے بھی کوئی ریپلائی نہیں آیا۔" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"تو کراچی آ جاؤ ناں۔ یہاں جاب تلاش کر لو۔ یہاں اتنا مسئلہ نہیں ہوتا۔" اس نے فوراً" مشورے سے نوازا۔

"کراچی تو آ جاؤں' لیکن وہاں آنے کے لیے اور وہاں رہنے کے لیے سب سے پہلا اور بڑا مسئلہ ہے رہائش۔ جب تک رہائش کا مسئلہ حل نہ ہو میں بھلا کیسے آ سکتی ہوں؟"

ماورا نے وہی ہمیشہ والا جواز سامنے رکھا تھا اور فارہ مسکرا اٹھی تھی۔

"اگر تمہارا یہ مسئلہ حل ہو جائے تو...؟" فارہ بڑے طریقے اور بڑے سلیقے سے اسے اپنے مطلب پہ لانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ تیمور کا نام یا اس کی طرف سے ایسی پیش کش کا سن کر وہ یک دم کرنٹ کھا جائے گی اور کبھی بھی اتنی آسانی سے نہیں مانے گی۔

"وہ کیسے...؟" معاملہ کراچی جانے کا اور وہاں رہنے کا تھا' ورنہ کسی بات میں اتنی دلچسپی وہ ذرا کم ہی لیتی تھی۔

"میرے پاس آ جاؤ۔ میرے گھر میں۔" فارہ کے پاس آسان حل تھا۔

"تم اپنے ہوش و حواس میں رہ کر مجھے فون کر رہی ہو نا؟" ماورا کے تیور بدل گئے تھے۔

"آف کورس یار۔ کوئی شک؟" فارہ نے حیرانی ظاہر کی تھی۔

"ہاں... ہے... کیونکہ اگر تم میری دوست ہو تو یقیناً" تم میرے مزاج اور میری طبیعت سے بھی واقف ہو گی اور اگر تم میری طبیعت اور میرے مزاج سے واقف ہو تو پھر اس چیز کا بھی تمہیں کافی اچھی طرح اندازہ ہو گا کہ میں تمہارے گھر میں رہوں گی یا نہیں...؟"

ماورا کا لہجہ اور انداز سخت ہو چکے تھے اور فارہ کو اس کے ایسے ردعمل کا تو پہلے سے ہی اندازہ تھا وہ پہلے سے ہی تیار تھی۔

"تو پھر کیا کرو گی۔ کیسے آؤ گی کراچی؟" فارہ نے اسے الجھانے کی ایک کامیاب کوشش کی تھی۔

"جو بھی ہو ا کر لوں گی... مگر ایم سوری... تمہارے گھر نہیں آ سکتی... اور نہ ہی رہ سکتی ہوں۔" اس کا انکار سختی لیے ہوئے تھا۔

"تو کیا تم مجھے غیر سمجھتی ہو؟" فارہ کے لہجے میں ناراضی در آئی۔

"تم غیر نہیں ہو یار... لیکن تمہارا سسرال تو غیر ہے نا؟ اس لیے غیروں سے دور' دور کی سلام دعا ہی اچھی ہوتی ہے۔ قریب رہنے سے الٹا نقصان ہوتا ہے' ہاں... البتہ تم میری اتنی ہیلپ کر سکتی ہو کہ اگر تمہاری نظر میں کوئی اچھی جاب یا گھر ہو تو مجھے بتا دینا میں اپلائی کر دوں گی... باقی جو قسمت میں ہو گا' وہ ہو ہی جائے گا۔"

ماورا کی اس بات پر فارہ کا دل چاہا تھا کہ خوشی کے مارے چیخ مار دے... مگر بڑے صبر سے کنٹرول کر گئی' کیونکہ سامنے ماورا تھی۔

"ہاں... ایک جاب ہے تو سہی میری نظر میں... اگر تم کہو تو...؟"

"کون سی جاب...؟" ماورا کو تجسس ہوا۔

"فیبرکس ڈیزائنر کی... تم ایسا کرو... اپنی فائل کے چند ڈیزائن مجھے سینڈ کر دو... میں دکھا دوں گی... پھر... جو بھی فیصلہ ہوا تمہیں پتا چل جائے گا۔" فارہ لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگانا چاہتی تھی۔

"لیکن کس کمپنی کے لیے؟" ماورا نے بہت اہم سوال اٹھایا تھا۔

"حیدر گروپ آف انڈسٹریز کے لیے۔" فارہ کو آخر کچھ تو بتانا ہی تھا اور بتانے کے بعد انتظار کرنا تھا کہ اب اس کا کیا ردعمل ہو گا۔

لیکن یہ کیا... حیرت کا مقام تھا... ماورا نے کچھ بھی نہیں کہا تھا... چپ کی چپ ہی رہ گئی تھی۔

"کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہو گئی ہو؟ کیا تمہیں حیدر گروپ آف انڈسٹریز کے لیے کام کرنا پسند نہیں ہے؟" فارہ نے ذرا ڈرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں انکار کر دیتی ہوں۔ وہ تو ان فیکٹ تیمور بھائی نے اخبار میں ایڈ دے رکھا تھا تو مجھے فوراً" تمہارا خیال آ گیا... گھر... گاڑی اور جاب کی سہولت... تمہیں اور کیا چاہیے بھلا؟"

فارہ اسے آمادہ کرنا چاہتی تھی۔

"مگر میں یہ جاب نہیں کر سکتی۔" اس نے بڑے تحمل سے انکار کر دیا تھا۔

"کیوں... کیوں ماورا... تم یہ جاب کیوں نہیں کر سکتیں؟ کیا تیمور بھائی کی وجہ سے؟"

"ہاں... یہی سمجھ لو۔" وہ خاصی لاپروائی سے بولی۔

"لیکن ماورا... اتنا پرکشش پیکج تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوتا تھا۔

"اف یار... بے وقوفی مت کرو' تیمور بھائی تو خود تمہارے لیے فکر مند ہو رہے تھے اور تم ان کی وجہ سے جاب ہی نہیں کرنا چاہتیں۔" فارہ کو جھنجلاہٹ ہونے لگی۔

"اوہ تو یہ جاب کی آفر تمہارے تیمور بھائی کی فکر مندی کا ثبوت ہے۔"

"نہیں... یہ بات نہیں ہے... وہ تو بس مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے تو میں باتوں باتوں میں تمہارا بھی ذکر لے بیٹھی اور یوں ہی تمہاری جاب کی بات بھی زیر بحث آگئی' تب مجھے پتا چلا کہ انہیں بھی فیبو کس ڈیزائنز کی ضرورت ہے اور انہوں نے ایڈ بھی دے رکھا ہے۔ بس اسی لیے میں نے تمہاری جاب کے لیے کہہ دیا... انہوں نے یہ جاب جس کو بھی دینی ہے اس کی قابلیت کی بیس پر ہی دینی ہے۔ اگر یہ قابلیت ماورا مرتضیٰ کے پاس ہے تو انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ اس لیے تم جب چاہو اپلائی کر سکتی ہو۔"

فارہ نے اسے قائل کرنے کے لیے بات کو ہر ممکن طریقے سے گھمانے کی کوشش کر ڈالی تھی' مگر اس کا وہی ایک جواب تھا' انکار...

☆ ☆ ☆

"اس نے میری آفر ٹھکرا دی ہے... میرے پاس جاب کرنے سے انکار کر دیا ہے۔" تیمور کا لہجہ بجھا ہوا سا تھا۔

"ہاہاہا... یعنی کہ وہ اپنے ہی قبیلے سے ہے۔" ولید نے بے ساختہ قہقہہ لگاتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کیا تھا۔

"وہ تو تمہارے قبیلے سے ہو گئی... لیکن میں کس قبیلے سے ہوں؟ کوئی میرے جیسا کیوں نہیں ہے؟" تیمور کے اندر کی اداسی اس کے لہجے اور اس کے الفاظ سے ہی ظاہر ہو رہی تھی۔

(تم عزت حیدر کے قبیلے سے ہو' وہ ہے نا تم جیسی...) ولید دل ہی دل میں سوچ کے رہ گیا۔

"بتاؤں نا... ہمیں کس قبیلے سے ہوں؟" وہ خاصا دل برداشتہ ہو رہا تھا۔

"تم محبت کے قبیلے سے ہو..." ولید نے برملا اعتراف کیا۔

"اگر میں محبت کے قبیلے سے ہوں تو تم لوگوں کو میری ذات سے انکار کیوں ہے؟ کیوں تم لوگوں کا جواب مجھے ہمیشہ ہی نفی میں موصول ہوا ہے؟ میں جتنا تم لوگوں کے قریب آنے کی کوشش کرتا ہوں... تم لوگ اتنا ہی مجھ سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہو؟ یہ تم لوگوں کی فطرت کا گریز ہے یا میرے خلوص کی کمی کا نتیجہ ہے؟" وہ بڑے مایوس سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ارے نہیں یار... بات یہ نہیں ہے کہ تمہارے خلوص میں کوئی کمی ہے' بلکہ بات یہ ہے کہ ہم لوگ حد سے زیادہ خوددار ثابت ہوئے ہیں۔ بس اس کے علاوہ کوئی اور چکر نہیں۔"

"ولید... بی سیریس یار..." وہ جھنجلایا تھا۔

"کیوں... سیریس کیوں؟ ایسا کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے کہ ہم لوگ ہنستے ہنستے سیریس ہو جائیں؟" ولید اس سے بھی زیادہ خفگی سے گویا ہوا۔

"تمہارے لیے نہ سہی... لیکن میرے لیے یہ بات پہاڑ ٹوٹنے کے برابر ہی ہے۔ آخر اس نے انکار کیوں کیا ہے؟ وہ کیوں انکاری ہے میری ذات سے... اور میری ذات سے ریلیٹڈ ہر چیز سے؟ آخر ایسا کیوں ہے؟ میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔" تیمور نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا اور ولید اسے اک نظر دیکھ کر ہی رہ گیا تھا۔

"اتنی ٹینشن کیوں لے رہے ہو یار... اس نے تمہاری آفر سے انکار کیا ہے۔ تمہارے پروپوزل سے نہیں۔"

ولید نے اب اسے ذرا نرمی اور ذرا تسلی سے سمجھانے کے بارے میں سوچا۔

"اسی لیے تو ٹینشن لے رہا ہوں... کہ جو لڑکی میری جاب سے انکار کر سکتی ہے... وہ کل کو میرے پروپوزل سے بھی انکار کر سکتی ہے اور ادھر میں ہوں کہ دن بہ دن اس کے بغیر ادھورا ہوتا جا رہا ہوں۔ میری سوچ اور میرے خیال پہ ہمہ وقت صرف وہی حاوی رہتی ہے' دیکھ لو... ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا ہوں... ناکارہ ہو گیا ہوں... بس دن رات یہی سوچتا پھر رہا ہوں کہ یا وہ یہاں آجائے یا میں وہاں چلا جاؤں... ایسے میں... میں کیا کروں... ٹینشن تو ہو گی۔"

تیمور اس سے بھی زیادہ خفگی کھائے بیٹھا تھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر ڈٹ جاؤ... سیدھے طریقے سے بات کرو اس سے... خود اسے جاب آفر کرو... اور کچھ ایسے طریقے سے کرو کہ وہ کراچی آنے پہ مجبور ہو جائے۔"

"وہ مجبور ہونے والی نہیں ہے... وہ صرف مجبور کر دینے والی لڑکی ہے۔" تیمور چند سرسری سی ملاقاتوں اور باتوں سے ہی جان چکا تھا کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔

"وہ لڑکی ہو کر اتنی مضبوط ہے تو تم مرد ہو کر اتنے کمزور کیوں نظر آرہے ہو؟"

"کیونکہ محبت نے میرے حواس گم کر دیے ہیں اور میں اس کے معاملے میں کمزور پڑ گیا ہوں... میں سختی سے کام نہیں لے سکتا' میرے رولز' میری ایگو... سب دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں۔" وہ ولید کو مکمل طور پہ بے بس نظر آرہا تھا۔

"اپنے آپ کو کنٹرول کرو' سب ٹھیک ہو جائے گا' پہلے اپنے آپ کو سنبھالو' پھر اس معاملے کو سنبھالنے کی کوشش کرنا' تم اپنی جگہ پہ جم کے رہو گے تو ہر چیز تمہاری مٹھی میں رہے گی۔ بے شک ماورا مرتضیٰ بہت مضبوط لڑکی ہے لیکن ہے تو ایک لڑکی ہی نا؟ کسی نہ کسی لمحے یا کسی نہ کسی بات پہ پیچ ہی جائے گی۔ بس تم یہ سوچو کہ تم نے کرنا کیا ہے؟ وہ آخر کس طریقے سے ہینڈل ہو سکتی ہے اور اگر ایک بار تمہیں وہ طریقہ سمجھ میں آگیا تو مجھے پوری امید ہے کہ تم ہمیشہ کے لیے ریلیکس ہو جاؤ گے اور کبھی بھی مجھ ناچیز سے کوئی مشورہ نہیں مانگو گے۔"

ولید اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی کرسی کے قریب آگیا تھا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا اور اس کے ہاتھ کے اس دباؤ نے تیمور کے دماغ اور اس کی سوچوں کو اک اور ہی بہاؤ دے دیا تھا اور وہ کسی الگ ہی سمت میں بہہ نکلے تھے۔

"تیمور..." ولید نے اس کے کندھے کو ہلا کر اسے جھنجھوڑا۔

"ہوں..." وہ فوراً اپنے دھیان سے چونک گیا۔

"اتنی باتوں کے بعد بھی کچھ سمجھے یا نہیں؟" وہ اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہوں... تھینک یو... محبت کے قبیلے میں ابھی نیا ہوں' اس لیے اس کو قابو کرنے اور... سنبھالنے کے داؤ پیچ نہیں جانتا۔ لیکن امید ہے کہ رفتہ رفتہ سب سمجھ جاؤں گا۔"

تیمور آہستگی سے کہتا ہوا خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ولید اس سے اجازت لے کر اپنے کسی کام سے چلا گیا تیمور دھیمے قدموں سے چلتے آفس کی دیوار گیر کھڑکی کے پاس آکھڑا ہوا' لیکن کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بھی اس کی سوچیں کراچی سے فیصل آباد پہنچی ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

عزت یونیورسٹی سے واپس آتے ہی کھانا کھا کر سو گئی تھی۔

لیکن اس کو سوئے ہوئے ابھی ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ بیڈ روم کے دروازے پہ خاصی زوردار دستک ہوئی اور وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

انتہائی گہری نیند سے بیدار کے اٹھ بیٹھی۔

"کون۔۔۔" اس نے اپنے سوئے ہوئے ذہن کو جگاتے ہوئے بمشکل استفسار کیا۔

"بی بی جی۔۔۔ میں ہوں نوری۔۔۔ وہ نیچے آپ کے کچھ گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔ صاحب جی اور بیگم صاحبہ نے آپ کو نیچے بلایا ہے۔" نوری نے باہر کھڑے کھڑے ہی پیغام پہنچا دیا تھا۔

"کون آیا ہے؟"

"پتا نہیں بی بی۔۔۔ لیکن لگتا ہے کہ پہلی بار آئے ہیں۔" عزت اپنا شک دور کرنے کے لیے چلتی ہوئی سیڑھیوں کی ریلنگ کے قریب آئی اور اوپر سے جھانکا اور بری طرح سلگ اٹھی۔

مونس مرزا اپنے والدین کے ساتھ ان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں براجمان تھا۔

وہ کوئی اور ہوتا تو وہ فوراً اسے کھڑے کھڑے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیتی، لیکن افسوس کہ معاملہ رضا حیدر کی دوستی کا تھا۔ آخر وہ قیام مرزا کا بیٹا تھا اور قیام مرزا اس وقت اپنے بیٹے کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔

عزت ایک گہری سانس کھینچ کے رہ گئی۔ اتنے میں مونس مرزا نے بھی اسے یوں ریلنگ سے جھکے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ عزت ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بنا فوراً پیچھے ہٹ گئی تھی، جبکہ مونس مرزا اپنے اور اس کے والدین سے عجلت میں معذرت کر کے ایک دم اٹھ کر ڈرائنگ روم کے احاطے سے نکلا اور تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھیاں طے کر آیا۔

"ہیلو عزت۔۔۔ کیسی ہو؟" مونس مرزا اس کے بیڈ روم میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"آپ یہاں۔۔۔" عزت کرنٹ کھا کے پلٹی تھی کیونکہ وہ بے تکلفی ہی اتنی دکھا چکا تھا۔

"کیوں۔۔۔ میں یہاں نہیں آسکتا کیا؟" اس نے عزت کو سرتاپا بڑی گہری اور دلچسپ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میری اجازت کے بغیر آپ یہاں نہیں آسکتے۔" وہ چبا کر بولی۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ بات ہے؟" وہ مسکرایا۔ "لیکن آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں اجازت کے بغیر یہاں تک نہیں پہنچا۔ بلکہ حیدر انکل نے خود مجھے کہا ہے کہ یہ گھر تمہارا اپنا گھر ہے۔ تمہیں جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب چاہے آؤ، جب چاہے جاؤ، تمہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔۔۔ تم اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو۔۔۔ اور میں نے سمجھ لیا ہے۔ بلکہ اس گھر کے مکینوں کو بھی میں اپنا ہی سمجھ رہا ہوں۔"

مونس مرزا نے ذو معنی انداز میں کہتے ہوئے عزت کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تھا اور عزت سر سے پاؤں تک تپ اٹھی۔

"انہوں نے یہ بات آج کہی ہے۔ آئندہ نہیں کہیں گے۔"

"آئندہ اجازت کی ضرورت کسے ہوگی بھلا؟" مونس مرزا نے کندھے اچکائے تھے۔

"آپ حد سے زیادہ فری ہو رہے ہیں، لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ آپ کے مقابل بھی کوئی اور نہیں، بلکہ عزت حیدر کھڑی ہے۔" عزت بھی ایک نڈر اور تنک کر جواب دینے والی لڑکی تھی۔ اس نے ڈرنا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ میرے مقابل کوئی اور نہیں، بلکہ عزت حیدر کھڑی ہے۔ اسی لیے تو حد سے زیادہ فری ہونے کی کوشش کر رہا ہوں، کیونکہ میرا ارادہ ہی فری ہونے کا ہے۔" کہتے کہتے اس کا لہجہ بدل گیا تھا اور عزت لب بھینچ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گئی۔ اسے مونس مرزا کے دیکھنے کے انداز سے ہی چنگے لگ جاتے تھے۔ وہ شعلے کی طرح بھڑک اٹھتی۔ کیونکہ وہ اسے دیکھتا ہی کچھ ان نظروں سے تھا کہ عزت سے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

"میں اس وقت محض اس لیے بے بس ہوں کہ آپ میرے گھر کی حدود میں کھڑے ہیں اور آپ قیام انکل کے بیٹے ہیں۔ ورنہ اگر مجھے ان دونوں باتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں نجانے کب کا آپ کو یہاں سے آپ کی مطلوبہ عزت افزائی کے ساتھ رخصت کر چکی ہوتی۔"

عزت نے اسے یہ بھی جتا دیا کہ وہ یہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ لیکن مونس مرزا اس کی بات پہ الٹا مسکرا دیا تھا۔

"سچ کہتے ہیں لڑکی جتنی زیادہ خوب صورت اور حسین ہوگی اس کے نخرے اور اس کے تیور اتنے ہی جان لیوا اور سنگین ہوں گے۔ آپ اپنے ہاتھوں سے میری عزت افزائی کریں۔۔۔ مجھے اور کیا چاہیے بھلا۔ بندہ حاضر ہے۔" اس نے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ذرا سا سر خم کیا تھا۔

"نوری۔۔۔ نوری۔۔۔" اس نے ملازمہ کو آواز دی۔

"جی بی بی جی۔" وہ فوراً حاضر ہوئی تھی۔

"مسٹر مرزا کو ڈرائنگ روم کا راستہ دکھاؤ۔" اس نے انتہائی غصے اور تلملاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"جو لوگ آپ کے بیڈ روم کا راستہ دیکھ لیں۔ انہیں ڈرائنگ روم کا راستہ کب اچھا لگتا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، کسی کے بیڈ روم تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے آپ ڈرائنگ روم سے گزر کر آؤ، بالکل ایسے جیسے کسی کے دل تک پہنچنے کے لیے معدے سے گزرنا پڑتا ہے۔"

مونس مرزا نے کہاں کا محاورہ کہاں لا کر جوڑا تھا اور عزت سچ مچ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچنے لگی تھی۔

"صاحب جی۔۔۔ آپ کے ممی ڈیڈ آپ کو نیچے بلا رہے ہیں۔" رئیس سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آگیا تھا۔

"اوکے۔۔۔ میں بھی بس نیچے ہی جا رہا ہوں، حالانکہ جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے ایک بار پھر عزت کو سرتاپا دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کچی نیند سے بیدار ہونے والا پیکر اتنا نشہ آور بھی ہو سکتا ہے۔ آج سے پہلے مجھے اس چیز کا علم نہیں تھا۔" وہ عزت کی سمت جھکتے ہوئے آہستگی سے کہتا پیچھے ہٹا اور تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر گیا۔

اور عزت کا دل چاہا کہ اس کی چوڑی پشت گولیوں سے چھلنی کر ڈالے۔ وہ بڑی مشکل سے ضبط کرتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئی اور دروازہ انتہائی زوردار آواز سے بند کیا۔

☆ ☆ ☆

شام کا وقت تھا، وہ ہر کام سے فارغ تھی۔ اسی لیے کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اپنے گھر کی چھت پہ آگئی چھت پہ یوں ہی بے مقصد ٹہلتے ہوئے اس کا دھیان پہلے رضا حیدر اور پھر تیمور حیدر کی طرف چلا گیا تھا۔

اور یوں ہی تیمور حیدر کو سوچتے سوچتے نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کی بیل نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا، تیمور حیدر ہی نظر آیا تھا۔

چند سیکنڈ وہ یوں ہی دیکھتی رہی، پھر نجانے کس سوچ کے تحت اس نے کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو۔" اس کا انداز اور اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح پرسکون اور پراعتماد ہی تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ بھی آج بڑے ٹھہراؤ میں لگ رہا تھا۔ وہی ٹھہراؤ جو ہمیشہ سے اس کی ذات کا حصہ تھا۔

"وعلیکم السلام، کیسے ہیں؟"

"احسان ہے پاک ذات کا۔۔۔ آپ سنائیں۔" وہ بڑے نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔

"الحمدللہ۔۔۔ سب بہتر ہے۔" ماورا نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"میں نے آپ سے کچھ پوچھنے کے لیے آپ کو کال کی ہے۔" وہ بات کو گھمائے پھرائے بغیر اپنے اصل مقصد کی طرف آگیا۔

"جی۔۔۔ پوچھیں۔۔۔ سن رہی ہوں۔" وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"آپ نے جاب سے انکار کیوں کیا۔" اس نے وہی سوال کیا جس کی اسے توقع تھی۔

"غیر ضروری سوال ہے۔" وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔

"لیکن کبھی کبھی پوچھنا ضروری ہو جاتا ہے۔"

"مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ نہ پوچھیں۔" وہ اب بھی اسے بازی ہی رکھنا چاہتی تھی۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ بتا دیں۔" اس نے اپنی بات پہ زور دیا۔

"ضد کرنے والے کبھی کبھی بڑا نقصان اٹھاتے ہیں تیمور صاحب!" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"جو ٹینشن میں آج کل اٹھا رہا ہوں، اس سے بہتر ہے کہ میں نقصان اٹھا لوں۔" وہ بھی آج کل محبت کے ہتھے چڑھا ہوا تھا۔ اسے بھی آج کل نفع و نقصان کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"تو پھر بتا دوں؟" وہ پھر تصدیق چاہتی تھی۔

"ہاں۔۔۔ بتا دیں میں سننے کے لیے تیار ہوں۔" اس کی طرف سے کوئی انکار نہیں تھا۔

"میں نے آپ سے دور رہنے کے لیے اس جاب سے انکار کیا ہے، میں آپ سے مراسم بڑھانا نہیں چاہتی۔" اس کا جواب دو ٹوک تھا۔

"جبکہ میں نے آپ کے قریب آنے کے لیے یہ جاب آفر کی تھی، کیونکہ میں آپ سے مراسم بڑھانا چاہتا ہوں۔" تیمور کا لہجہ گمبھیر ہو چکا تھا۔

"نقصان اٹھائیں گے۔" وہ خبردار کر رہی تھی۔

"میں تیار ہوں۔" اسے کوئی انکار نہیں تھا۔

"سوچ لیں۔۔۔ ایک بار پھر سوچ لیں۔" ماورا آخری فیصلے تک اسے سمجھانا چاہتی تھی۔

"محبت سوچنے کی مہلت نہیں دیتی۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"محبت سنبھلنے کی مہلت بھی نہیں دیتی۔" وہ طنزیہ مسکرائی تھی۔

"آپ اپنا فیصلہ سنائیں۔" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"سمجھ لیں، سنا دیا۔" ماورا نے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔

"مطلب؟" وہ سمجھا نہیں۔

"مطلب یہ کہ مجھے آپ کی آفر قبول ہے میں اس جاب کے لیے تیار ہوں۔"

"رئیلی۔۔۔" تیمور کو جھٹکا لگا تھا۔

"یس۔۔۔" ماورا نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور پھر اپنے آپ کو مزید مضبوط کرتے ہوئے نیچے اتر آئی تھی، جہاں اب اسے عافیہ بیگم کا سامنا کرنا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM